

# فہرست عنوانات اخلاق الائمہ

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱	۱۱	۱۲	۱۱
۲	۱۳	۱۵	۱۳
۳	۱۵	۱۶	۱۵
۴	۱۶	۱۷	۱۶
۵	۱۷	۱۸	۱۷
۶	۱۹	۲۰	۱۹
۷	۲۰	۲۱	۲۰
۸	۲۱	۲۲	۲۱
۹	۲۲	۲۳	۲۲
۱۰	۲۳	۲۴	۲۳
۱۱	۲۴	۲۵	۲۴
۱۲	۲۵	۲۶	۲۵
۱۳	۲۶	۲۷	۲۶
		۲۸	۲۷

تقداد :- پانچ سو  
 قیمت :- ~~پانچ سو~~  
 مصنف :- حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحبہ امر دہری  
 تاریخ اشاعت :- مارچ ۱۹۷۷ء  
 طباعت :- آج لیٹو پریس۔ جراج بھائی لین انڈسٹریل اسٹیٹ بمبئی ۴۰  
 ڈائریکٹر :- کھتری آرٹ پریس، پائیدھونی۔ بمبئی ۴۰  
 کتابت :- عبدالحفیظ بارہ بنگوی۔ سید شیر حسین لکھنوی  
 ملنے کا پتہ :- حیدری کتب خانہ ڈی 36 محمد علی روڈ، بمبئی ۴۰  
 پبلشر :- ایس۔ ایچ۔ ارینا

S. H. URINA  
 EKOPA 25, 7 BANGLOW  
 ARAM NAGE ANDHERI (W)  
 BOMBAY-61



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۴۰	حضرت علی علیہ السلام کی عبادت	۹۶	۴۴	۲۹	حضرت امام رضاؑ کے فضائل علمیہ
۱۴۱	حضرت امام حسنؑ کی عبادت	۹۸	۴۵	۳۰	ایک زندیق سے مناظرہ
۱۴۳	حضرت امام حسینؑ کی عبادت	۱۰۱	۴۶	۳۳	ایک نصرانی عالم سے مناظرہ
۱۴۵	حضرت امام زین العابدینؑ کی عبادت	۱۰۳	۴۷	۳۴	راس الخوات سے مناظرہ
۱۴۸	حضرت امام محمد باقرؑ کی عبادت	۱۰۶	۴۸	۳۵	ایک مجوسی سے مناظرہ
۱۴۹	حضرت امام جعفر صادقؑ کی عبادت	۱۰۷	۴۹	۳۶	ایک سنی عالم سے مناظرہ
۱۵۰	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی عبادت	۵۰	۵۰	۳۵	عصمت انبیاء کے مستحق مایوں
۱۵۲	حضرت امام رضاؑ کی عبادت	۱۰۸	۵۱	۳۷	کے سوالات
۱۵۳	حضرت امام محمد تقیؑ کی عبادت	۱۱۳	۵۲	۳۷	مختلف لوگوں کے سنا کے جوابات
۱۵۴	حضرت امام علی نقیؑ کی عبادت	۱۱۷	۵۳	۳۷	حضرت امام محمد تقیؑ کے فضائل علمیہ
۱۵۵	حضرت امام حسن عسکریؑ کی عبادت	۱۱۸	۵۴	۳۸	حضرت کا بھیجی بن اشم سے مناظرہ
۱۵۷	حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں کی عبادت	۱۲۱	۵۵	۳۹	حضرت امام علی نقیؑ کے فضائل علمیہ
۱۶۰	شیخا عت	۵۶	۵۶	۴۰	حضرت امام حسن عسکریؑ کے فضائل علمیہ
۱۶۳	حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت	۱۲۵	۵۷	۴۱	حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں کے فضائل علمیہ
۱۶۷	حضرت امام حسنؑ کی شجاعت	۵۸	۵۸	۴۱	حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں کے فضائل علمیہ
۱۶۸	حضرت امام حسینؑ کی شجاعت	۱۳۰	۵۹	۴۲	الحکمہ کرام کے عملی فضائل
۱۶۹	حضرت امام زین العابدینؑ کی شجاعت	۱۳۸	۶۰	۴۳	عبادات
۱۷۰	حضرت امام محمد باقرؑ کی شجاعت	۱۳۹	۶۱	۴۴	عبادات

نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۰۳	حضرت امام علی نقیؑ کا زہد	۸۰	۱۷۲	حضرت امام جعفر صادقؑ کی شجاعت	۶۲
۲۰۳	حضرت امام حسن عسکریؑ کا زہد	۸۱	۱۷۴	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی شجاعت	۶۱۳
۲۰۴	الحکمہ علیہم السلام کی سخاوت	۸۲	۱۷۶	حضرت امام رضاؑ کی شجاعت	۶۵
۲۰۵	حضرت امام علیؑ کی سخاوت	۸۳	۱۷۸	حضرت امام محمد تقیؑ کی شجاعت	۶۵
۲۰۸	حضرت امام حسنؑ کی سخاوت	۸۴	۱۷۹	حضرت امام علی نقیؑ کی شجاعت	۶۶
۲۰۸	حضرت امام حسینؑ کی سخاوت	۸۵	۱۸۱	حضرت امام حسن عسکریؑ کی شجاعت	۶۷
۲۱۱	حضرت امام زین العابدینؑ کی سخاوت	۸۶	۱۸۱	الحکمہ اکرام کی عدالت	۶۸
۲۱۳	حضرت امام محمد باقرؑ کی سخاوت	۸۷	۱۸۲	عفت	۶۹
۲۱۳	حضرت امام جعفر صادقؑ کی سخاوت	۸۸	۱۸۶	الحکمہ کرم کا زہد	۷۰
۲۱۶	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی سخاوت	۸۹	۱۸۸	حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا زہد	۷۱
۲۱۷	حضرت امام رضاؑ کی سخاوت	۹۰	۱۸۹	حضرت امام حسنؑ کا زہد	۷۲
۲۱۷	حضرت امام محمد تقیؑ کی سخاوت	۹۱	۱۹۴	حضرت امام حسینؑ کا زہد	۷۳
۲۲۰	حضرت امام علی نقیؑ کی سخاوت	۹۲	۱۹۶	حضرت امام زین العابدینؑ کا زہد	۷۴
۲۲۱	حضرت امام حسن عسکریؑ کی شجاعت	۹۳	۱۹۷	حضرت امام محمد باقرؑ کا زہد	۷۵
۲۲۲	الحکمہ علیہم السلام کا صبر	۹۴	۱۹۹	حضرت امام جعفر صادقؑ کا زہد	۷۶
۲۲۵	حضرت امام علیؑ کا صبر	۹۵	۲۰۱	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کا زہد	۷۷
۲۲۶	حضرت امام حسنؑ کا صبر	۹۶	۲۰۶	حضرت امام رضاؑ کا زہد	۷۸
۲۲۷	حضرت امام حسینؑ کا صبر	۹۷	۲۰۲	حضرت امام محمد تقیؑ کا زہد	۷۹



نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۹۸	حضرت امام زین العابدین کا صبر	۲۲۸	۱۱۶	حضرت امام علی نقی ع کی تواضع	۲۲۶
۹۹	حضرت امام محمد باقر ع کا صبر	۲۳۰	۱۱۷	حضرت امام حسن عسکری ع کی تواضع	۲۲۶
۱۰۰	حضرت امام جعفر صادق ع کا صبر	۲۳۱	۱۱۸	امامہ علیہم السلام کا حلم	۲۲۷
۱۰۱	حضرت امام موسیٰ کاظم ع کا صبر	۲۳۲	۱۱۹	حضرت علی علیہ السلام کا حلم	۲۲۷
۱۰۲	حضرت امام رضا ع کا صبر	۲۳۳	۱۲۰	حضرت امام حسن ع کا حلم	۲۲۸
۱۰۳	حضرت امام محمد تقی ع کا صبر	۲۳۴	۱۲۱	حضرت امام حسین ع کا حلم	۲۲۹
۱۰۴	حضرت امام علی نقی ع کا صبر	۲۳۵	۱۲۲	حضرت امام زین العابدین ع کا حلم	۲۵۰
۱۰۵	حضرت امام حسن عسکری ع کا صبر	۲۳۶	۱۲۳	حضرت امام محمد باقر ع کا حلم	۲۵۱
۱۰۶	امامہ علیہم السلام کی تواضع	۲۳۷	۱۲۴	حضرت امام جعفر صادق ع کا حلم	۲۵۲
۱۰۷	حضرت علی علیہ السلام کی تواضع	۲۳۷	۱۲۵	حضرت موسیٰ کاظم ع کا حلم	۲۵۳
۱۰۸	حضرت امام حسن ع کی تواضع	۲۳۹	۱۲۶	حضرت امام رضا ع کا حلم	۲۵۴
۱۰۹	حضرت امام حسین ع کی تواضع	۲۴۰	۱۲۷	حضرت امام محمد تقی ع کا حلم	۲۵۴
۱۱۰	حضرت امام زین العابدین ع کی تواضع	۲۴۲	۱۲۸	حضرت امام علی نقی ع کا حلم	۲۵۴
۱۱۱	حضرت امام محمد باقر ع کی تواضع	۲۴۲	۱۲۹	حضرت امام حسن عسکری ع کا حلم	۲۵۶
۱۱۲	حضرت امام جعفر صادق ع کی تواضع	۲۴۳	۱۳۰	امامہ علیہم السلام کا عفو	۲۵۶
۱۱۳	حضرت امام موسیٰ کاظم ع کی تواضع	۲۴۴	۱۳۱	حضرت علی علیہ السلام کا عفو	۲۵۶
۱۱۴	حضرت امام رضا ع کی تواضع	۲۴۵	۱۳۲	حضرت امام حسن ع کا عفو	۲۵۷
۱۱۵	حضرت امام محمد تقی ع کی تواضع	۲۴۶	۱۳۳	حضرت امام حسین ع کا عفو	۲۵۸

تعداد  
قیمت  
مصنف  
تاریخ  
طباعت  
طابع  
کتابت  
لئے کا  
پیشہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۳۴	حضرت امام زین العابدین کا عفو	۲۵۹	۱۵۱	حضرت امام محمد تقی ع کی شفقت	۲۵۹
۱۳۵	حضرت امام محمد باقر ع کا عفو	۲۶۰	۱۵۲	حضرت امام علی نقی ع کی شفقت	۲۶۰
۱۳۶	حضرت امام جعفر صادق ع کا عفو	۲۶۱	۱۵۳	حضرت امام حسن عسکری ع کی شفقت	۲۶۱
۱۳۷	حضرت امام موسیٰ کاظم ع کا عفو	۲۶۲	۱۵۴	امام علیہم السلام کی بہان نوازی	۲۶۲
۱۳۸	حضرت امام رضا ع کا عفو	۲۶۳	۱۵۵	حضرت علی علیہ السلام کی بہان نوازی	۲۶۳
۱۳۹	حضرت امام محمد تقی ع کا عفو	۲۶۳	۱۵۶	حضرت امام حسن عسکری ع کی بہان نوازی	۲۶۳
۱۴۰	حضرت امام علی نقی ع کا عفو	۲۶۴	۱۵۷	حضرت امام حسین ع کی بہان نوازی	۲۶۴
۱۴۱	حضرت امام حسن عسکری ع کا عفو	۲۶۵	۱۵۸	حضرت امام زین العابدین ع کی بہان نوازی	۲۶۵
۱۴۲	امامہ علیہم السلام کی شفقت علی التحلق	۲۶۶	۱۵۹	حضرت امام محمد باقر ع کی بہان نوازی	۲۶۶
۱۴۳	حضرت علی علیہ السلام کی شفقت	۲۶۷	۱۶۰	حضرت امام جعفر صادق ع کی بہان نوازی	۲۶۷
۱۴۴	حضرت امام حسن ع کی شفقت	۲۶۸	۱۶۱	حضرت امام موسیٰ کاظم ع کی بہان نوازی	۲۶۷
۱۴۵	حضرت امام حسین ع کی شفقت	۲۶۹	۱۶۲	حضرت امام رضا ع کی بہان نوازی	۲۶۸
۱۴۶	حضرت امام زین العابدین ع کی شفقت	۲۷۰	۱۶۳	حضرت امام محمد تقی ع کی بہان نوازی	۲۷۰
۱۴۷	حضرت امام جعفر صادق ع کی شفقت	۲۷۱	۱۶۴	حضرت امام علی نقی ع کی بہان نوازی	۲۷۱
۱۴۸	حضرت امام موسیٰ کاظم ع کی شفقت	۲۷۲	۱۶۵	حضرت امام حسن عسکری ع کی بہان نوازی	۲۷۲
۱۴۹	حضرت امام رضا ع کی شفقت	۲۷۳	۱۶۶	امامہ علیہم السلام کا صلہ رحم	۲۷۳
۱۵۰	حضرت امام محمد تقی ع کی شفقت	۲۷۴	۱۶۷	حضرت علی علیہ السلام کا صلہ رحم	۲۷۴



# اپنی بات

حضرت ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قلم اردو ہی جیسے علی عالم کا قانون کرانا یا ان کے لئے کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے۔ آپ نے دوسرے زائد کتب تصنیف فرمائی جن میں "مناقب شہر آشوب جہل الفضائل" اصول کافی ۳ تہیں "جیسی ہزار ہا صفحات کی ضخیم کتابیں ہیں۔ ان کتب کے علاوہ رسالہ "نور" کے ایڈیٹر بھی تھے۔ پاکستان جانے کے بعد بھی "نور" برابر جاری رکھا۔ علاوہ ازیں آپ ایک سوزہ علیہ چلاتے تھے جس میں درس و تدریس ہوتی ہے پاکستان میں ان کے شاگرد آج بھی دین مذہب کی تبلیغ فرما رہے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی اخادیت کے پیش نظر ہم نے کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں بھی ان کی تصنیفات شائع کریں۔ پہلی کڑی "حیات بعد الموت" شائع کر چکے ہیں اس سلسلے کی دوسری کڑی "اخلاق الائمہ" حاضر ہے اگر آپ کا قانون شامل حال رہا تو انشاء اللہ جلد تصنیفات بھی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ دشمنوں نے تو فضائل ائمہ کے لئے نہیں اور نہ ہی پسند کیا۔ دوستوں کا یہ حال کہ وہ فضائل ائمہ سننے پر درود و صلوات و سلام بھیجتے ہیں خوب دواہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد عمل بھی دھر ہے کہ ہم می بہت سی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ خدا اگر سے ہم اس کتاب کا مطالعہ کر کے محسوس نفسی کریں۔ اور شہد کریں کہ جو برائی ہم میں موجود ہو وہ دور ہو جائے۔

آمین ثم آمین۔

گدے باب اہلبیت اطہار حسین بالک حیدری کے بارے میں

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۶۸	حضرت امام حسن عسکری کا صلہ رحم	۲۹۱	۱۸۵	حضرت موسیٰ کاظم ع کی غلام نوازی	۳۰۵
۱۶۹	حضرت امام حسین ع کا صلہ رحم	۲۹۲	۱۸۶	حضرت امام رضا ع کی غلام نوازی	۳۰۶
۱۷۰	حضرت امام زین العابدین ع کا صلہ رحم	۲۹۳	۱۸۷	حضرت امام محمد تقی ع کی غلام نوازی	۳۰۷
۱۷۱	حضرت امام محمد باقر ع کا صلہ رحم	۲۹۴	۱۸۸	حضرت امام علی نقی ع کی غلام نوازی	۳۰۸
۱۷۲	حضرت امام جعفر صادق ع کا صلہ رحم	۲۹۵	۱۸۹	حضرت امام حسن مکرئی ع کی غلام نوازی	۳۰۹
۱۷۳	حضرت موسیٰ کاظم ع کا صلہ رحم	۲۹۶	۱۹۰	امام علیہم السلام	
۱۷۴	حضرت امام رضا ع کا صلہ رحم	۲۹۷		کی قناعت	۳۰۷
۱۷۵	حضرت امام محمد تقی ع کا صلہ رحم	۲۹۸			
۱۷۶	حضرت امام علی نقی ع کا صلہ رحم	۲۹۹			
۱۷۷	حضرت امام حسن عسکری ع کا صلہ رحم	۳۰۰			
۱۷۸	امام علیہم السلام کی غلام نوازی				
۱۷۹	حضرت موسیٰ کاظم ع کی غلام نوازی	۲۹۹			
۱۸۰	حضرت امام حسن ع کی غلام نوازی	۳۰۰			
۱۸۱	حضرت امام حسین ع کی غلام نوازی	۳۰۱			
۱۸۲	حضرت امام زین العابدین ع کی غلام نوازی	۳۰۲			
۱۸۳	حضرت امام محمد باقر ع کی غلام نوازی	۳۰۳			
۱۸۴	حضرت امام جعفر صادق ع کی غلام نوازی	۳۰۴			



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى عِبَادِهِ

الَّذِينَ أَصْطَفَى

اخلاق سے کیا مراد ہے۔ اخلاق کا مفہوم افان انسانی سے  
اتفاقاً قریب ہو چکا ہو کہ جاہل سے جاہل آدمی کو بھی سمجھانے کی  
ضرورت نہیں۔ لیکن عوام الناس کی نظریں جو محدود اخلاقی  
معیار ہے وہ فلسفہ اخلاق کے ماہرین کے نزدیک ایک  
ناقابل التفات مفروضہ ہے۔ ممکن ہو بعض سرعین فضائل  
اخلاق سے جاملتی ہوں۔ لیکن ایک فلسفی کی نظریں وہ نفس  
انسانی کے کمالات میں داخل نہیں۔

کتب اخلاق میں جو دقیق مباحث مذکور ہیں ان کا بڑا حصہ  
عقل انسانی کیلئے بھول چھلیاں ہے ان کو اس لئے نہیں چھیڑا  
گیا کہ فضائل نفسانی کے حاصل کرنے میں شمع راہ ہوں۔ بلکہ اسلئے  
کہ ذہن انسانی تعجب زدہ ہو کر جو کچھ کہنے والا ہو اس سے غشی  
رہ جائے اور فلاسفوں کا یہ منشاء پورا ہو جائے "کچھ نہ سمجھ  
خدا کرے کوئی" ایک غریب عالم کا ہدایت سارا عز و وقت  
انکے سمجھنے کی کوشش میں ضائع ہو جاتا ہے لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے

عظیم ام مولانا سید ظفر حسن صاحب قند امر پور کی یاد ناز کتابیں جو  
مقبول عام ہو چکی ہیں مختصر سوانح ائمہ معصومین آسان زبان و بیان

- سوانح عمری جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۲-۵۰  
سوانح عمری جناب سیدہ طاہرہ صلوات اللہ علیہا ۲-۰۰  
سوانح عمری پیر امام جناب حضرت علی علیہ السلام ۲-۵۰  
سوانح عمری دوسرے امام جناب امام حسن علیہ السلام ۲-۰۰  
سوانح عمری تیسرے امام جناب امام حسین علیہ السلام اول دوم ہر ایک ۲-۵۰  
سوانح عمری چوتھے امام جناب زین العابدین علیہ السلام ۲-۵۰  
سوانح عمری پانچویں امام جناب محمد باقر علیہ السلام ۲-۰۰  
سوانح عمری چھٹے امام جناب جعفر صادق علیہ السلام ۲-۵۰  
سوانح عمری ساتویں امام جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام ۲-۰۰  
سوانح عمری آٹھویں امام جناب علی رضا علیہ السلام ۲-۵۰  
سوانح عمری نویں امام جناب محمد تقی علیہ السلام ۱-۵۰  
سوانح عمری دسویں امام جناب علی نقی علیہ السلام ۲-۲۵  
سوانح عمری گیارہویں امام جناب حسن عسکری علیہ السلام ۱-۵۰  
سوانح عمری بارہویں امام جناب ہدی اسرار زماں علیہ السلام ۲-۵۰

محاسن خواتین ۲۰ محرم تک ہدیہ: ۵/۵۰

حیدری کتب خانہ ۱۵/۱۲ مرزا علی اسٹریٹ امام بارہ روڈ لاہور



SABEEL-E-SAKINA

۷۸۶

۹۲۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی

ziaraat.com



# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

### ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc

sabeelesakina@gmail.com

sabeelesakina@gmail.com

03333589401

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL USE



یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



کہ کچھ نہ سمجھا جائے " غیر محسوس چیزوں کے متعلق حکما نے  
نذر ہو کر ہزار ہا نظریے اس لئے قائم کر لئے ہیں کہ وہ چیزیں نظر  
سے خارج ہیں۔ جھٹلانے والے حقیقت کو بے نقاب کر کے  
دکھلا نہیں سکتے۔ ہم ان دور دراز کار کیللات اور غیر ضروری  
باتیں چھیڑ کر اپنا اور ناظرین کتاب کا وقت ضائع کرنا نہیں  
چاہتے۔ اور بجائے نفس کی حقیقت و ماہیت پر کوئی طولانی  
مقالہ سپرد قلم کرنے کے اسکے ان آثار سے بحث کرینگے جن کا  
تعلق انسان کی علی زندگی سے ہے تاکہ کوئی کارآمد بات  
لوگوں کے ہاتھ لگے تاہم فلاسفہ اخلاق کا ہمنوا ہو کر ہم کو اتنا  
کہنا ضرور ہے کہ اخلاق کا صحیح مفہوم عوام الناس کے ذہن  
میں بہت کم ہے۔

(الف) ایک شخص کہ آدمی بخندہ پیشانی بات کر لیتا ہے عرف  
عام میں وہ بڑا غلیظ ہے۔

(ب) کسی سے ملنے جاتے ہیں وہ ایک پیالی چائے دیدیتا ہو  
یا ایک پان کھلا دیتا ہے، غلیظ ہے۔

(ج) کوئی ملنے والا افراد خاندانی کی احوال پرسی کر لیتا ہے۔  
غلیظ ہو۔

(د) کسی پریشانی میں ہمدردی کا اظہار کرتا ہو بڑا غلیظ ہو۔  
یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہمارے گلستان اخلاقی

کے وہ بہتے بہتے پھول ہیں جنکے قریب ہونے سے ہم کو وجد آتا ہو۔  
بیشک یہ بھی اس باغ کے پھول ہیں جنکی ہم سیر کرنا چاہتے ہیں  
فضائل نفسانی کی اسی بزم پر نور کی یہ بھی ٹٹائی شمعیں ہیں جس  
کے چراغاں کی بہار ہم کو دکھانا مقصود ہے۔

عزیز دوستو! چند پھولوں کا نام باغ نہیں ایک چمنستان کی  
کائنات بہت کچھ ہوتی ہے۔ بہار میں سیر کرنے والے کیا کیا  
دیکھتے ہیں اور دل و دماغ پر کیا وجدانی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں  
انکی تصویر کشی آسان کام نہیں بڑا دماغ اور بڑا دفتر درکار  
ہے ہم اپنے مقصد اصلی سے دور ہو جائینگے اگر اس لطیف  
اندوزی کی تفصیل میں جا کر اپنی ادبی قوت صرف کریں۔

ہمارا مقصد تالیف ہمارا مقصد ائمہ اہلبیت علیہم السلام  
کے مکارم اخلاق کی تصویر کشی ہے لہذا جو اس سلسلے میں

ناگزیر مباحث فلسفہ اخلاقی سے متعلق ہمارے سامنے آتے ہیں  
انکو اپنی استعداد کے مطابق اور ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے  
بیان کرنا اپنا فرض مقالہ نگاری سمجھیں گے۔ ایسے دقیق مباحث  
سے کنارہ کش رہینگے جنکے سمجھنے اور سمجھانے میں دماغ کا کچھ مر  
نکل جاتا ہو اور پھر بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ زینما مرد و بوذیان؟  
علماء اخلاق نے نفس کے متعلق بہت سی غیر ضروری



بحثیں چھیڑ کر اپنی فلسفیانہ قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً (۱) نفس کا مقام کہاں ہے (۲) نفس مجرد ہے یا بسیط (۳) قدیم ہے یا حادث (۴) جوہر ہے یا عرض (۵) قابل فنا ہے یا نہیں (۶) بدن انسانی محل نفس ہے یا نہیں (۷) اخلاق قابل زوال ہے یا نہیں (۸) اخلاق کسی ہی یا دو ہی (۹) اخلاقی فضائل کا تعلق دل سے ہو یا دماغ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارا ان مباحث سے کوئی سروکار نہیں یہ فلسفیانہ مشکافیاں انہی کو مبارک رہیں جنکو اللہ نے فرصت کا وقت کافی دیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے ہمارا یہ مقصد بھی نہیں کہ ہم کو اخلاق کا پروفیسر بنادیں۔

ہمارا ان مباحث سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہ ہو کہ اپنے ائمہ کے اخلاق کے عملی نمونے پیش کر کے اہل ایمان سے انکے نقش قدم پر چلنے کی درخواست کریں

ہم اپنی اس کتاب میں جن مقدس ہستیوں کے اخلاقی سے بحث کریں گے یہ وہ ہیں جنکے مکارم اخلاق کو چھپانے میں مکتوں نے اپنے زور صرف کئے ہیں خزانوں کے دبانے پھٹ پڑے ہیں بیان کر نیوالوں کی گردنیں قلم ہوئی ہیں کھالیں کھینچی گئی ہیں زبانیں کاٹی گئی ہیں سولی پر چڑھایا گیا ہے۔ زندانوں میں بند کرایا گیا ہو۔ تقریر و تحریر پر پھنسر بٹھایا گیا ہے۔ لہذا اس صورت

لہذا اس صورت میں مبالغہ کی رنگ آمیزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ محسوس حقیقت ہوگی جو دنیا کی کسی طاقت کے چھپائے نہیں چھپ سکتی۔ ہم آگے چل کر جو کچھ لکھیں گے وہ تمام چیزیں اس گمراہ کی کتابوں میں آپ کو مل جائیں گی۔ جنہوں نے ہمارے ائمہ کو اپنا پیشوا نہیں مانا۔ اور جنہوں نے سلطنتوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر رانی کو پرست بنایا ہے حق بات میں کتنا زور ہوتا ہے کہ مخالفوں کے سیلاب اسے جگہ سے نہیں ہٹا سکتے اور حق پوشوں کی زبان پر آئے بغیر نہیں رہ سکتی اس فضیلت کا کیا کہنا جس کی گواہی دشمن سے مل جائے۔

جس طرح انسان کی تخلیق چار فضیلت چہارگانہ کی توضیح عناصر سے ہوئی ہے اسی طرح اخلاقی پیکر کے عناصر بھی چار ہیں۔ حکمت، عفت، عدالت، شجاعت گویا یہ مکارم اخلاق کی چار دیواری ہو۔ اگر ان میں سے ایک دیوار بھی نہ ہو یا شکستہ حال ہو تو متاع اخلاق غیبر محفوظ اور کمال انسانیت مدقوق و مفلوج اور دیکھنے والوں کی نظر میں ذلیل و معیوب انہی فضائل چہارگانہ کو اخلاقی اشجار کی جڑیں کہہ سکتے ہیں ان چاروں کے تحت میں جو انواع فضائل ہیں وہ انہی درختوں کی شاخیں ہیں۔ درخت درحقیقت نام ہی شاخوں کا، ورنہ سوکھا تھوٹھ تو جلا دینے کے لائق ہو۔ درخت جتنا ہر بھرا



ہو جتنا سایہ دار ہو اتنا ہی قابلِ قدر ہے۔

اگر سچ پوچھو تو کائنات کی تسخیر کا منتر انہی چار لفظوں میں بند ہے۔ روحانیت کی معراج کی سیڑھی یہی ذریعہ ہے۔ انسانیت کے حدود اور بصری چار ہیں۔ معاشِ معاد کی فلاح انہی چار کلماتوں پر منحصر ہے۔ تسخیرِ ممالک کیلئے بے شمار ہتھیار بنے اور بن رہے ہیں لیکن وہ سب مادیت کو مقہور مغلوب بنانے کیلئے ہیں۔ تسخیرِ قلوب کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مملکت ان ہتھیاروں کیلئے ناقابلِ تسخیر ہے اسکے لئے اگر ہو سکتے ہیں تو یہی چار ہتھیار۔ ان ہتھیاروں میں کتنا زور ہو کیسی بے پناہ طاقت ہے کون بتائے مختصر لفظوں میں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ فرش سے لیکر عرش تک ہر شے منہر ہو سکتی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ قدم چوم سکتا ہے۔ انسانیت اتنی بلند ہو سکتی ہے کہ فرشتے اسکی خدمت کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ آئیے اٹھ اٹھ کر دیکھیں اخلاقی فضائل کی حیرت انگیز کشش سرکارِ دو عالم ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض بعثت یہ تھی کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کر دیں۔ یعنی جو کام ایک لاکھ ۲ ہزار ارباب سے پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا اسکو اصول اور عملاً اتنا درجہ کمال پہنچا دیں کہ پھر کسی نبی یا رسول کے آئین کی ضرورت نہ رہے۔ اسکے لئے غیر معمولی طاقت کی ضرورت تھی۔ پھر عرب جیسے ملک میں جو بد اخلاقیوں کا گہوارہ تھا جسکے حیا سوز کردار نے

انسانیت کے جنازے میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ یہ شدید ضرورت نہ تو مال و دولت سے پوری ہو سکتی تھی نہ عسکری نظام سے نہ تلوار کی دھار سے بلکہ اس کیلئے ایک اور ہی قوت کی ضرورت تھی۔ آیہ انزلت العلی خلق العظیم نے اس رازِ سر بستہ کو کھولا اور دنیا پر یہ آشکار کیا کہ سرکارِ دو عالم کا خلق عظیم ترویجِ اسلام کا یہی وہ پناہ گزیر تھا جس نے عرب کی گلیا پلٹ دی اور قلوب کی تسخیر کا وہ حیرت انگیز کرشمہ دکھایا کہ دنیا حیرت میں آگئی۔ کیا ہوا اسکو قرآن کی زبان سے سنو یدخلون فی دین اللہ افواجا رعدا کے دین میں فوجوں کی فوجیں داخل ہونے لگیں اس عظیم انسان فتح کی بڑی ذمہ داری آحضرت کے خلق عظیم پر تھی۔ جناب ام المومنین حضرت خدیجہ کے مال سے غریب مسلمانوں کی مدد ضرور ہوئی اور بوطاہ کی وجہا بہت نئے دشمنوں کے شہر سے محظوظ ضرور رکھا مگر وہ چہینہ جو کفار و مشرکین کے دل و دماغ پر بجلی کی طرح کوندی اور جس نے جاہل عربوں کے دل پر حیرت انگیز چھاپہ مارا وہ آحضرت کا خلق ہی تھا جس نے وحشت زدہ عربوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیا جیسے مقناطیس سوئی کو کھینچتا ہو۔

ابھی رسالتِ مصلحت میں روپوش تھی کہ خلقِ محمدی نے رسالہ اپنی تبلیغ شروع کر دی اور ان جہالت کے ماروں



سے جو حسن اخلاق کے پکے دشمن تھے اپنی امانت اور صداقت کا اقرار لے لیا اور تمام عرب میں صادق و امین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اس بشری پیکر میں جسکو محمد کہا جاتا تھا انسانی کمالات کا لہو اسی روز سے دوڑنا شروع ہو گیا تھا جب اس نے اپنا پہلا سانس اس فضائے آب و گل میں نکالا تھا۔

سرکارِ دو عالم نے ابنائے روزگار کے سامنے جو اسلام کی اخلاقی تعلیم پیش کی وہ صرف زبانی جمع خرچ نہ تھا بلکہ عملی کارنامے اسکے پہلو بہ پہلو چلتے تھے۔ زیورِ اخلاق سے معترفوں سے سرکارِ دو عالم کے اخلاق حسنہ کو دیکھتے تھے تو ان کو اپنی انسانیت شرمناک حد تک پستی میں نظر آتی تھی۔ اور ہر موقع پر انکی فطرت میں ایک ناقابلِ برداشت تاسی کی تڑپ پیدا ہوتی تھی۔ سرکارِ دو عالم نے جو اخلاقی تعلیم دی وہی اسلام کے چہرے کا غاڑہ اور ایمان کے پیکر کی جان تھی۔ جب یہ تعلیم تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو کر کرہ ارض کے مختلف حصوں میں پہنچی۔ جب مسلمان سیاحوں کی زبانی اس تعلیم کا چرچا اقوام نے سنا تو انکی شعوری قوتیں خواب غفلت سے اس طرح یکایک چونک اٹھیں جیسے سست رفتار گھوڑا تازیانہ کھا کر چوکتا ہو جاتا ہے۔ اب مذاہب کو موقع تھا کہ وہ اپنے اخلاق کا ناقابلِ موازن اسلامی اخلاقیات سے کریں۔ جنہوں نے ایسا

کیا انکی سمجھ میں بہت جلد آ گیا کہ سچے اور جھوٹے موتیوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم کے ہاتھوں تکمیل اخلاق کیونکر ہوئی؟ حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ انی بعثت لاتمکم مکارم الاخلاق (میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جو پہلے آچکے تھے اور جن سب کے فرائض میں اصلاح اخلاق انسانی داخل تھی، اب تک اس کام کو پورا نہیں کر پائے تھے۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ کیا انھوں نے اپنے کام سے غفلت کی؟ یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے پھر کیا وجہ ہو کہ یہ تعلیم کمال کو نہ پہنچی۔

حقیقتاً یہ بہت مشکل سوال ہے اور اس کا جواب ذرا سی تفصیل چاہتا ہو۔ آیہ تِلْكَ الْوَسْلُ فَضْلُنَا لِبَعْضِهِمْ عَلٰی بَعْضٍ سے معلوم ہوا کہ سب رسول مرتبہ میں یکساں نہیں تھے۔ اور ان کے مراتب و مدارج میں فرق تھا۔ خواہ یہ فرق علمی حیثیت سے ہو۔ خواہ انکے تبلیغی دائرے کے محدود ہونے سے ہو خواہ بلحاظ معرفت ہو اسکو تو خدا بہتر جانتا ہے۔ ہماری قیاس آرائیوں میں گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ہمارا ان سب کی نبوتوں پر ایمان ہے۔



## لا نفرق بین احد منہم بہ حیثیت نبی ہونے

کے ہم ان میں کوئی نہیں کرتے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہو کہ انبیائے سابقین کو محاسن اخلاق کے برابر پہلو کو اجاگر کرنے کا موقع نہ ملا۔ بعض انبیاء ایسے تھے کہ صرف ایک ہی قوم پر مبعوث کئے گئے تھے بعض ایک ملک پر بعض ایک خطہ زمین پر بعض صرف اپنے خاندان پر بعض کی سرکش امتوں نے انکی تعلیم کو کان دھ کر نہ سنا۔ بعض نے سنا مگر عمل نہ کیا۔ بہر حال بہت اسی صورتیں ایسی ہوئیں کہ اخلاقی فضائل اور انکی تمام انواع کے نمونے اس زمانے کی امتوں کے سامنے نہ آ سکے اور اسلامی اخلاق من جمیع الجہات کھل کر نہ رہے۔ یا یہ کہ انبیاء کی جو تعلیم تھی وہ ایک محدود زمانے تک چل کر رہ گئی اور آئندہ اسکی بقا کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر نبی کی امت نے اپنے نبی کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔ اور کچھ مدت کے بعد اول بدل کر کچھ سے کچھ ہو گئی۔ کیونکہ صحیح نمونے باقی نہ رہے اس لئے غلطی کو صحیح سمجھا جاتا رہا یہاں تک کہ پھر ایک نبی کے آئینگی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ کچھ انبیاء ضرور ایسے ہیں جنکی نسلوں میں سلسلہ بہ سلسلہ نبوت چلی لیکن وہ بھی ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو گئی۔ دوا کی اور مستقل بندوبست نہ ہونے کی بنا پر اخلاقیات کی تکمیل ممکن نہ ہوئی۔

انسان کی بہترین کمال تولید مثل ہے۔ اپنے اندر کمال

دکھانے والے تو دنیا میں بے شمار ہیں لیکن اپنا ہی جیسا دوسرو کو بنانے والے بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ بلکہ اکثر صدیاں ایسے باکمال لوگوں سے خالی ہی رہتی ہیں۔

جب باکمال لوگوں میں تولید مثل کرنے کی قوت نہیں رہتی تو کمال رفتہ رفتہ زوال کی طرف جانے لگتا ہے اور دنیا اس سے خالی ہو جاتی ہو تولید مثل معمولی کام نہیں اسکے لئے بڑے موثر نفس کی ضرورت ہے۔ دوسرے کو اپنا سا بنالینا اسوقت تک ممکن نہیں ہو تا جب تک صاحب کمال کا نفس اتنا طاقتور نہ ہو کہ وہ نفس غیر کو اپنی طرف کھینچ لائے۔ جزئی مائلت تو پیدا کر دینے والے ہزاروں ہیں لیکن بالکلیہ مائلت پیدا کرنا ایسا بے معدوم۔ ہر جزئی بات میں۔ جملہ عادات میں جملہ محاسن و اخلاقیات میں جملہ افعال و اعمال میں جملہ کمال نفسانی و روحانی میں اپنا ہی جیسا کسی دوسرے کو بنالینا کارے دار اور جب تک ایسا نہیں ہوتا اسوقت تک بقائے کمال محال۔

جناب سرور انبیاء خلق عظیم پر فائز تھے۔ اسکی تکمیل اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ اسکی بقا کا بندوبست ہو ورنہ جیسے اور انبیاء کی تعلیم وقتی رہی یہ بھی وقتی رہتی۔ اور بقا بغیر تولید مثل محال۔ لہذا حضور نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ فرمائی اور اپنی زندگی میں چار نفس (علی فاطمہ حسن حسین) ایسے بنا دیئے جو ہو ہو



ایسے ہی تھے جیسے نفس رسولؐ۔ محاسن اخلاق میں کوئی فضیلت ایسی نہ تھی جو رسولؐ میں ہو اور ان میں نہ ہو۔ جس طرح ہر ہر فضیلت کو عمل رسولؐ نے دکھایا انہوں نے بھی دکھا۔ یہ قدرت کی طرف سے مکارم اخلاق کی تکمیل کا ایک مکمل بند و بست تھا کہ اس نے بارہ معصوم بہتیاں ایسی خلق فرمائیں جن کو سرور انبیاء کی نیابت کا فزیکے بعد دیگرے حاصل رہا اور جو اخلاق محمدیؐ کا نمونہ ہر زمانے میں پیش کرتے رہے اور جو جو نقصانی کمالات رسولؐ میں تھے وہ سب بے کم و کاست نمایاں کرتے رہے۔ جس طرح آنحضرتؐ کی نبوت ناقیام قیامت ہو اسی طرح رسولؐ کا یہ اخلاقی نمونہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

**فضائل چہارگانہ کی توضیح** جو فضائل چہارگانہ (حکمت، عفت،

عدالت و شجاعت) ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسا دشوار گزار راستہ ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلواری سے زیادہ تیز ہے۔ علماء اخلاق نے اس کی صراط مستقیم کہا ہے۔ جس نے دنیا میں اس راستہ کو پایا اور اس پر ثابت قدم رہا وہ روز قیامت بل صراطِ صاف گذر جائیگا۔ کیونکہ اس صراط مستقیم پر چلنے کی وجہ سے اسکے اعمال میں کوئی کھوٹ نہ ہوگا۔

اس اخلاقی راستے کو دو لفظوں کے درمیان ایک وسطی

خط سمجھو۔ یہی وہ ایسا خط ہے جو سب سے زیادہ چھوٹا بھی ہوتا ہے اور سب سے زیادہ سیدھا بھی۔ اسکے پہلوؤں میں جتنے خطوط نکالے جائیں گے وہ سب تیرے بھی ہونگے اور زیادہ لمبے بھی۔ یہ سب خطوط فضائل میں شامل نہ ہونگے بلکہ رذائل کہلاتے ہیں۔ فضیلت صرف ایک ایسا وسطی خط ہوگا۔

فضیلت رذائل فضیلت۔ اس پاس کے خطوط میں جو خط وسطی سے زیادہ قریب ہوں گے اور جو زیادہ دور ہوتے جائیں گے ان میں رذیلت برہمتی جائیگی اخلاقی فضیلت صرف ایک ہوگی۔ اور رذائل بے شمار۔ اس وسطی خط پر قائم رہنے والا ایک بھی مشکل سے ملے گا۔

یہی وہ خط یا صراط مستقیم ہے جس پر ثابت قدم رہنے یا جسکی تلاش میں ارباب سلوک درشاد شب و روز سرگرداں رہتے ہیں اور بڑی بڑی روح فرسا ریاضتیں کرتے ہیں اول تو اس کا پانا بہت مشکل۔ کیونکہ جب تک اخلاقی حدود کا صحیح علم نہ ہو یہ راستہ نہیں مل سکتا۔ پھر اگر مل بھی جائے تو اس پر قائم رہنا مشکل۔ بے حد دشوار۔ ذرا سی غفلت میں جاوہ مستقیم سے قدم ڈمگنا جاتے ہیں۔ اور وہ کاکیا ذکر انبیاء علیہم السلام ترک اولیٰ کی منزل میں آجاتے ہیں۔



اس صحیح راستہ کے پرکھنے کا معیار اخلاق انبیاء اور سب سے زیادہ خلق عظیم خواجہ کائنات کے اخلاق ہیں۔

یہی وہ میزان عدل و حجت میں اعمال بندگان الہی کو تولد و خداداد عالم فرماتا ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب المیزان المحکم بین الناس فیما اختلفوا قیامہ اور ہم نے اپنے رسول کو روشن معجزات کے ساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب و میزان بھی نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کر دیں جو باعث اختلاف ہوں یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی نبی نہ اپنے ساتھ کتاب لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے نہ میزان پھر اس سے کیا مراد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب سے مراد نبی کی کتاب وجودی ہے۔ حضرت متراثہ فی العالمین امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وانت الکتاب العظیم الذی

یعنی اے انسان تو اللہ کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے ہر حرف سے اسرار قدرت ظاہر ہوتے ہیں۔ جب خدا کا وجود خدا کی عظیم الشان کتاب ہے تو انبیاء کے وجود کا ذکر ہی کیا۔ انکے ہر عضو اور قوت میں خدا کی قوت کا خاص کرشمہ پایا جاتا ہے۔ عام لوگوں کی قوت سامعہ، ناطقہ اور باصرہ سے انکی قوتیں بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ انکے اعضاء جسمانی اپنے

خصائص میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی آواز جو اذان حج کیلئے بلند ہوئی تھی ان نطفوں تک نے سن لی جو صلب پدر یا رحم مادر میں تھے۔ انکی آنکھ نے ملکوت السموات وارض کو دیکھ لیا۔ جناب سلیمان نے چوٹی کی بات چیت سن لی اس طرح دیگر انبیاء کو ان تمام امور میں امتیاز خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ پس انکی کتاب وجودی کی ہر آیت اپنے مقام پر لاجواب ہوتی ہے۔

اب رہا میزان کا نازل ہونا یہ انکے اخلاق کریمانہ ہیں۔ انہی کے مطابق تمام لوگوں کے اخلاق کو جانچا جائیگا۔ ہر شے کی میزان جدا گانہ ہوتی ہے۔ مادی اشیاء کے تولنے کے موازن اور ہیں اور غیر محسوس چیزوں کی اور۔ اشعار کی میزان معمولی ترازو نہیں یا سونے چاندی تولنے کا کانا نہیں بلکہ انکے اوزان ہی کچھ اور ہیں بخار کے تولنے میں یہ اوزان بھی کام نہیں آتے بلکہ تھرمامیٹر سے کام لیا جاتا ہے۔ اخلاقیات میں یہ معیار بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ وہاں ایک اور ہی میزان ہے۔ عرف عام میں کہا جاتا ہے۔

فلان کی عادت، فلان سے مشابہ ہے۔ وہ اخلاق میں اپنے باپ کو ملتا جلتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اخلاق انبیاء وہ میزان ہیں جنکو سامنے رکھ کر وزقیامت امتوں کے اخلاق کو جانچا جائیگا۔ اور انبیاء کے اخلاق کیلئے صاحب خلق عظیم کے افلاک کو معیار قرار



دیا جائے گا۔ پس صراط مستقیم سے جو جتنا ہٹا ہوا ہوگا اسی قدر اسکے اعمال کا وزن کم سمجھا جائے گا۔

اور جو اس اعتدال حقیقی سے زیادہ قریب ہوگا اتنا ہی اچھے میں زیادہ ہوگا۔ فرماتا ہے۔ ونضع الموازين بالعدل یعنی یہ چانچ پتھر تال بڑے انصاف کیساتھ ہوگی۔ تاکہ کسی شکایت کا موقع نہ ملے۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ وہ من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنی ذرہ برابر بھی نیکی رائیگاں نہ ہوگی اور نہ ذرہ برابر بدی بے سزا دیئے چھوڑی جائیگی۔ یہ جانچ دراصل اس خط و سطی سے ہوگی جو جتنا قریب ہوگا اسکے عمل کا پلہ اتنا ہی بھاری ہوگا اور جو اس خط سے جتنا دور ہوتا گیا ہوگا اسی قدر اعمال میں ہلکا پن آجائیگا۔ اب غور کیجئے یہ راہ کتنی مشکل ہے۔

اگر آسانی سے یہ راستہ مل جائیو لا ہوتا تو اولیاء خدا جنکو اہل باطن یا ارباب سلوک رشاد کہا جاتا ہے سخت سے سخت ریاضتیں کر کے اپنے نفس کو تعب میں نہ ڈالتے اور اپنے راحت و آرام کو ترک نہیں کرتے جو صوفیائے کرام اور صاحب کشف صاحب کرامت سمجھے جاتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی منزل پر ٹکستے یا نظر آتے ہیں۔ ہم کو بلا خوف تردد یہ کہنا ہے کہ سوائے محمد و آل محمد کے کسی نے ان منزلوں کو کسی نے کامیابی کے ساتھ طے کیا ہی نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ارباب تصوف کے تمام سلسلوں کا

مرجع جناب امیر علیہ السلام قرار نہ پاتے۔ یہ منزلیں اتنی اونچی ہیں کہ مادیت کے طلسمات میں پھنسی ہوئی نگاہیں انکو دیکھ بھی نہیں سکتی۔ پہنچنے کا ذکر ہی کیا۔

### فضائل چارگانہ میں ہر فضیلت کی توضیح اہم بیان

کر چکے ہیں کہ تمام اخلاق فاضلہ کی جڑیں چار ہیں۔ اول حکمت دوسرے عفت تیسرے شجاعت چوتھے عدالت۔ باقی تمام اخلاق صبر، شکر، قناعت، توکل جو دوسخاوت کسر نفس، خجرت، رضا، ورع وغیرہ جو تقریباً ۴۸ ہیں۔ ان ہی کی انواع یا شاخیں کہلاتی ہیں۔ اب فضائل اربعہ میں سے ہر ایک کا مختصر بیان سنئے۔

(۱) حکمت۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ حکمت نظری اور حکمت عملی۔ نظری کا تعلق انسان کی غور و فکر سے ہے۔ جب یہ ملکہ اپنے صحیح راستے پر ہوتا ہے تو انسان خطائے فی الفکر سے بجات پا جاتا ہے اور مقدمات کو ترتیب دے کر صحیح نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ من یوفی حکمۃ فقد اوفی خیرا کثیرا جس کو حکمت مل گئی اسکو بہت بڑی نیکی مل گئی۔ اسی حکمت کے تحت میں تمام علوم دین ہیں۔ اسی حکمت کے تحت تمام فلسفہ کائنات ہے۔ اسی حکمت کے تحت تمام ادیان ہیں۔



اسی سے ایمان و معرفت اور یقین و وجدانیت کا تعلق ہے۔  
اسی کی مدد سے انسان اپنے کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ اور  
غلط اور صحیح راستوں میں تمیز کرتا ہے۔ دوسری قسم اس  
کی عملی ہے جو غور و فکر کے بعد اس عمل کی طرف جاتی ہے جو  
صحیح راستہ کہلاتا ہے۔

اس کے وسطی خط سے اگر بال برابر انسان کا قدم ہٹ  
جائے تو حکمت کی فضیلت جاتی رہتی ہو۔ اور اسکے مقابل کوئی  
رذیلیت آجاتی ہو۔ اگر اوپر کی طرف پڑ گیا تو چالاکی عیاری اور علم  
سے لوگوں کو فریب دینا آجاتا ہے۔ اسی قدر اس میں رذیلیت  
زیادہ آجاتی ہے۔ اور حکمت کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔  
اس طرح اگر اس وسطی خط سے نیچے کو گیا تو جہالت ہوگی۔ اسکے  
بھی بے شمار خطوط ہیں۔

جہالت ایک قسم کی نہیں ہزار قسم کی ہوتی ہے اور اسکی وجہ  
سے عملی دائرہ میں انسان سے بے شمار غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس  
اخلاق میں حکیم وہ کہنا بیگا جو درمیانی خط پر سیدھا چلا جائے۔ اور  
بال برابر نہ ہو۔ بہت سے لوگ آپ کو ایسے نظر آئیں گے کہ وہ  
بظاہر علم و حکمت سے آراستہ ہونگے لیکن انکے عملی قدم یا خط  
مستقیم سے اونچے نظر آئیں گے یا نیچے۔ معاملات میں انکے نتائج  
غلط ہوں گے۔ انفضال قضا یا میں وہ اسباب صحیح کی معلومات

سے قاصر ہوں گے۔ مشکلات کا حل وہ چالاکی سے کرینگے۔  
(۲) عفت۔ بھی وسطی خط ہے۔ اس سے اوپر گئے تو  
حرص و ہوا اور ناروا خواہشوں کی پیداوار شروع ہوگئی۔ نیچے  
کو اتر آئے تو جائز خواہشوں کو بھی فنا کر بیٹھے۔ معاشرت و  
تمدن کی جڑیں کاٹ کر بیک سینی و دو گوش غاروں میں جا کر  
نفس کو اتنا دبا یا کہ قبل از وقت زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ غرض یہ کہ  
افراطی اور تفریطی دونوں راستے خطرناک ہیں۔ دونوں کا رذائل  
میں شمار۔ صاحب عفت وہی کہلائے گا جو حرص کا مارا نہ ہو۔  
نہ جائز فطری مطالبات کا ذریعہ نہ کرنے والا۔

(۳) شجاعت یہ بھی وسطی خط ہے جس کے اوپر کے حصے تہوہ  
یا جڈپن کہلاتے ہیں اور نیچے کے حصے ہردلی۔  
(۴) عدالت۔ اسکے بالائی حصے ظلم ہیں اور نیچے کے تحت نظام  
ان چاروں درمیانی خطوط کا معلوم کرنا اول تو معمولی لوگوں  
کے ہوتے کا کام نہیں پھر ان پر بغیر کسی لغزش کے مدت العمر  
چلتے رہنا اور بھی مشکل ہے۔ ہمارے رسول سرکار دو عالم  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صاحب فطن عظیم تھے ان کو بھی ان  
دشوار گزار منزل پر یہ کہنا پڑا۔ شیبی سورۃ ہود (سورہ ہود  
نے مجھے بٹھا کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا اس سے حضور کا کیا مطلب  
فرمایا اس میں حکم ہے۔ فاستقم لئلا اموت (جس طرح



تم کو حکم دیا گیا ہے اسی طرح سیدھے کھڑے رہو۔ یعنی اخلاق کے راستے سے بال برابر نہ ہٹو۔ یہ طریقہ کار اتنا مشکل تھا کہ اس نے آنحضرت جیسی ہستی کو بھی اپنی دشواریوں کی بناء پر قبل از وقت ہڈھا کر دیا۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اصحاب رسول میں سے کوئی بھی شخص اپنے اس دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ ان چاروں فضائل کا مع انکی تمام انواع کے مالک ہے۔ ممکن ہو انہی معتقدین نے یہ طرہ امتیاز انکی دستار فضیلت میں لگا دیا ہو کیونکہ خوش اعتقادی مٹی مٹی کو سونا بنا سکتی ہو مگر جب تک اس دعویٰ پر ہر تصدیق ثبت نہ ہو قبولیت کی سند نہیں مل سکتی۔ یہ فضیلت صرف اہلبیت رسالت ہی سے مخصوص رہی۔ سرور اہل بیت حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے سب سے پہلے ان فضائل چہاگانہ کی سندیں خدا رسول سے حاصل کیں۔

(۱) حکمت: رسول نے فرمایا۔ انا دار الحکمة وعلی بابہا (میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اسکا دروازہ) اور خدا نے فرمایا۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والاسخون فی العلم اور فرمایا قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب۔

(۲) شجاعت: خدا نے فرمایا۔ یجاہد و ثن فی سبیل اللہ

ولا یخافون یومہ لا یم اور فرمایا یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانہم نبیان مرصوص۔ رسول نے فرمایا۔ ضویت علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین اور روز خیر فرمایا۔ لا عطین الرایۃ غد ارجلا کواذ غیر فسا یرحب اللہ والرسول ویرحبہ اللہ والرسول۔ اور بانف غیبی نے علی کی غیر معمولی شجاعت دیکھ فرمایا۔ لا فنی الا علی لا سیف الا ذو الفقار۔

(۳) عفت: خدا فرماتا ہے انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً۔ رسول نے فرمایا یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک تھی۔ یعنی جس طرح وہ معصوم تھے تم بھی ہو اور جس طرح وہ موسیٰ کے وحی تھے تم میرے ہو۔

عدالت: سورہ اعراف میں فرماتا ہو ومن خلقنا امۃ یہدی ون بالحق و بہ یعد لون رہم نے ایسی امت بھی پیدا کی ہو جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں۔ اور رسول نے فرمایا انصافکم علی علی تم میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں۔

ان فضائل میں اہلبیت کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہو سکتے



ہیں۔ مگر انکے اخلاق کا عروجی نقطہ کسی راہرو کے قدم کو مس نہیں کرتا۔ اسکے علاوہ مدت العمر صراطِ مستقیم پر قائم رہنا سولے اہلیتِ اطہار کے کسی دوسرے پر ثابت نہیں۔

رسول سے زیادہ اسکی جانچ کرنے والا اور کون ہو سکتا تھا کہ یہ فضائل چار گانہ علی میں ہیں یا نہیں اگر ذرا سی کمی بھی ہوتی تو آپ کی حق کی تہجانی گریہ نوالی زبان پر انکی مدح ہرگز جاری نہ ہوتی۔ پس جب یہ فضائل چار گانہ جو تمام حسن اخلاق کی جڑیں ہیں اہلیتِ کیلئے ثابت ہو گئے تو انکے انوار میں انکا کماں خود بخود ثابت ہو گیا کیونکہ انہی کے مجموعہ کا نام فضائلِ چار گانہ ہے۔

اب ہم مختصراً ان فضائل میں سے بقدر وسعت رسالہ چند چیزوں کو بیان کرتے ہیں۔ ان سب میں افضل و اعلیٰ علم ہے۔ کیونکہ بغیر علم کوئی فضیلت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن علم کے تمہیداً ہمیں کچھ بیان کرنا ہے۔

**علم اہلیت** علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک دینی دوسرے کسی دین وہ علم کہ جو خدا اپنے برگزیدہ بندوں کو ہدایت و وحی و الہام عطا فرماتا ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا کیونکہ معلم کا علم عین ذات ہے۔ نقصان کو اس میں راہ نہیں متعلم معصوم ہے۔ سہو و نسیان سے سب

اور نہ ان کا علم ہی کامل ہوتا ہے۔ لہذا ایسی تعلیم قابلِ اعتماد نہیں ہوتی۔ انسانی نظریئے آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ نتائج جن قیاسات کی بنیاد پر برآمد کئے جاتے ہیں وہ قیاسات کے صحیح نہ ہونے کی بناء پر شمار غلطیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہمارے تمام ائمہ کا علم وہی تھا انھوں نے دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی کیونکہ انکی فطرت کاملہ تھی لہذا فیوض ربانی کی شعاعیں بطنِ مادر ہی سے ان پر پڑنے لگتی تھیں۔ وہ ایمان و معرفت کا نور اپنے قلوب میں خدا کے یہاں سے لیکر آتے تھے۔ اور یہاں جو کچھ نے کر آتے تھے وہ انہی سرچشمہ کمال سے جن کے پیکروں پر عصمت کا سایہ تھا اور جن کی زبان لسانِ صدق کہلاتی تھی۔ لہذا انکے علوم میں وسوسہ شیطانی کو راہ نہ تھی۔ نہ فلسفیانہ قیاسات کا وہاں گزر تھا۔ وہاں تو حقائق و معارف کا دریا سینوں میں موجزن تھا۔ بہت سے علوم البیہ ایسے تھے جو سینوں سے سینوں تک پہنچتے تھے۔ قرآن کریم کی اصلی تفسیر انہی کے صدور و منورہ میں تھی۔

اس سلسلے میں یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں سب سے مقدم جس علم کی تحصیل ہے وہ علم دین ہی۔ یعنی جو احکام سرکارِ دو عالم بوحی الہی کتابِ خدا یا احادیث کی صورت میں بیان کئے انکا علم۔



اس میں اصول دین و فروع دین مسائل معاش و معاد سب داخل ہیں اسکے بعد بقدر ضرورت دیگر علوم کی تحصیل ہے۔ لیکن بحیثیت وجوب نہیں۔ بلکہ بحیثیت مباح جسکو ضرورت ہو سیکھے نہ ضرورت ہو نہ سیکھے۔ لیکن علوم دین کی تحصیل واجب ہے۔

علوم دین میں سب سے اعلیٰ علم الہیات و کائنات کے علم کو اسرار سے آگاہی ہے تاکہ معرفت نامہ حاصل ہو ورنہ بغیر معرفت تمام عبادات و اعمال بے کار۔ حضرت سرالہ فی العالمین خطیب منبر سلونی نے اسی لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اول الدین معرفت دین میں سب سے اول چیز معرفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ کرام نے سب سے زیادہ تعلیم ان ہی علوم کی دی جن کا تعلق دین سے تھا اگرچہ اور تمام علوم وہ بالہام ربانی تمام بنائے روزگار سے بہتر جانتے تھے لیکن انکی تعلیم کو اپنے اوپر لازم قرار نہ دیا۔ البتہ علوم دین کی تعلیم کو ہر حالت میں اپنے لئے واجب سمجھا سرکارِ دو عالم کی وفات کے بعد چونکہ مسلمان ہری طرح مادیت کی دلدل چھنس گئے تھے اور علوم دین سے روز بروز نا آشنا ہوتے چلے جاتے تھے۔ اول تو یہ تعلیم انکے قلوب میں راسخ ہی نہ ہونی تھی پھر فتوحات ملکی کے شوق نے رہی سہی توجہ بھی اس طرف سے ہٹا دی لہذا وہ کورے کے کورے ہی رہ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر اقوام کے عالموں نے اپنی فلسفیانہ تقریروں سے

انکے اسلامی عقائد میں زلزلہ ڈالنا شروع کر دیا۔ اسکی روک تھام بہت ضروری تھی۔ لہذا ہمارے ائمہ نے اپنا زیادہ وقت انہی بگڑے عقائد کو درست کرنے اور فلسفہ اسلام کو صحیح صورت میں پیش کرنے میں صرف کیا۔ ان کے خطبات انکی مناجاتیں انکے توحینات اسی وجہ سے الہیات کے مسائل سے پریں۔ تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں جو غلط چیزیں شامل ہو گئی ہیں ان کا مٹا دیا ہو جائے۔ افسوس ہو کہ زمانے کی گج رفتاری نے انکی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا اور انکی بات پر کسی کو کان لگانے کا موقع نہ آنے دیا۔ سلطنتوں کی شدید مخالفت، حکام وقت کی انتہائی دشمنی۔ پبلک کا تعصب انکی تعلیم کے نشر میں رکاوٹیں پیدا کرتا رہا۔ تاہم انھوں نے ہر زمانے میں اپنے ہر فرض کو پورا کیا جو وقت اور جہاں کہیں موقع ملا۔

**اہلبیت صحیح معنوں میں صاحبانِ حکمت تھے** حقیقت یہ ہے کہ علم ہی کا

دوسرا نام حکمت ہے اگر علم صحیح نہ ہو یا اپنے کمال تک نہ پہنچا ہو تو حکمت نظری اور عملی بے معنی الفاظ بن کر رہ جائیں۔ انسانی فکر و ریت کو جو کچھ قوت پہنچتی ہے وہ علم سے اور عمل کے پیکر میں خون ڈورتا ہے تو علم سے بے علم حکیم نہیں ہو سکتا اور حکیم بے علم حکیم نہیں بن سکتا۔



حضرت علی علیہ السلام فطرۃ بڑے ذکی الطبع تھے جس کی بناء پر خلاق عالم نے ان کو علمی استعداد و قابلیت اعلیٰ درجے کی عطا کی تھی۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ حضرت علیؑ کو روز ولادت سے سرور انبیاء کی تربیت کا شرف حاصل رہا اور آنحضرتؐ نے انکی تربیت میں سعی بلیغ فرمائی۔ حقیقت یہ ہو کہ جناب امیرؑ کو علم و فضل۔ اخلاق و خصائل میں آنحضرتؐ کا ایک مجززہ خیال کرنا چاہیئے کہ جس علم کے متعلق دیکھا جائے علیؑ اس میں کامل نظر آتے ہیں۔ یہ مرتبہ صحابہ میں سے کسی کو نہ ملا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اول تو اکثر صحابہ آنحضرتؐ کی صحبت بابرکت میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزار کر آئے تھے اور جناب امیرؑ بچپن ہی سے آپؐ کی صحبت میں رہے۔ پھر دیگر صحابہ کو ہر وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر رہنے کا شرف حاصل نہ تھا۔ گاہ گاہ باریابی کا موقع ملتا تھا۔ برخلاف جناب امیرؑ کے کہ آپؐ خلوت و جلوت میں ہر وقت حضورؐ کے پاس رہتے تھے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص علم تک پہنچنا چاہتا ہو اسکو چاہئے کہ اسی دروازے سے داخل ہو۔ جناب سلمان فارسی سے روایت ہو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ علم والا علیؑ ابن ابی طالب ہے۔

اخلاق میں سب سے بڑا مرتبہ حکمت کا ہے۔ اسی لئے فضائل چہارگانہ میں اسکو پہلا نمبر دیا گیا۔ حضرت رسولؐ خدا علم کا شہر اور حکمت کا گھر تھے اور اس شہر اور گھر کا دروازہ آپؐ حضرت علیؑ کو قرار دیا تھا۔ جس طرح شاندار دروازے سے شہر اور گھر کا وقار قائم رہتا ہے اسی طرح علوم نبویہ کا وقار علیؑ کی وجہ سے دنیا میں باقی رہا۔ جس نے اس دروازے سے علم حاصل نہ کیا وہ دین کے صحیح علم سے بے بہرہ رہا۔ اور خالق اسلامؐ اسکی نگاہوں سے روپوش رہے۔ کیونکہ اخلاق کا پہلا رکن حکمت ہے۔ اس لئے غلط علوم کے اسلام میں رواج پاتے ہی اخلاق کے ارکان میں زلزلہ آگیا اور صراط مستقیم یا سیدھا خط جس کا بیان پہلے کیا گیا ہے لوگوں کے قدم کے نیچے سے نکل گیا ہے اور افراط و تفریط کے پرچار ریختانوں میں دوڑ دھوپ کرنے لگے بہ نسبت افراط کے تفریط کی طرف زیادہ میلان ہوا اور اسی جہالت نے پھر وہ کرشمے دکھائے کہ اسلام کی صورت ہی مسخ ہو گئی۔ مسلمانوں کے اخلاق ہی کچھ سے کچھ ہو گئے حکماء بے شمار ہوئے مگر اسلامی حکیم ڈھونڈنا نہ ملا۔ پہلی مصیبت تھی جو مسلمانوں پر نازل ہوئی۔

امیر المومنین کے فضائل علیہ السلام و راجح حکمت کا بیان



کتاب استیعاب میں ابن عباس کا یہ قول منقول ہے کہ علیؑ کو علم کی دہائیاں دی گئیں ہیں اور بانیؑ کو دسویں حصہ میں شریک کیا گیا ہے۔ ایک جگہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے چار حصے علیؑ کو دیئے گئے ہیں اور ایک حصے میں سب کو شریک کیا گیا ہے اس میں بھی علیؑ ان کے شریک ہیں۔ اور ان کا ان میں بھی سب سے زیادہ حصہ ہے۔

ابن عباس کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ میرا علم علیؑ کے علم سے ماخوذ ہے اور علیؑ کا علم نبیؐ کے علم سے ہے اور نبیؐ کا علم خدا کے علم سے ہے۔ اور میرا اور تمام اصحاب محمدؐ کا علم ان کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ۔ دہلی نے فردوس الاخبار میں ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ حکمت دس حصوں میں تقسیم کی گئی ہے اس میں نو حصے علیؑ کو ملے ہیں اور ایک حصہ اور لوگوں کو۔ امام رازی نے اپنی کتاب اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ حضرت رسولؐ نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کئے۔ اور ہر باب سے ہزار ہزار باب میرے اوپر اور کھل گئے۔

احمد حنبل نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت کے صحابہ میں ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ علم قرآن حضرت علیؑ سے زیادہ کسی صحابی کو نہ تھا

طہرانی نے اوسط میں جناب ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں۔ احمد حنبل نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ حضرت سے فرماتے تھے کہ تم ان سب سے زیادہ خدا کی آیتوں کا علم رکھنے والے ہو۔

حضرت علیؑ تو ریت انجیل اور زبور کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام فخر الدین رازی نے آپ کا یہ قول اپنی کتاب اربعین میں نقل کیا ہے۔ اگر میرے لئے مسند حکومت بچا دی جائے تو میں اہل توریت کیلئے انکی توریت سے اور اہل انجیل کیلئے ان کی انجیل سے اور اہل زبور کیلئے انکی زبور سے اور اہل قرآن کے لئے ان کے قرآن سے اس طرح فیصلہ کروں گا کہ ہر کتاب اپنے منہ سے بول اٹھے گی۔ کہ علیؑ نے میرے بارے میں وہی حکم کیا ہے جو خدا کا حکم ہے۔ علم تفسیر میں بھی کوئی علیؑ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

استیعاب میں علامہ ابن عبد البر نے عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ہم کو حضرت علیؑ سے تفسیر قرآن کے متعلق کوئی بات ثابت ہو جاتی تھی تو پھر دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ علم قرأت میں بھی آنحضرت کا مرتبہ سب سے افضل ہے۔ تمام اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ نے آنحضرت



کے عہد مبارک میں تمام قرآن آنحضرت کو حفظ کر کے سنا دیا تھا علم حدیث میں بھی سب سے زیادہ علی کو علم تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ سب سے زیادہ آپ کو آنحضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا تھا۔ چنانچہ صواعقِ محرقہ میں آپ کا یہ قول نقل ہو کہ جب لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ سب سے زیادہ احادیث رسول نقل کرتے ہیں اسکی کیا وجہ؟ فرمایا میرا حال یہ تھا کہ جب میں آنحضرت سے کوئی بات دریافت کرتا تھا تو آپ بیان فرماتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو آنحضرت خود بیان کرنے لگتے تھے اسی طرح علم فقہ۔ علم الفرائض۔ علم الکلام۔ علم تصوف۔ علم نجوم۔ علم فصاحت و بلاغت۔ علم شعر۔ حاضر جوابی۔ علم الکتاب۔ علم تعبیر و بیا۔ علم جفر و الحجامہ۔ علم الحساب۔ علم ہیئت وغیرہ میں آپ کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کتاب ارجح المطالب میں ان سب کے متعلق احادیث و روایات درج ہیں۔

اب آپ غور کریں کہ جس شخص کو تمام علوم میں یدِ طولیٰ حاصل ہو اس سے بڑھ کر حکیم کون ہو سکتا ہے اور شخص کی فکر و نظر میں کیسے غلطی ہو سکتی ہے۔ غلطی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو کسی امر کے متعلق صحیح علم نہیں ہوتا۔ دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء کہلاتے ہیں انھوں نے جو نظریئے علوم و فنون کے متعلق پیش کیئے ہیں ان پر دنیا والوں کو بڑا بڑا اعتراض ہیں۔ کیا وجہ ہو کہ وہ آئے

دن بدلے رہتے ہیں۔ اسکی خاص وجہ یہی ہے کہ ان کو حقائق کائنات کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ قیاسات سے جوڑ توڑ لگا کر جو چاہتے ہیں خیالی ڈھونگ اٹھا کھڑا کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے جسکو حقائق و معارف کا صحیح علم ہو جس نے خدا و رسول سے تعلیم پائی ہو وہ نتائج نکالنے میں ہرگز غلطی نہیں کر سکتا۔ اور اسکی فکر و رویت اپنے صحیح مرکز سے ہٹ نہیں سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا نے اس سرچشمہ فیض و ہدایت سے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ آنحضرت کے بعد دنیا نے اسلام میں ہدایت پرستی کا ایسا زبردست سیلاب آیا کہ اس نے دینی تعلیم کی طرف سے بالکل پیٹھ پھیر لی۔ اور جہاں سے یہ سرمایہ ان کے ہاتھ آ سکتا تھا ان سے اپنا تعلق ہی باقی نہ رکھا۔ ایسی صورت میں آنحضرت اپنے علوم کا نشر کو نہ کرتے۔ جبکہ ارباب حکومت کے سامنے اسلامی زندگی کا اہم مقصد ہی کچھ اور تھا۔

یہ اسی حکیم ربانی کا کام تھا کہ ایسے پر آشوب زمانے میں بھی جب موقع ملا لوگوں کو ہدایت کر دی۔ آپ کا عہد سلطنت ایسی حالت میں گزرا کہ دشمنوں نے ایک دن چین سے حکومت نہ کرنے دی۔ تاہم آپ نے اپنے اس اہم فریضہ کو ایسے سخت اوقات میں بھی بھلایا نہیں۔ ہر روز نماز ظہر کے بعد آپ جو خطبے ارشاد فرماتے تھے وہ علوم و فنون کا بے بہا خزانہ ہوتے تھے۔



آپ کو لوگوں کے عقائد درست کرنے اور احکام دین پر صحیح عمل کرانے کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ آپ سے پہلے حکمرانوں کے عہد میں مسلمانوں کی علمی اور عملی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں آپ ان کو دور کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ زمانہ علی کے نقش قدم پر چلنے کو تیار نہ تھا۔

علی کے حکیمانہ اقوال حکیمانہ نظریے حکیمانہ مباحث آج بھی موجود ہیں۔ کسی حکیم کی مجال ہے کہ ان کو غلط ثابت کر دے۔

الہیات کے متعلق۔ اخلاق کے متعلق۔ فلسفہ کائنات کے متعلق دین و دنیا کے متعلق۔ قضا و قدر کے متعلق۔ اسرار فطرت کے متعلق سیاست و امارت کے متعلق جو بیانات علیؑ کے ہیں کسی حکیم کسی فلاسفر کسی ریفاہر کسی سیاست دان میں یہ طاقت ہے کہ انھیں غلط ثابت کر کے انکی جگہ اپنے نظریے رکھ دے۔

دنیا کے آئین حکومت آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ مگر علیؑ کا نظام حکومت ایسا ہے جس میں تغیر تبدیل کو راہ ہی نہیں وہ بدلنے والی چیزیں ہی نہیں۔ جب دنیا ہوش میں آئیگی اور ان پر غور کریگی تو یقیناً ان کو اچانے کی کوشش کریگی۔

بہر حال ان تمام بیان سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ علیؑ حکیم اسلام ہیں اور اس حکمت کے مالک ہیں جنکو فضائل چارگانہ میں پہلا نمبر دیا گیا ہے۔

اس میدان میں علیؑ کا قدم نہ جانب افراط پایا جاتا ہے نہ جانب تفریط۔ بلکہ اسی وسطی اور اعتدالی خط پر ہے جو صراطِ مستقیم ہے۔ اس خط سے اگر بال برابر ہٹ جاتے تو ہر علیؑ نہ رہتے۔ جب لوگوں نے معاویہؓ کی انتہائی چالاکیاں دیکھا ہر دنیا والوں کی نظر میں اسکی دانائی پر مبنی تھیں جب حضرت کے سامنے بیان کیں تو آپ نے فرمایا کہ معاویہ مجھ سے زیادہ بالاک نہیں مگر یہ چیز میرے لئے زیبا نہیں۔ چالاک کی رذالت میں شامل ہے نہ کہ نفیلت میں۔

اس مختصر بیان کے بعد اب ہم اپنے دیگر ائمہ کی حکمت علمی برتری کے متعلق اپنے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

امام حسنؑ بھی اسی گلستانِ فضلِ امام حسنؑ کے فضائلِ علمیہ کمال ایک ہکتے ہکتے پھول تھے

سکو قدرت نے علم و حکمت کے پانی سے سیریا کیا تھا۔ اور جو حکمت کی پر نور فضا میں بہلایا تھا۔ عصمت جس پر پہرہ دار تھی ورنہ نبوت جس کی نگہاں۔ اس شہزادہ کو نبی نے نبوت کی زبان دے دی تھی۔ اور امامت کی آغوش میں پلا تھا۔ اپنے پدر بزرگوار

طرح امام حسنؑ کا سینہ بھی حکمتِ الہیہ کے انوار سے منور تھا۔ ان کا قدم بھی صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹا۔ اور حکمتِ افراطی یا تفریطی کسی خطی طرف انکی توجہ کبھی ہوئی ہی نہیں۔ حکومتِ الہیہ کی



مدت العتر تک تبلیغ کرتے رہے۔

ان کو مقدمات ترتیب دیکر صحیح نتیجہ نکالنے میں ایک خدا ملکہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ خطائے فی الفکر اور لغزش عقل سے آزاد کے ہر شعبہ میں محفوظ تھے۔ امیر المومنین اکثر اوقات ان قضایا کا فیصلہ جو اسلامی حکومت حضرت علیؑ کے پاس بھیجا کرتی تھی حضرت امام حسنؑ کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی غلط فیصلے پر آپ کو ٹوکا گیا ہو۔ اس سلسلے میں چند واقعات سنئے۔

(۱) امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کیسے اپنے ایک شخص لایا گیا جسکے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی۔ اسکو گرفتار کرنے والوں نے بیان کیا کہ فلاں خرابے میں ایک شخص کا سر کاٹا ہوا ہے۔ ہم نے اس قاتل کو اسکے پاس کھڑا دیکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اس کا قاتل ہے۔ اس نے اقرار کر لیا۔ عمرؓ نے اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ تھوڑی دیر میں اک اور شخص آیا اور کہنے لگا اسے چھوڑ دیجئے اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔ اسے چھوڑ دیجئے یہ سنکر حضرت عمرؓ حیران ہو گئے جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو یہ قضیہ امیر المومنینؑ کے پاس بھیجا۔ اپنے پہلے شخص سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے اس نے کہا امیر المومنینؑ اصلی معاملہ یہ ہے کہ میں ایک قصاب ہوں ایک مقام پر بکری ذبح کر رہا تھا کہ بکری کی حاجت ہوئی خون بھری چھری لے کر اس خرابے

میں استنجا کرنے کیلئے چلا گیا وہاں ایک شخص کو مقتول پایا میں اسے دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگ پہنچے اور مجھے گرفتار کر لیا۔ جب میں غلیفہ کے سامنے پہنچا تو میں نے اسوجہ سے اقرار کر لیا کہ قتل کرنے کے تمام قرائن پائے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں میرا انکار کون سنے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسکو قتل نہیں کیا۔ اب آپ نے دوسرے شخص سے پوچھا۔ کیا تو اس کا قاتل ہو اس نے کہا ہاں۔ میں چاہتا تھا کہ ایسی جگہ بھاگ کہ کسی کو پتہ نہ چلے لیکن جب ایک بے گناہ کو اس جرم میں مآخوذ پایا تو میری حمیت نے گوارا نہ کیا کہ میں اصلی قاتل تو نچ جاؤں اور ناکارہ گناہ قتل کر دیا جائے اس بناء پر میں نے اقرار کر لیا۔ حضرت نے امام حسنؑ سے فرمایا بیٹا تم اس کا فیصلہ کرو۔ آپ نے فرما دیا کہ ان دونوں کو چھوڑ دیجئے اور اس مقتول کا خون بہا بیٹا اس سے دیا جائے۔ حضرت نے پوچھا کیوں؟ فرمایا ایک تو بے گناہ ہے دوسرا اصل جو قاتل ہے وہ اس لئے چھوڑ دینے کے قابل ہے کہ اس نے ایک بے گناہ کی جان بچائی اور خدا فرماتا ہو۔ من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (جس نے ایک نفس کو زندہ کیا اس نے گویا کل آدمیوں کو زندہ کیا۔

اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ معاملات کا فیصلہ قیاسات پر نہیں ہوتا تھا بلکہ حقائق پر ہوتا تھا اور ہر اپنے فیصلے کے برحق ہونے کا ثبوت قرآن سے دیدیا جاتا تھا۔ اگر قرآن کریم ان حضرات کے



سینوں میں محفوظ نہ ہوتا تو جس طرح تک بے تک فیصلہ دے  
واے کیا کرتے ہیں یہ بھی کرتے۔ دوسرے یہ امر بھی قابل غور  
کہ ان حضرات کی وجہ سے کتنے بے گناہوں کی جانیں محفوظ رہیں  
اور کتنے ناکردہ کار سزا سے بچ گئے۔

اگر حکمت الہیہ کا تعلق صحیح میں دوسروں سے ہوتا تو وہ  
علمی مسائل کے حل کرنے۔ مشکل قضایا کے فیصلہ کرنے میں عجز و  
قصور کا اقرار نہ کرتے کیونکہ یہ ارباب حکومت کیلئے شرمناک  
ہے کہ وہ رعایا کے معاملات کو ٹھیک طور سے فیصلہ نہ کر سکیں۔  
وجہ یہ کہ خلاق عالم نے اپنی حکومت کبھی جاہلوں کے سپرد کی ہی  
طاوت کی بادشاہت پر جب بنی اسرائیل نے اس بنا پر اعتراض  
کیا کہ وہ کوئی مالدار آدمی نہیں تو ان کے نبی نے بتایا کہ خدا نے  
انتخاب اس لئے کیا ہے کہ علم و قوت میں وہ تم سے زیادہ ہے  
میں معلوم ہوا کہ حاکم وہی ہو سکتا ہے جو صاحب علم و فضل ہوتا  
نمائے الہی کے مطابق اپنی رعایا پر حکومت کرے۔ چا  
مکاری، فریب کا نام علم نہیں۔

(۲) ایک شامی نے جو معاویہ کا سکھایا پڑھایا تھا مسلمان  
کے بھرے محبت میں امام حسن سے پوچھا۔ ایمان و یقین کے در  
کیا فرق ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب حضرت دونوں کی تہ  
کرینگے تو میں لایعنی نکٹیں چھیڑ کر حضرت کی لاعلمی لوگوں پر ظا

کروں گا۔ اور اس طرح لوگوں کو آپ سے بدظن کر کے معاویہ کا  
پر دہنڈا کرنے کا موقع پالوں گا۔ حضرت نے سن کر فرمایا۔ ایمان  
و یقین کے درمیان چار انگل کا فرق ہے۔ اس نے کہا کیسے فرمایا  
کانوں جو سنا وہ ایمان ہے جو آنکھوں سے دیکھا وہ یقین ہے۔  
اس نے پوچھا زمین و آسمان کے درمیان کتنا فرق ہے۔ فرمایا نگاہ کی  
لمبائی۔ اس نے پوچھا۔ مشرق و مغرب کے درمیان کتنا فاصلہ ہے  
فرمایا۔ سورج کے ایک دن کی رفتار۔

اب جوابات کی معنویت پر غور کیجئے۔ سائل ایک پکا دشمن  
اہلبیت ہے۔ اس کا مقصد امام سے فائدہ حاصل کرنا نہیں بلکہ  
کج بحثی کرنا ہے۔ امام کے جواب پر گہری نظر ڈالئے ایسا مسکت جواب  
ہر سوال کا ہے کہ اسے چوں چرا کا موقع ہی نہ ملا۔ ایک حکیم کا کلام ایسا ہی  
ہونا چاہیے تھا۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ان سوالات کے  
جوابات امام سے فی البدیہہ مانگے گئے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو گھبرا کے  
کچھ سے کچھ کہہ دیتا۔ لیکن جنہ کے سینوں میں علوم الہیہ موجزن ہوں اور  
جنہوں نے خطیب منبر سلونی کے آغوش میں پرورش پائی ہو انکے  
لئے مشکل سے سوال کا جواب بھی آسان ہے۔ آپ نے ایسی حالت  
میں جبکہ سوچنے کا موقع بھی نہ ہو وہ جواب دیئے کہ مخالف کو جائے دم  
زدن نہ بھی۔ یہ تھا علمی کمال اہلبیت رسول کا۔

(۳) ایک مرتبہ معاویہ مدینہ آیا اور امام حسن سے ملاقات



میں شتر مرغ کے انڈے بحالت احرام بھون کر کھائے۔ بتائیے  
مجھے کیا کفارہ دینا چاہیے۔ انہوں نے کہا اے عرب تو نے بڑا مشکل  
سوال کیا ہے۔ اچھا تو عمر کے پاس جا اور اس کا جواب ان سے لے  
وہ وہاں گیا۔ انہوں نے عبد الرحمن ابن عوف کے پاس جانے کی  
ہدایت کی۔ ان سے بھی جواب نہ بن پڑا تو حضرت امیر المومنینؓ کے  
پاس بھیجا۔ آپ نے امام حسنؓ سے فرمایا تم اس کا جواب دو۔ اپنے  
فرمایا اے اعرابی جتنے انڈے تو نے کھائے ہیں اتنی ہی اونٹنیاں  
گا بھن کر اور جو بچے ان سے پیدا ہوں وہ بیت اللہ کی نذر کر۔  
حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا بیٹا اونٹنیوں کے حمل ساقط بھی تو ہو جا  
ہیں فرمایا بابا جان انڈے بھی تو گندے ہو جاتے ہیں۔

ایک روز معاویہ کی مجلس میں عمر عاص نے امتحان امام حسنؓ  
سے پوچھا کہ کرم و نجد و مروت میں کیا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا  
کہ کرم کی اصلی تعریف یہ ہے کہ سائل کو قبل از سوال دیا جائے۔  
اور عجز کا خیال نہ ہو اور نجد کے معنی یہ ہیں کہ دشمنوں کو اپنے مکان  
سے دفع کرتا رہے اور مقام مکروہات میں صبر کرتا رہے اور مروت  
سے یہ مراد ہے کہ آدمی اپنے دین پر نگاہ رکھے اور کثافت آلودگی  
سے اپنے نفس کی حفاظت کرے اور حقوق خدا اور خلق کو ادا کرے  
ایک بار ایک شخص نے امام حسنؓ سے پوچھا کہ غنث کی شنا  
کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد یا عورت

کے وقت اس نے کہا اے بنی ہاشم کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے  
کہ قرآن میں ہر رطب و یابس ہے اور ان سب کا علم تم ہی کو ہو  
فرمایا بے شک۔ اس نے کہا اگر ایسا ہے تو بتاؤ میری اور تمہاری  
داڑھی کا ذکر قرآن میں کہاں ہے۔ حضرت امام حسنؓ کی داڑھی  
گھنی تھی اور معاویہ کی چھدری۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا  
تم نے یہ آیت نہیں پڑھی۔ والیلد الطیب یخرج بذاقہ باذن  
ربہ والذی حبث لا یخرج الا نکلا (آیت الاعراف ۶۷) یعنی جو  
زرخیز اور اچھی زمینیں ہوتی ہیں وہ گھنی گھاس اگاتی ہیں اور جو خبیث  
اور شورہ زار ہوتی ہیں اس میں پیداوار بھی خراب ہی ہوتی ہے۔ اس  
میں لطیف اشارے ہیں ان کو ادباً ب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آپ  
اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ امام علیہ السلام کو علم قرآن کس پایہ کا تھا  
(۴) بادشاہ روم نے معاویہ سے دو باتیں دریافت کیں (۱)  
وہ کونسا مکان ہے جو وسط سار میں ہے (۲) وہ کونسی جگہ ہے  
جہاں ایک بار سورج چمکا ہے۔ معاویہ سے ان باتوں کا جواب کیا  
بن چڑھا۔ انہوں نے امام حسنؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا  
جو مکان وسط آسمان میں ہو وہ پشت کعبہ ہے اور وہ جگہ جہاں پر  
سورج ایک بار چمکا وہ دریائے نیل کا وہ مقام ہے جو حضرت موسیٰ  
کے عصا مارنے سے کھل گیا تھا۔

(۵) ایک اعرابی نے حضرت ابو بکر سے پوچھا کہ میں نے موسم حج



اور دونوں مقام اسکے ہوں پس تا بلوغ انتظار کریں۔ اگر اس کو اختلام ہو تو مرد ہے اور اگر حیض ہو اور پستان ابھر آئیں تو عورت ہے۔ اور اس سے ظاہر نہ ہو تو پیشاب کرتے وقت اس کی دھار سیدھی جاتی ہو تو مرد ہے اور اگر اونٹ کے پیشاب کی طرح گرے تو عورت ہے۔

اس نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ وہ کونسی دس چیزیں ہیں۔ جو ایک دوسرے سے زیادہ سخت ہیں۔ آپ نے فرمایا پتھر کو خدا نے سخت بنایا ہے اور لوہے کو اس سے زیادہ سخت بنایا ہے۔ کیونکہ یہ پتھر کو توڑ دیتا ہے اور آگ لوہے سے زیادہ سخت ہو کہ اسے پگھلا دیتی ہے اور پانی آگ سے زیادہ سخت ہے جو اسے بجھا دیتا ہے اور ابھر پانی سے زیادہ سخت ہے کہ اس کا حکم پانی پر جاری ہے اور ہوا ابھر سے زیادہ سخت ہو کہ اس کو حرکت دیتی ہے اور ہوا اس زیادہ سخت وہ فرشتہ ہو کہ جس کے ماتحت ہوا ہے اور اس فرشتہ سے زیادہ سخت ملک الموت ہے جو اس کی روح قبض کر لے گا اور ملک الموت سے زیادہ سخت موت ہو کہ خود ملک الموت بھی اس سے مرے گا۔ اور موت سے زیادہ سخت اللہ کا حکم ہے کہ اسی سے موت وارد ہوتی ہے اور دفع ہوتی ہے۔

ایک بار معاویہ نے آپ کے جو دو کرم کی شہرت ایک خط میں آپ کو لکھا۔ لافخیر فی الاسراف فی الخیر (نیکی میں فضول خرچی نہیں) اپنے جواب

میں لکھا لا اسراف فی الخیر (نیکی میں فضول خرچی نہیں) حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل کا بیان

ایک بار معاویہ جبکہ وہ مدینہ آئے ہوئے تھے امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آپ آج منبر پر جا کر کچھ بیان کریں۔ اس کو خیال تھا کہ شاید آپ معاویہ کی تعریف میں کچھ بیان فرمائیں گے۔ پس آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حمد نعت کے بعد فرمایا۔ لوگو آگاہ ہو کہ ہم وہ خدا کی گروہ ہیں جو اہل خلافت پر غالب آنے والے ہیں رسول کی عمرت اور ان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ہم ان کے طیب طاهر اہلبیت ہیں اور ثقلین میں سے ایک ہیں۔ ہم کو رسول اللہ نے نانی کتاب اللہ قرار دیا ہے۔ وہ کتاب جس میں ہر شے کی تفصیل ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے ہو نہ پیچھے۔ ہم اس کی تفسیر و تاویل جاننے والے ہیں۔ ہمارے سینوں میں اس کے حقائق پوشیدہ ہیں۔ ہماری اطاعت فرض ہے۔ ہماری اطاعت خدا کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے قرآن کے متعلق جو پوچھنا ہے ہم سے پوچھو۔ ہم علوم کے بحر بیکر ہیں۔

کتاب بہار الانوار میں اور نور الابصار۔ ارشاد القلوب وغیرہ میں جو خطبات الہیات وغیرہ کے متعلق ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ فصاحت بلاغت میں آپ کی کیا مرتبہ تھا اور الہیات کے مسائل کو آپ نے کس خوبی سے حل کیا ہے۔



جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ امام حسین  
قرآن و تفسیر و احادیث کے ایک بے پایاں تھے۔ یزید کی بیعت  
کے سلسلے میں جب معاویہ مدینہ آیا تو بہت سے اصحاب رسول  
ان سے ملنے گئے۔ باتوں باتوں میں یہ ذکر چھیڑا کہ علم و فضل میں  
اس وقت یکتا ہے روزگار کون ہے۔ معاویہ چاہتے تھے کہ لوگ  
عبداللہ بن عمر کا نام لیں لیکن کسی نے اٹھ کر اس کا اظہار نہ کیا۔  
بلکہ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ امام حسین علیہ السلام سے  
بہتر ہمیں کوئی نظر نہیں آتا اور کیونکہ وہ جو جگہ انہوں نے زبان  
رسول چوس کر پرورش پائی ہے۔ سینہ رسول سے ان کا سینہ ملا  
ہے۔ دوش رسول پر وہ سوار ہوئے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے فضائل علمیہ

حضرت کے علم و فضل کے سلسلے میں آپ کا کلام معجز نظام  
موجود ہے۔ معید، امام زہری، سعید بن مسیب، ابن حازم، سفیان  
بن عیینہ اور ابو حمزہ ثمالی وغیرہ جو خیر التابیین کہلاتے ہیں اور اپنے  
زمانے کے علمائے کاملین میں سے تھے۔ امام زین العابدین کی  
شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب حضرت  
کی زبان سے علمی سرچشمے چھوٹتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلان  
زخار کا ایک پر نور دھارا ہے۔

حضرت کے بیانات کو محفوظ کرنے میں ہماری  
دماغی قوتیں ناکارہ ثابت ہوئی تھیں۔ ان حضرات سے  
جو کچھ فائدہ مسلمانوں کو پہنچا وہ سب حضرت ہی کی تعلیم کا فیض  
تھا۔ امام زہری کہا کرتے تھے علی بن الحسین سے بڑھ کر ہم نے  
کسی کو عالم و فقیہ نہیں پایا۔ امام مالک کہا کرتے تھے۔ علی بن الحسین  
ان صاحبان فضیلت میں سے تھے جن کی تعریف کرنا میری  
طاقت سے باہر ہے وہ بڑے ثقہ اور بڑے امین ہیں۔ بہت  
سی حدیثوں کے راوی ہیں۔ بڑے بلند مرتبہ، مقدس عابد اور  
خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

ابن عباس آپ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ مرحبا اے محبوب  
کے محبوب۔ سعید بن مسیب کا قول ہے۔ میں نے علی بن الحسین  
سے بڑھ کر کسی کو صاحب علم و زہد و تقویٰ نہیں پایا۔ حاد بن زید کہتے  
ہیں کہ میں نے تمام بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کسی کو صاحب  
علم و فضل نہیں پایا۔

صحیفہ کاملہ جس کو صحیفہ سجادہ بھی کہتے ہیں آپ کے کمال  
علمی اور فضل باطنی کا کامل نمونہ ہے۔ اسکی عبارت، مضامین  
کی خوبی مناجات اور پر اثر فقرات کی خوبی پر غور کیا جائے



تو امام زین العابدین کے علوم معرفت ترک علائق پاکیزگی  
نفس، روشن دلی، زہد و پرہیزگاری وغیرہ کا پورا پتہ چلتا ہے۔ یہ  
وہ مقدس کتاب ہے جسکی عظمت و شان پر نظر رکھتے ہوئے  
علمائے فریقین نے اسکو زبور آل محمد کا خطاب دیا ہے۔  
حضرت محمد باقر علیہ السلام کے فضائل علمیہ

اسلام کے تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ جتنے علوم دین  
دنیا میں امام محمد علیہ السلام سے ظاہر ہوئے وہ اولاد امام حسن  
اور اولاد امام حسین علیہ السلام میں کسی اور سے نہیں ہوئے اسی  
وجہ سے حضرت کا لقب باقر ہے جس کے معنی علم کے پھیلانے والے  
کے ہیں۔ علم تفسیر علم کلام، احکام شرع اور علم فقہ وغیرہ نے آپ سے  
بہت رواج پایا۔

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی  
خدمت میں رہ کر تیس ہزار حدیثیں یاد کیں۔ جابر بن عبد اللہ انصاری  
جو حضرت رسول کے صحابہ میں ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے۔ برابر حضرت  
کی خدمت آیا کرتے تھے اور مسائل دین پوچھا کرتے تھے۔ ذیل  
میل ہم واقعات حضرت کی تعلیم کے متعلق درج کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ عمر بن عبید نے جو فرقہ معتزلہ کا امام مانا جاتا تھا  
امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس آیت کا کیا مطلب  
ہے۔ اولم یوالذین کفرو ان السموات والارض کا ننتا  
رتقا ففقتناھما (کیا کفر والے اس بات کو نہیں دیکھتے کہ آسمان  
اور زمین دونوں پہلے بستہ تھے ہم نے انکو شکافتہ کیا) آپ نے فرمایا  
آسمان بند تھا یعنی کوئی قطرہ آسمان سے زمین پر نہیں برستا تھا  
اور زمین بستہ تھی یعنی کسی قسم کی گھاس اس سے نہ گرتی تھی۔  
جب اللہ نے حضرت آدم کی دعا قبول کی تو زمین شکافتہ ہوئی اور  
نہیں جاری ہوئیں درخت لہلہائے اور پھل پھول لائے۔ آسمان  
سے پانی برسا۔ پس رقی و فتق سے یہی مراد ہے۔

ایک بار طاؤس یامانی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا  
آدم کا ایک ہاتھ حصہ کب ہلاک ہوا۔ فرمایا ایسا تو کبھی  
نہیں ہوا بلکہ تم کو یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمام انسانوں کا جو حصہ کب  
ہلاک ہوا۔ ایسا اس روز ہوا جب ہابیل کو قاتل ہلاک کیا اس  
وقت چار آدمی تھے۔ آدم حوا ہابیل اور قابیل پس ہابیل کے قتل  
ہونے سے ایک چوتھائی کم ہو گیا۔

طاؤس یامانی نے پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو تھوڑی تو حلال



تھی اور بہت حرام۔ فرمایا وہ نہر طالوت تھی جس کا زیادہ پانی پینا حرام تھا اور ایک چلو حلال۔ اس نے پوچھا وہ کونسا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا فرمایا وہ صوم صمت تھا جو حضرت مریم نے رکھا تھا۔

یعنی انھوں نے اس روزہ میں کسی سے کلام نہ کیا تھا۔ طائوس نے پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی۔ فرمایا وہ عمر ہے۔ اس نے پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو بڑھتی ہو گھٹتی نہیں۔ فرمایا وہ سمندر ہے۔ پھر پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو ایک مرتبہ اڑی تھی پھر نہ اڑی۔ فرمایا وہ کوہ طور ہے جو اٹھ کر بنی اسرائیل کے سروں پر سایہ کی طرح آگیا تھا۔ اس نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے سچی گواہی دی اور خدا نے اسکو جھوٹا سمجھا۔ فرمایا وہ منافقوں کی گواہی تھی جو انھوں نے حضرت رسول خدا کی رسالت کے متعلق دی تھی مگر خدا نے اسکو جھوٹا قرار دیا یعنی رسول کی رسالت تو سچی تھی مگر منافقوں کا کہنا اس لئے جھوٹا تھا کہ وہ دل سے نہیں مانتے تھے بلکہ صرف زبان سے کہتے تھے۔

ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مال سے ایک ہزار درہم خانہ کعبہ کیلئے بھیج دینا۔ مرنیکے بعد اسکا وصی یہ رقم

نے کر کے آیا مگر حیران تھا کہ اسکو کیونکر صرف کرے۔ لوگ اس کو ابن شیبہ کے پاس لے آئے اس نے کہا تم یہ روپیہ ہمکو دید تم ہری الذمہ ہو جاؤ گے وہ اس پر راضی نہ ہوا اور امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کرنے لگا۔ فرمایا خانہ کعبہ ان روپیوں کا محتاج نہیں بلکہ ایسے حاجی تلاش کرو جنکے پاس زلو راہ یا سواری نہ ہو اور وہ اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں۔ پس یہ روپیہ انکو دینا چاہیے۔

ایک دن ابو خالد کاہلی نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا کہ اس آیت میں فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا۔ نور سے کیا مراد ہے فرمایا اس سے مراد ہم ائمہ خدا کی قسم ہم ہی نور خدا ہیں جو اسکی طرف سے اترے ہیں اور ہم ہی زمین و آسمان میں نور خدا ہیں جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے۔ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پھر فرمایا جب آیہ یَوْمَ نَدْعُوْکُمْ اِنَّا مِّنْ بَاہِمٍ مِّمَّہُمْ (اس روز ہم آدمیوں کے تمام گروہوں کو انکے امام کے ساتھ بلائیں گے) نازل ہوئی تو لوگوں نے حضرت رسول خدا سے پوچھا کیا آپ تمام لوگوں کے امام نہیں ہیں۔ فرمایا میں لوگوں کیلئے تاقیامت رسول ہوں۔ لیکن میرا اولاد میں سے امام ہوں گے جو کہ میری طرح خدا



کی طرف سے معین ہوں گے۔ لیکن زمانے کے گمراہ لوگ ان کو جھوٹا سمجھیں گے۔ ان پر اور انکے تابعین پر ظلم کریں گے۔ بس وہی مجھ سے ہیں وہی میرے ساتھ روز قیامت بہشت میں ہوں گے اور جن لوگوں نے ان اور انکے تابعین پر ظلم کیا ہوگا۔ وہ مجھ سے جدا رہیں گے۔

عبدالغفار نصرانی نے ایک بار امام محمد باقر علیہ السلام حسب ذیل سوالات کئے۔

سچا مسلمان کون ہے۔ فرمایا جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ پوچھا کون سی عادت بہترین عادت ہے۔ فرمایا صبر پوچھا کون مومن زیادہ کامل ہے۔ فرمایا جس کا خلق سب سے اچھا ہو پوچھا کون جہاد سب سے بہتر ہے۔ فرمایا جس میں مجاہد کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے گئے ہوں اور اس کا خون بہا دیا گیا ہو۔ پوچھا کونسی نماز سب سے بہتر ہے۔ فرمایا جس کا قنوت طولانی ہو۔ پوچھا کونسا صدقہ زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا حرام چیزوں سے دور رہنا۔ پوچھا بادشاہوں کے پاس جانے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا تمہارے لئے بہتر نہیں۔ پوچھا میں دمشق میں ابراہیم بن ولید بادشاہ شام کے پاس جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ کوئی خا

خبرابی تو نہیں۔ فرمایا بادشاہوں کے پاس جانا تین باتوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ محبت دنیا، فراموشی مرگ اور الہی تقدیر پر کم راضی ہونا۔ اس نے کہا چونکہ میں اہل وعیال رکھتا ہوں اس لئے کچھ نفع حاصل کرنے کیلئے وہاں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا ترک دنیا کیلئے نہیں کہتا بلکہ گناہوں کے ترک کرنے کا کم دیتا ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فضائل علمیہ

امام جعفر صادق علیہ السلام کا علم اس پایہ کا تھا کہ اسکی شہرت سن سن کر دور دور سے لوگ حضرت کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ کافروں، مشرکوں، ملحدوں اور زندلیقوں سے اپنے بہت سے مباحثے اور مناظرے کئے۔ اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ان میں سے دو چار کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

ایک دہریہ سے مناظرہ ہر جہد ابن درہم نے اس زمانے میں جو فرقہ دہریہ کا سردار تھا کچھ مٹی اور پانی ایک شیشہ میں رکھ چھوڑا تھا کچھ روز بعد اس میں کیڑے پیدا ہو گئے۔ اب اس نے کہنا شروع کیا کہ میں ان کا خالق ہوں۔ ایک دن وہ امام علیہ السلام کی خدمت آکر بھی یہی کہنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اگر تو اکھا خالق



ہے تو اتنا ہی بتا دے کہ ان میں نہ کہتے ہیں اور مادہ کہتے اسے  
کہا یہ تو میں نہیں جانتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں جانتا تو اتنا کر کے دکھا دے  
کہ جو تیرے ان میں سے ایک سمت کو جا رہے ہیں انھیں حکم  
دے کہ وہ پلٹ کر دوسری طرف کو چلے جائیں۔ اس نے کہا  
میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ فرمایا اچھا یہ تو بتا دے کہ ان میں سے  
ہر ایک کا وزن کتنا ہے۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا  
جب تھے ان کے متعلق کوئی علم ہے نہ ان پر کوئی تصرف ہے تو  
پھر تو ان کا خالق کیسے ہو گیا۔

ابوشاکر دیصانی سے مناظرہ

ابوشاکر دیصانی جو وجود خدا  
کا منکر تھا ایک مرتبہ ہشام  
مصاحب امام سے کہنے لگا کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہو جو  
ہمارے عقیدے کے مطابق ہے اور تمہارے عقیدے کے مخالف  
انہوں نے کہا بھلا وہ کونسی آیت ہے۔ کہنے لگا۔ ھو الذی  
فی السماء والارض والذی یعنی وہ آسمان میں خدا ہے  
اور زمین میں خدا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو خدا  
ہیں۔ زمین کا اور ہے آسمان کا اور ہے۔ ہشام نے چونکہ اس آیت  
پر غور نہیں کیا تھا اس لئے خاموش رہے۔ جب مدینہ آئے تو

امام جعفر علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا اب جو وہ تم سے کہے  
تو کہنا تیرا نام کیا ہے وہ بتلائے گا پھر پوچھنا بصرہ میں تیرا نام کیا ہے  
وہ وہی نام بتلائے گا تم اس وقت کہنا کہ ایسا ہی ہمارا خدا بھی ہے  
کہ آسمان پر بھی خدا ہے اور زمین پر بھی خدا ہے اور خشکی و تری اور  
دشت و جبل میں بھی وہی خدا ہے۔ ہشام نے ایسا ہی کیا۔ اس نے  
کہا یہ جواب تمہارا نہیں یہ تو حجاز سے اونٹوں پر لد کر آیا ہے۔

ابوشاکر سے دوسرا مناظرہ

ایک روز ابوشاکر امام علیہ السلام  
کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے  
لگا۔ مجھے خدا کے وجود کا ثبوت دیجئے۔ حضرت نے فرمایا ذرا بیٹھ جا  
اتنے میں ایک لڑکا ایک مرغی کا انڈا ہاتھ میں لئے ہوئے ادھر سے  
گدرا۔ حضرت نے اسے بلایا اور انڈے کو اس سے لیکر اپنی پتھیلی  
پر رکھا۔ پھر ابوشاکر سے فرمایا۔ دیکھو یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے کہ  
جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے اس کے اوپر بھی پتھر جیسی جلد ہو  
اور اسکے نیچے نرم و باریک چھلی ہے اور اسکے اندر سونے اور چاندی  
کے دو دریا بہہ رہے ہیں۔ لیکن نہ زردی سفیدی سے مل سکتی ہو  
نہ سفیدی زردی سے۔ نہ تو کوئی اصلاح کرنے والا اسکے اندر داخل  
ہوتا ہے اور نہ کوئی بگاڑنے والا اس سے باہر نکلتا ہے یہ بھی کسی



کو نہیں معلوم کہ اس سے پہلے ہونے والا کچھ نہ ہو گیا مادہ پھر دیکھو یہ دفعتاً شق ہو جاتا ہے اور ایک خوشنما آتش سے نمودار ہوتا ہے کیا تمہاری عقل اس بات کو مانتی ہے کہ یہ سب کچھ کسی مدبر یا صانع کے ہورہا ہے۔ یہ سنکر ابو شاکر نے اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا میں آج سے اپنے خیالات سے توبہ کرتا ہوں اور دین اسلام قبول کرتا ہوں۔

ایک مصری دہریہ سے مناظرہ | ایک بار مصر کا ایک دہریہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے اس سے نام پوچھا اس نے کہا عبد الملک فرمایا کینت کیا ہے اس نے کہا ابو عبد اللہ۔

امام :- یہ ملک جس کا تو بندہ ہے ملوک آسمان سے ہی زمین سے۔  
دھڑیہ :- اس پر میں نے کبھی غور نہیں کیا۔  
امام :- تو کبھی زمین کے نیچے گیا ہے۔  
دھڑیہ :- نہیں۔

امام :- تو جانتا ہے اسکے نیچے کیا ہے۔  
دھڑیہ :- مجھے اس کا علم نہیں۔  
امام :- کبھی تو آسمان پر چڑھا ہے۔

دھڑیہ :- نہیں۔

امام :- تجھے معلوم ہے کہ وہاں کیا ہے۔

دھڑیہ :- نہیں۔

امام :- مشرق و مغرب کی بھی تو نے سیر کی ہے۔ اور ان کے حدود کے آگے کا بھی حال تجھے معلوم ہے۔

دھڑیہ :- نہیں۔

امام :- تعجب کی بات ہے۔ جب تجھے نہ زمین و آسمان کا حال معلوم ہے نہ مشرق و مغرب کا۔ پھر خدا کے وجود سے انکار کیسے کر رہا ہے۔ ایک جاہل آدمی اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر سکتا، ذرا غور تو کر یہ چاند اور سورج یہ رات اور دن جو ہمیشہ ایک طریقہ پر جاری ہیں کیا اپنی رفتار میں مجبور و مضطر نہیں ہیں۔ اگر وہ مجبور و مضطر نہ ہوتے تو ایک مرتبہ جا کر پھر واپس نہ آتے۔ اگر وہ مجبور نہیں تو کیوں دن کی جگہ رات اور رات کی جگہ دن نہیں ہو جاتا۔ تو کبھی آسمان و زمین کے متعلق یہ غور نہیں کرتا کہ کیوں آسمان زمین پر نہیں آ رہتا۔ کیوں زمین اسکے نیچے دب نہیں جاتی۔ کس نے انہیں تھام رکھا ہے۔ جس نے ایسا کیا وہی قادر مطلق ہمارا اور انکا خدا ہے یہ کلام سن کر وہ حیران ہو گیا اور اسی وقت کلمہ شہادت



پڑھکر مسلمان ہو گیا۔

علمائے نصاریٰ سے مناظرہ ایک بار کچھ عیسائی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ رتبہ میں سب برابر ہیں۔ کیونکہ ان تینوں کو ایک ایک کتاب اور ایک ایک شریعت جدا گانہ ملی ہے۔ حضرت نے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ علم و فضیلت میں ان حضرات سے بڑھے ہوئے تھے کیونکہ خدا نے جو علم حضرت کو دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں دیا۔ نصاریٰ نے کہا کسی قرآنی آیت سے اس کا ثبوت دیجئے۔ فرمایا سنو حضرت موسیٰ کیلئے فرمایا گیا (کتبت لہ فی اللواح من کل شیء) میں نے تمام چیزوں میں سے اسکے لئے تھوڑا تھوڑا الواح میں لکھ دیا ہے اور جناب عیسیٰ کے بارہ میں فرماتا ہے لا بینکم بعض لدی تختلفون فیہ (جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے بعض کو میں بیان کرتا ہوں) اور حضرت رسوؐ خدا کیلئے ارشاد ہوتا ہے۔ ونزلنا علیک الکتاب بتیاناً لکل شیء (میں نے تیرے لئے ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی شرح اور بیان موجود ہے۔

## ایک معتزلی کے سوالات اور حضرت کا جواب

عمر بن عبید معتزلی جو فرقہ معتزلہ کا امام وقت تھا۔ ایک روز امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ آپ گناہان کبیرہ کو آیات قرآنی سے بیان فرمائیے۔ فرمایا سن۔

(۱) سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ ومن یشترک باللہ فقد حرم علیہ الجنة (جس نے شرک کیا جنت اس پر حرام ہو گئی)

(۲) خدائی سے مایوس ہونا۔ ولا یئس من روح اللہ الا القوم الکافرون (خدا کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر)

(۳) حقوق والدین۔ وجباراً شقیّاً (نافرمان بیجا جبار و شقی)

(۴) خون ناحق۔ فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا (ہمیشہ جہنم میں رہنا ناحق قتل کرنے والے کی سزا ہے)

(۵) شوہر اور عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ لعنوا فی الدنیا والآخر ولہم عند اب الیم (ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

(۶) مال تسمیہ کھانا۔ انما یا کلون فی بطونہم ناراً و



سیصلون سعیرا (وہ اپنے بیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور  
عقرب جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے)

(۷) معرکہ جہاد سے بھاگنا ومن یولہم یومئذ دبراً الا  
تحتزوا القتال و متحیزا الی فئۃ باء بغضب من اللہ  
وما واہ جہنم و بسک المصیر (جراں کی طرف سے منہ پھیرے  
اس روز۔ سوائے اسکے کہ وہ لڑائی کے لئے پھرے یا کسی گروہ کے  
درمیان جگہ لینے والا ہو پس اس پر خدا کا غضب ہے اور اسکی  
جگہ جہنم ہے جو برا ٹھکانہ ہے)

(۸) سود کھانا الذین یا کون الربوا یقومون کما  
یقوم الذی یتخبط الشیطان من الممس (سود کھا  
وے ایسے لوگ ہیں جنھیں شیطان نے مس کر کے مغبوط انکو اس  
بنار کھا ہو)

(۹) سحر کرنا۔ ولقد علموا من اشتراہ مالاً فی الآخرۃ  
من خلاق رانھوں نے ایسا کام کیا کہ انکے لئے آخرت میں کوئی  
حصہ نہیں)

(۱۰) زنا کرنا۔ ومن یفعل ذالک یلق اثاماً ویخلق فیہا  
مہانا (جو ایسا کرتے ہیں وہ سخت گناہ اور رسوائی سے دوچار ہوتے ہیں)

(۱۱) جھوٹی قسم کھانا یشاترون بعہد اللہ وایما النہم  
ثمناً قلیلاً اولئک لا خلاق لہم فی الاخلا (جو خدا کے  
وعدے اور معاہدے کو اپنے تھوڑے داموں میں بیچ ڈالتے ہیں  
ان کا کوئی حصہ اخلاق میں نہیں)

(۱۲) خرید و فروخت میں کمی بیشی کرنا ومن یغلل یات بما  
غل بدیوم القیامۃ (جتنی کوئی گھٹ بڑھ کرے گا قیامت  
میں اسی کے مطابق گرفتار ہوگا)

(۱۳) زکوٰۃ واجب کو نہ دینا فتکوی بہا جبا ہمہم و جہنم  
وظہورہم (گرم سونے اور چاندی سے انکی پیشانی پہلو اور پیٹھ کو  
داغ دیا جائیگا)

(۱۴) گواہی کو چھپانا ومن یکتہا فانما اثمہ قلبہ (جو اسے  
چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے)

(۱۵) شراب پینا اور جوا کھینا انما الخمر والمیسر والانصاف  
والالزام رجس من عمل الشیطان (شراب اور جوا وغیرہ  
پلیدی اور شیطانی کے کام ہیں)

(۱۶) نقص عہد اور قطع رحم لہم لعنت اللہ ولہم سوء  
الدار (ان پر لعنت ہو اور انکے لئے برا گھر ہے)



(۱۷) عذمانا ترک کرنا۔

جب عمر بن عبید نے یہ باتیں سنیں تو بے اختیار ہو کر رونے لگا اور کہتا تھا بے شک جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا اور آپ سے علم و فضل میں مقابلہ کیا وہ ہلاک ہوا۔

ابو لعلو جا رہے مناظرہ | ابو لعلو جا رہے ایک توفیق کج طبیعت واقع ہوا تھا۔ دوسرے حسن

بصری کے ساتھ رہ کر اسکا عقیدہ اور خراب ہو گیا تھا تو ہمت اور قیاسات بروقت اسکے دماغ میں چکر لگایا کرتے تھے۔ یہ شخص دہریہ ہونے کے علاوہ منہ پھٹ اور بد زبان بھی پرے سرے کا تھا۔ ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حاجی لوگ کب تک سرزمین مکہ کو اپنے پاؤں سے روند کر نیگے اور کہا نک ان پتھروں اور ڈھیلوں کی پوجا پاٹ کئے جائینگے۔ کب تک بھاگے ہوئے اونٹوں کی طرح انکے چاروں طرف بھاگتے پھرینگے کیا یہ جاہل اور نادان لوگوں کے افعال نہیں۔ چونکہ آپ مسلمانوں کے امام اور بانی اسلام کے فرزند ہیں لہذا آپ انکے متعلق مجھے تسکین بخش جواب دیجئے۔

حضرت نے فرمایا اے شخص تو نے حقیقت امر پر غور نہیں کیا۔ حرم محترم خانہ کعبہ ہے جس کے ذریعے سے خدا اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے چونکہ یہ گھر اسکی طرف منسوب ہے۔ لہذا اسکی تعظیم بجالانے اور زیارت کرنے کی تاکید ہے اور اسکو انبیاء کا مقام عبادت اور دینداروں کا قبلہ قرار دیا ہے۔ یہ گھر اسکی رحمت کا وسیلہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ اس گھر کو اس نے خلقت دنیا سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا ہے۔ ہماری بندگی کی شان یہی ہے کہ ہم ہر حکم خدا کی پیروی کریں اور جس غرض سے اس نے خانہ کعبہ بنوایا ہے اس غرض کو پورا ہو دیں۔

اس نے کہا مجھے نہایت افسوس، کہ آپ نے اس گھر کو ایسی ذات کی طرف نسبت دی ہے جس کے ماننے میں بھی مجھے تامل ہے۔ جو ذات غائب ہے اسکے وجود کا کیونکر یقین کر لیا جائے اور جب تک یقین نہ ہوا اسکے احکام کی پابندی کیسی۔ حضرت نے فرمایا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہماری باتوں کو سنتا اور ہمارے وجودوں کو سمجھتا



اور ہمارے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

اس نے کہا اسکا ہر جگہ موجود ہونا ثابت تو کیجئے۔ اگر وہ زمین پر ہے تو آسمان پر کیسے گیا اور اگر آسمان پر ہے تو زمین پر کیسے آیا۔ حضرت نے فرمایا وہ ایک مکان میں محدود نہیں۔ کہ دوسری جگہ اس سے خالی ہو۔ یا کوئی جگہ اسکو گھیر سکے۔ اگر وہ کسی جگہ میں محدود ہو جائے تو پھر اس میں اور مخلوق میں فسق کیا رہے۔ اس نے پوچھا لیکن یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ چیزوں کا خالق ہے۔ حضرت نے فرمایا ایسی ہی بات کیلئے بھی کچھ ثبوت کی ضرورت ہے بھلا میں تجھ ہی سے پوچھتا ہوں کہ تجھے کس نے بنایا اس نے کہا تجھے کسی نے نہیں بنایا۔ فرمایا کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مصنوع بغیر کسی صانع کے وجود میں آ سکے۔ یہ سن کر وہ ٹھہرایا اور بات کاٹ کر کہنے لگا خیر اسے تو جانے دیجئے کہ آپ جو حشر و نشر حساب و کتاب کے قائل ہیں اور بہشت و دوزخ کے قائل ہیں اس سے کیا فائدہ مرنے کے بعد آدمی خاک میں مل جاتا ہے یہ سب باتیں محض فرضی ہیں۔ حضرت نے فرمایا اگر بالفرض تیرا یہ کہنا صحیح ہے تو مرنے کے بعد ہمیں کوئی خوف نہیں اور اگر تیرا خیال غلط ہے تو پھر تیرے لئے نجات کی صورت نہیں ہم دونوں صورتوں میں بے خوف ہیں اب

تو ہی بتا اچھا کون رہا۔

یہ سن کر اس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا میں نے آپ کا ارشاد مان لیا لیکن یہ بتائیے کہ قرآن میں ہے کہ اہل جہنم کی جب کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی کھال بدل دیں گے۔ بھلا یہ تو بتلائیے جن جلدوں نے گناہ کیا تھا جب وہ جل گئیں تو اب بھلا دوسری جلدوں کا کیا تصور۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ پہلی ہی کھالیں ہوں گی صرف انکی صورت الٹا پٹی ہوگی۔ جس طرح کچی اینٹ کو توڑ کر اور پانی ملا کر پھر سلچنے میں ایک نئی اینٹ بنائی جاتی ہے یہی حال اہل دوزخ کی کھالوں کا ہوگا اس نے کہا کہ اتنا اور بتا دیجئے کہ لوگوں کو مختلف امراض میں موت کیوں آتی ہے اگر سب ایک ہی بیماری میں مرا کرتے تو خرابی تھی۔ فرمایا اگر ایسا ہوتا تو لوگ اس مرض کے پیدا ہونے تک موت سے بچت ہو جاتے اور خدا کسی بندے کا موت سے بے خوف ہونا پسند نہیں کرتا۔

سفیان ثوری نے بہت کچھ تعلیم امام جعفر صادق سے حاصل کی تھی لیکن پھر بھی انکے خلاف تھے اور اپنا رنگ الگ جمانا چاہتے تھے۔ ایک حضرت مسجد اکرام میں تشریف رکھتے تھے اور سفید



باریک لباس پہنے ہوئے تھے۔ سفیان نے اس لباس کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا میں جا کر رافضیوں کے اس امام کو شرمندہ کرتا ہوں یہ کہہ کر آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے۔ کیا آپ کے جد امجد رشتہ خدایا ایسا ہی قیمتی لباس پہنا کرتے تھے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اس قسم کے لباس میں کوئی مانعت تو نہیں ہے۔ آنحضرت کے زمانے میں چونکہ بیشمار مسلمان انتہائی تنگدستی میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ لہذا اس خیال سے کہ انکی دل شکستگی نہ ہو آنحضرت بھی قیمتی لباس نہ پہنتے تھے لیکن اب چونکہ یہ بات نہ رہی لہذا ایسا لباس پہننے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ میں نے یہ لباس محض خدا کا شکر ادا کرنے لئے پہن لیا ہے ورنہ دیکھو اس کے نیچے کیا موٹا کپڑا پہنے ہوئے ہوں۔ اسکے بعد سفیان کا دامن جو موٹے کپڑے کا تھا اٹھا کر کہا دیکھو تم نے ریاکاری کیلئے اوپر تو مونا بال دار کپڑا پہن رکھا ہے لیکن اس کے کیسا نرم اور قیمتی لباس پہن رکھا ہے جس سے تمہارے بدن کو راحت ملتی ہے۔ برخلاف اسکے میرے بدن میں یہ موٹے بال چھبے ہیں اور بدن کو تکلیف ہوتی ہے۔ تم نے میرے ظاہر پر نظر کی لیکن اپنے باطن کو نہ دیکھا۔ سفیان شرمندہ ہو کر واپس

مئے۔ ان کے شاگردوں نے کہا اگر آپ کو انھوں نے شرمندہ کیا ہے تو ہم بھی بدلے بغیر نہ رہیں گے چنانچہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔

شاگردانہ کیا زہد و ترک دنیا آپ کے نزدیک مذموم ہے۔ امام ج۔ تمہارا مطلب اس کہنے سے کیا ہے۔

شاگردانہ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زہد کو اچھا سمجھتے تو ایسا عمدہ لباس نہ پہنتے۔

امام ج۔ کیا اسکی مانعت ہے۔

شاگردانہ مانعت تو نہیں ہے۔ لیکن خداوند عالم نے حضرت رسول خدا کے ایسے اصحاب کی تعریف فرمائی ہے جو غیروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے تھے۔ یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ (وہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تکلیف میں ہوں اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیمًا واسبغوا رءوسہم فی حبہ میں مسکین ویتیم واسبغوا کو کھانا دیتے ہیں)

(مالم) یہ دونوں آیتیں تو ہم اہلبیت ہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور ہمارے حال کا بیان اس سے مقصود ہے۔ تم لوگ چونکہ



قرآن کی ناسخ و منسوخ آیتوں کو نہیں پہچانتے اس لئے گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ یہ بات یاد رکھو جن لوگوں کو حق میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں انکو ایسا کرنا حلال و مباح اور باعث اجر و ثواب تھا لیکن پھر خدا نے مومنین کے حال پر رحم فرما کر یہ حکم منسوخ کر دیا تاکہ انکے بال بچوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ لوگ اس وقت اگر ایک روٹی بھی ہوتی تھی تو اپنے کم سن بچوں اور بوڑھے ماں باپ کا خیال نہ کر کے اسے راہ خدا میں دیدیتے تھے۔ چونکہ یہ امر انکی ہلاکت کا باعث تھا اس لئے اسکو منسوخ کر دیا گیا۔ اسی لئے حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پاس پانچ دانہ یا پانچ درم یا پانچ روٹیاں ہوں اور وہ انھیں خرچ کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ ان میں سے ایک تو اپنے والدین کو دے دوسری اپنے اہل و عیال کے خرچ میں لائے۔ تیسرے اپنے محتاج رشتہ داروں کو دے چوتھی اپنے محتاج ہمسایوں کو بخشے پانچویں کو راہ خدا میں خیرات دے یہ پانچواں مقام پہلے چاروں سے پست رتبہ اور کم ثواب کا ہوگا۔

چنانچہ ایک مرد انصاری کے پاس چار پانچ لونڈیاں اور غلام تھے ان کے سوا اور کوئی چیز اسکی ملکیت نہ تھی۔ اس نے مرتے

وقت ان سب کو آزاد کر دیا اور اپنے زیر اسن بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ جب حضرت رسول خدا نے یہ حال سنا تو فرمایا کہ وہ اپنے بچوں کو بھیک مانگنے کیلئے چھوڑ گیا اس نے بہت برا کیا اگر میں پہلے سے یہ جانتا تو اسکو مسلمانوں کے قبرستان میں کبھی دفن ہونے نہ دیتا۔ خداوند عالم نے ایسے لوگوں کی نیند مائی ہے جو فضول خرچی نہیں کرتے اور خایت شکاری اختیار کرتے ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ میری امت میں چند ایسے لوگ ہیں جنکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اول وہ جو اپنے والدین کو نفرت کرے اور بد دعا کرے۔ دوسرے جو اپنا مال دوسرے کو واپسی کی نیت سے قرض دے اور اسکے متعلق نہ کوئی دستاویز لکھوائے اور نہ کوئی گواہ بنائے اور جب لینے والا واپس نہ دے تو پھر اسکے لئے بد دعا کرنے بیٹھ جائے۔ تیسرے جو اپنی عورت کو لعن اور نفرت کرتا رہے۔ حالانکہ اسے خدا نے طلاق دینے کا پورا اختیار دیا ہے۔ چوتھے جو گھریں بیٹھ رہے اور تلاش معاش نہ کرے اور خدا سے بے حلال روزی طلب کرے خدا ایسے شخص سے فرماتا ہے کیا میں تجھے کام کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں نہیں دیتے اور روزی کمانے کی راہیں نہیں کھول دیں۔ پانچویں جسکو خدا نے بہت سا مال عطا کیا اور



اور وہ بے حساب لٹا کر مفلس بن جائے پھر خدا سے دعا کرے کہ مجھے روزی عطا فرما۔ خدا اسکے جواب میں فرماتا ہے کیا میں نے تجھے مال کثیر نہیں دیا تھا پھر تو نے اسراف کیوں کیا۔

ایک بار حضرت رستم خدا کے پاس کہیں سے سونا آیا آپ نے وہ سب بیچ ہوتے ہی خیرات کر دیا۔ اسکے بعد ایک سائل آیا اور اس نے کچھ مانگا۔ آپ کے ہاتھ میں کیا تھا ہو دیتے۔ چونکہ حد و درجہ نرم دل تھے اس لئے سائل کے ناکام جانے کا سخت ملال ہوا۔ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (نہ تو تم اپنے ہاتھ کو گردن ہی میں باندھ لو یعنی کسی کو کوڑی نہ دو اور نہ اتنا کھول دے کہ ملول و غمگین بیٹھ رہے)

پس یہ تمام آیات اور احادیث ان افعال کی ناسخ ہیں۔ جنکو تم نے بیان کیا۔ اسکو بھی جانے دو حضرت ابو بکر جن کو تم صدقہ کہتے ہو وہ بھی اپنے عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ باوجودیکہ خدا نے ثلث مال میں وصیت کرنے کا اختیار مرنے والے کو دیا ہے۔ مگر انہوں نے اپنے مال سے ایک چارم کی وصیت کی۔ اگر وہ ثلث کو بہتر جانتے تو اسی کی وصیت کرتے۔ بلکہ اگر

سب مال کا خیرات کر دینا خدا کے نزدیک اچھا ہوتا تو وہ ثلث کی حد ہی نہ لگاتا اور ثلث سے زیادہ کے اختیار کو نہ روکا جاتا۔

حضرت سلمان فارسی کو جو حصہ مال غنیمت سے ملتا تھا باوجود فقر و قناعت کے اس میں سے اپنے سال بھر کا خرچ نکال لیتے تھے اور باقی راہ خدا میں دے دیتے تھے ایک بار کسی نے اعتراض کیا کہ آپ زاہد و متقی ہو کر ایسا کرتے ہیں کیا آپ کو اپنے سال بھر زندہ رہنے کا یقین ہے جو ایک سال کی خود پاک مہیا کر رکھتے ہیں فرمایا تم میرے دوست ہو کر کیوں میری زندگی کی امید نہیں رکھتے اور میرے مرجانے کے خیال کو میرے جینے پر ترجیح دیتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جب آدمی کے پاس سال بھر کا گزارہ موجود رہتا ہو تو وہ دنیا اور آخرت کے کام دل جمعی سے انجام دیتا ہے اور خدا کا ہاتھ آدمی ہمیشہ پریشان دل رہا کرتا ہے۔ کوئی دینی یا دنیوی کام اس سے اچھی طرح انجام نہیں پاسکتا۔

حضرت ابوذر غفاری کو دیکھو کہ باوجود فقر پسندی اور گوشہ نشینی کے تہیہ دست رہنا گوارہ نہ کرتے تھے چند اونٹ اور بکریاں پال رکھی تھیں جن سے اپنے اہل و عیال اور اپنے مہانوں کا خرچ بہم پہنچاتے تھے۔ اپنے آس پاس کے لوگوں میں جنکو محتاج



پاتے تھے ان کی مدد کرتے تھے۔

دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جنکے زہد و تقویٰ میں شک و شبہ نہیں لیکن یہ بھی اس طرح زندگی بسر کرتے تھے کہ ان کے پاس کچھ نہ رہتا یا جو کچھ سب راہ خدا میں دے کر نادر ہو جاتے جیسا کہ تم لوگ خیال کر رہے ہو۔ غالباً میرے اس بیان سے تم کو تسکین ہوگئی ہوگی اور اگر نہ ہوئی ہو تو میں اور بھی بیان کر سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اور بیان فرمائیے، حضرت نے فرمایا۔ خدا نے مومنوں پر فرض کیا تھا کہ اپنے سے دس گنا آدمیوں سے جہاد کرنا پھر ان پر رحم فرمایا اور اس تعداد میں تخفیف کر دی یعنی دو گنے کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ اس حکم نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ دیکھو اگر کوئی عورت قاضی کے سامنے یہ استغاثہ کرے۔

کہ میرا شوہر مجھے نفقہ نہیں دیتا اور قاضی اسکو نفقہ دینے پر مجبور کرے۔ وہ کہے میں مرد زائد ہوں اور کوئی شے مال دنیا سے میرے پاس نہیں کہاں سے ادا کروں۔ لیکن قاضی اسکا عذر نہ سنے تو بتاؤ تمہاری رائے میں یہ قاضی ظالم ہے یا عادل اگر کہو کہ ظالم ہے تو وہ قاضی بننے کے قابل نہیں اگر کہو عادل تو یہ امر تمہاری رائے کے خلاف ہوگا۔

اگر تمہاری رائے کے مطابق تمام دنیا زائد بن جائے اور کوئی کسی کے مال کی پرواہ نہ کرے تو بتاؤ یہ خیرات جس کا بے حد ثواب خدا نے مقرر کیا ہے پھر کون لے اور اہل دولت کہاں سے مستحق پیدا کریں۔ بات یہ ہے کہ تم نے کتاب خدا اور سنت رسول کو سمجھا نہیں اور اسکی حقیقت تک نہیں پہنچے نہ اسکے نسخ و منسوخ کو سمجھا نہ امر و نہی کو معلوم کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ حضرت سلیمان خدا کے پیغمبر تھے۔ انہوں نے خدا سے ایسی بادشاہت مانگی کہ کسی کو نہ ملی ہو خدا نے انکی دعا قبول فرمائی اور ویسی ہی بادشاہت انکو عطا کی۔ کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا۔ اسی طرح انکے پورے گولہ حضرت داؤد بادشاہ تھے۔ جناب یوسف عزیز مصر تھے۔ سکندر ذوالقرنین خدا کے پیارے بندے تھے انکو بھی خدا نے مشرق و مغرب کی سلطنت عطا فرمائی تھی۔ پس اے لوگوں خدا سے ڈرو اور اسکے اوامر و نواہی پر کار بند رہو۔ جس بات کو نہیں جانتے اسکے جاننے والوں سے پوچھو۔ جاہل اہل علم سے رتبہ میں ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔

ایک دہریہ کے سوال کا جواب | ایک دہریہ نے حضرت کی غذا میں حاضر ہو کر بہت سے



سوالات کئے جن میں سے بعض کے جوابات ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

دھرمیہ :- یہ تو فرمائیے آپکے خدا نے اپنے دشمن شیطان کو اپنی مخلوق پر کیوں قابو دیا کہ وہ انھیں اطاعت کے راستے سے ہٹاتا اور دوسروں میں ڈال کر خدا کا انکار کر دیتا ہے۔

امام :- یہ سچ ہے کہ شیطان خدا کا دشمن ہے لیکن اسکی دشمنی سے خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا خوف و اندیشہ تو ایسے دشمن سے ہوتا ہے جس سے ضرر کا کوئی اندیشہ ہوتا ہے۔ خدا نے شیطان کو بھی دیگر مخلوق کی طرح عبادت کیلئے پیدا کیا تھا۔ چنانچہ وہ ملائکہ کے ساتھ عبادت میں مشغول رہا لیکن سجدہ آدم کے وقت نضائیت اس پر غالب آئی اور حکم خدا سے انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملائکہ کی جماعت سے نکال کر اسکو زمین پر پھینک دیا گیا۔ پس وہ اولاد آدم کا دشمن تو ہے مگر صرف اس قدر کہ دلوں میں دوسرے پیدا کرے اور بہکائے اور اسکے سوا کسی طرح کا تسلط اسکو حاصل نہیں۔ رہا بہکانا اسکے رد کرنے کیلئے خدا نے عقل دی ہے جس سے انسان اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

دھرمیہ :- کیا خدا کے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کرنا جائز ہے۔

امام :- نہیں۔

دھرمیہ :- پھر آدم کو سجدہ کرنا کیسا۔

امام :- جو سجدہ خدا کے حکم سے ہو وہ خدا ہی کا سجدہ ہے۔

دھرمیہ :- کیا خدا کی صنعت میں عیب نکالنا جائز ہے۔ کیا خدا نے جو چیزیں پیدا کی ہیں سب میں مصلحت و حکمت ہے۔

امام :- خدا کی صنعت میں عیب نہیں۔ اس نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ حکمت اور مصلحت سے ہو۔

دھرمیہ :- پھر مسلمان ختنہ کرا کے صنعت الہی کو بگاڑتے ہیں۔

امام :- یہ تیری غلط فہمی ہے۔ ختنہ کرنے سے خدا کی صنعت

یا اسکی خدائی میں کوئی عیب پیدا نہیں کیا جاتا۔ ختنہ کرنا خدا کی

سنت ہے۔ جس طرح بچ پیدا ہونے کے بعد اسکی ناف قطع کرنا

اگر اسکو بحال خود باقی رہنے دیں تو موجب فساد ہے۔ اسی طرح

ناخن اور بالوں کا کٹنا بھی سنت خدا ہے۔ اگر ان چیزوں کو انکے

حال پر چھوڑ دیا جائے تو مکر وہ ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ایسی صورت

بھی پیدا کر سکتا تھا کہ کبھی قطع و برید کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور وہ

اپنی مقدار سے تجاوز ہی نہ کرتے۔

بعض حیوان ایسے ہیں کہ ان کا خسی کرنا ہی ضروری ہے



حالانکہ خدا نے ان کو اپنی حکمت عملی سے نہ ہی پیدا کیا تھا۔ کیا وہ ان کو اپنی حکمت سے حسی پیدا نہیں کر سکتا تھا۔

دھسرایہ: اچھا یہ تو فرمائیے غسل جنابت کو کیوں فرض کیا گیا ہے۔ ایک عمل جائز اور حلال کے بعد جنابت کیسی۔

امام: جنابت کی ناپاکی بھی حیض جیسی ناپاکی ہے۔ جماع میں سخت حرکت ہوتی ہے جسکی وجہ سے جسم کے اندر سے ایک مادہ خارج ہوتا ہے جو تمام جسم کو بے دربار بنا دیتا ہے اسکو دور کرنے کیلئے غسل کی سخت ضرورت ہے۔

دھسرایہ: آپ کے نزدیک میں مجوسی (آتش پرست) اسلام سے ملتا جلتا ہے یا عرب کا قدیم مذہب۔

امام: عرب کا قدیم دین اسلام سے قریب تر ہے۔ مجوس تمام انبیاء کے منکر ہیں۔ انکے بادشاہ کیخسرو نے تین سو بیویوں کو قتل کیا اسکے علاوہ مجوس غسل جنابت نہیں کرتے تھے اور عرب کرتے تھے۔ غسل جنابت سنت انبیاء ہے۔ مجوس ختنہ نہیں کرتے تھے۔ عرب کرتے تھے اور سب سے پہلے جس نے ختنہ کی سنت قائم کی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ مجوس اپنے مردوں کو غسل و کفن نہیں کرتے۔ عرب ایسا کرتے تھے۔

مجوس اپنے مردوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں پھینک دیتے تھے عرب انکو دفن کرتے تھے۔ مردوں کو دفن کرنا حضرت آدم کے وقت سے رائج ہے۔ مجوس اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کو اپنی بی بی بنالیتے تھے عرب اسکو قطعی حرام جانتے تھے مجوس منکر بیت اللہ تھے عرب اسکی تعظیم کرتے تھے اور خانہ خدا کہتے تھے انجیل و تورات کے متعلق آسمانی کتاب ہونے کا اقرار کرتے تھے اور کبھی کبھی اہل کتاب سے کوئی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے تھے۔ دھسرایہ: مجوس کہتے ہیں بہنوں سے نکاح کرنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے کیونکہ وہ بھائی بہن کا عقد کر دیتے تھے۔

امام: وہ جھوٹے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اچھا بہنوں کے متعلق تو یہ کہتے ہیں لیکن ماؤں اور بیٹیوں سے شادی کرنے پر وہ کیا حجت قائم کرتے ہیں۔

دھسرایہ: شراب تو بڑی پر لطف شے ہو شرع نے اسکو کیوں حرام کیا ہے۔

امام: شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب خوار کی عقل بالکل زائل ہو جاتی ہے وہ خدا کو نہیں پہچانتا۔ ہر قسم کے برے کام کرنے لگتا ہے اسکی باگ شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔



وہ جدھر چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بتوں کو اس سے سجدہ کرا دیتا ہے۔

دھرمیہ : ذبیحہ کا خون کیوں حرام ہوا۔

امام : خون کھانا سنگدلی اور شقاوت قلبی کا باعث ہے دل سے رحم کو دور کرتا ہے بدن کو گندہ اور بدبودار بناتا ہے۔ اور رنگ کو بگاڑ دیتا ہے۔ جذام کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

دھرمیہ : اسکی کیا وجہ کہ ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا ہے اور میتہ کو حرام۔

امام : دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ذبیحہ خدا کا نام لے کر حلال کیا جاتا ہے۔ جو تمام ادیان میں پسندیدہ ہے۔ اور میتہ کا خون چونکہ نکلتا نہیں اور اسی میں موجود رہتا ہے لہذا اس کا گوشت ثقیل اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

دھرمیہ : مچھلی تو ذبح نہیں کرتے وہ بھی تو میتہ ہے۔

امام : اس میں خون بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اسے پانی سے نکالیں اور رہنے دیں تاہینکہ وہ خود مر جائے اسی طرح مٹی میں بھی اتنا خون نہیں ہوتا کہ اسے ذبح کرنے کی ضرورت ہو۔

دھرمیہ : کیا روز قیامت میزان میں تو لے جائیں گے۔  
امام : عمل کوئی مجسم چیز نہیں کہ اسے وزن کیا جائے اور وزن کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں مقدار کا علم نہ ہو۔ خدا ہر شے کے وزن اور مقدار سے آگاہ ہے۔ اسے تولنے یا وزن کرنے کی ضرورت نہیں۔

دھرمیہ : پھر میزان کیا چیز ہے۔

امام : خدا کی عدالت۔

دھرمیہ : پھر قرآن میں ثقلت موازنہ سے کیا مراد ہے۔

امام : اعمال کا رائج ہونا۔

دھرمیہ : کہا جاتا ہے بہشت کے لوگ غذا کھائیں گے۔ اور فضلہ ان سے جدا نہ ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے۔

امام : انکی غذا ایسی ہی لطیف و رقیق ہوگی جس میں فضلہ کا نام نہ ہوگا۔ ہلکا سا پسینہ آکر شکم خالی ہو جائیگا۔ اور بھوک معلوم ہونے لگے گی۔

دھرمیہ : کہا جاتا ہے کہ عوریں ستر ستر جگہ پہنے ہونگی۔ پھر بھی انکی بدن کی جلد بلکہ بڑی کامغز تک دکھائی دے گی کیسے ممکن ہوگا۔ یہ لباس اور بدن کی نفاست کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ



صاف اور شفاف پانی میں کوئی شے گرادی جائے تو وہ تہہ کے نیچے نظر آتی ہے۔

دھمایہ اہل بہشت کو عیش و عشرت میں کیا مزہ آئیگا۔ جبکہ انکے عزیز و اقارب اور احباب وہاں نہ ہونگے انکی یاد انکے عیش کو تلخ بنا دیگی۔

اصحابِ رضا انکی یاد دلوں سے محو کر دیگا۔

ایک طبیب سے مکالمہ | ایک روز حضرت منصور خلیفہ عباسی کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اسوقت ایک طبیب کسی طبی کتاب کے بعض مضامین سنارہا تھا۔ جب فارغ ہوا تو حضرت سے کہنے لگا اس علم کی تو آپکو بھی ضرورت ہے فرمایا ہکو ضرورت نہیں جو کچھ تو جانتا ہے اس سے بہتر ہم جانتے ہیں۔ اس نے کہا کیسے فرمایا سردی کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ہم ان کا گرم دواؤں سے علاج کرتے ہیں۔ اور گرم بیماریوں کا سرد سے اسی طرح خشکی سے پیدا ہونے والے امراض کا علاج تر دواؤں سے کرتے ہیں اور تر کا خشک سے اور پھر ان تمام امور میں ہمارا کامل اعتقاد خدا پر رہتا ہے۔

اسکے علاوہ ہم اپنے جد کے اس قول پر عمل کرتے ہیں کہ مضر شے سے پرہیز کرنا اصلی دوا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے لئے وہی غذا اختیار کرے جسکی اسے عادت پڑی ہو یہ سن کر اس طبیب نے کہا آپ صحیح فرماتے ہیں اصلی طب یہی ہے۔ اس نے کہا چھینک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا وہ بظاہر ناک سے نکلتی ہے لیکن وہ تمام بدن سے نکلتی ہے کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ چھینکنے میں تمام بدن کو حرکت ہوتی ہے۔ یاد رکھو چھینکنے والا سات روز تک امان میں رہتا ہے۔ اس نے کہا چادلوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں فرمایا یہ آنتوں میں کشادگی پیدا کرتا ہے، بواسیر کیلئے نافع ہے۔ اس نے پوچھا انگور اور مویز کے متعلق کیا خیال ہے فرمایا اس سے بدن کے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ آنکھوں میں طاقت رہتی ہے اور دل خوش رہتا ہے۔ اس نے پوچھا بدن کو خراب کر نیوالی کیا چیزیں ہیں۔ فرمایا اول خشک اور بدبودار گوشت کھانا۔ دوسرے بھرے پیٹ کی حالت میں نہانا۔ تیسرے بوڑھی عورت سے ہم بستری کرنا۔ بسا اوقات یہ چیزیں آدمی کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اس نے کہا کوئی دوا ایسی بتائیے۔ فرمایا کھانا کھا کر خوب ہاتھ دھو اور



اور رہی باقی آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔

## حضرت امام موسیٰ کاظم کے فضائل علمیہ

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا علم و فضل میں وہ مرتبہ تھا کہ آپ کے زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی آپ سے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اکثر علماء سے آپ کے مناظرے اور مباہلے ہوئے اور نتیجہ میں انکو نیچا دیکھنا پڑا۔

ایک بار ہارون رشید حج کرنے کیلئے مکہ آیا۔ طواف کے وقت اس نے حکم دیا کہ میرے ساتھ کوئی طواف نہ کرے مگر جو ہی اس نے طواف شروع کیا ایک جوان آکر طواف کرنے لگا سپاہی نے کہا خلیفہ کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ جوان نے کہا کیوں ہوں یہ خدا کا گھر ہے۔ یہاں شہری اور دیہاتی سب برابر ہیں یہ سن کر ہارون نے سپاہی کو منع کیا اور اپنے طواف میں مشغول ہو گیا وہ جوان اسکے آگے آگے تھا جب ہارون نے حجر اسود کا بوسہ لینے کا ارادہ کیا تو وہ نو جوان آگے بڑھ گیا اور ہارون سے پہلے حجر اسود کا بوسہ لے لیا۔ اسی طرح جب مقام ابراہیم پہ نماز پڑھنی چاہی تو وہ نو جوان آگے بڑھ گیا اور ہارون

سے پہلے نماز ادا کرنے لگا۔

ہارون نے نماز سے فارغ ہو کر اس جوان کو بلانے کیلئے اپنا سپاہی بھیجا اس نے کچھ کیا غرض کہ اسکے پاس جاؤں۔ اگر اسکی ضرورت ہے تو میرے پاس چلا آئے۔ بادشاہی ملازم نے جا کر یہ جواب سنایا۔ ہارون خود آیا اور کہنے لگا۔ ہارون۔ میں تم سے چند سوال کرتا ہوں اگر معقول جواب نہ دیجئے تو سخت سزا دوں گا۔

جوان: امتحاناً پوچھتا ہے یا استفادۃً۔  
ہارون: استفادۃً۔

جوان: تو ایسے بیٹھو جیسے شاگرد استاد کے سامنے بیٹھا ہو۔  
ہارون: بتاؤ واجب شرعی کتنی چیزیں ہیں۔

جوان: ایک، پانچ، سترہ، چونتیس، چورانوے، ایک سو تین پھر بارہ میں ایک، چالیس میں ایک، دو سو میں پانچ، تمام عمر میں ایک، اور ایک کے عوض ایک۔

ہارون: (ہنس کر) سبحان اللہ میں واجبات شرعی دریافت کرتا ہوں اور آپ مجھے حساب گناتے ہیں۔

جوان: بدین و دنیا کا دار و مدار ہی حساب پر ہے اگر ایا



نہ ہوتا تو خدا قیامت میں اپنے بندوں کا حساب کیوں لیتا۔  
 ہارون : اچھا جو کچھ کہا ہے۔ اسکی توضیح کر دو۔ ورنہ میں تمکو  
 صفا و مروتہ کے درمیان قتل کر ڈالوں گا اسکے ایک امیر نے کہا  
 اے امیر یہ جرم خدا ہے یہاں اس جوان کے قتل کا قصہ  
 فرمائیے یہ سنکر جوان بے ساختہ ہنسا۔

ہارون : تمھاری ہنسی کا کیا سبب ہے۔

جوان : مجھے نہیں معلوم تم دونوں میں کون زیادہ بیوقوف  
 ہے۔ آیا وہ جو کسی کی آئی موت کو ٹالنا چاہتا ہے یا وہ جو کسی  
 نہ آئی والی موت کو بٹلانا چاہتا ہے۔

ہارون : خیر ان باتوں سے کیا حاصل اب اپنے بیان کی تفصیل  
 کرو۔

جوان : میں نے جو کہا واجب ایک ہے وہ دین اسلام ہے  
 کیونکہ اسکے سوا کوئی دین خدا کے نزدیک مقبول نہیں۔ میں نے کہا  
 پانچ واجب ہیں وہ پانچ نمازیں ہیں اور سترہ سے انکی سترہ رکعتیں  
 مراد ہیں اور چونتیس واجبات سے ہر رکعت میں دو دو سجدے  
 مراد ہیں اور چورانوے واجبات سے چورانوے تکبیریں مراد ہیں  
 جو ہر رکعت میں رکوع و سجود کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ اور

چالیس میں ایک سے مراد زکوٰۃ ہے کہ چالیس میں ایک دینار  
 دیا جاتا ہے اور بارہ میں ایک سے مراد بارہ مہینے ہیں ایک ماہ  
 کے روزے اور دوسو میں سے پانچ جو کہے گئے تو مراد خمس ہر  
 کہ انسان کے پاس مصارف سالانہ کے۔ دوسو درہم بچ رہیں  
 تو اس میں سے پانچ درہم دینے واجب ہو جاتے ہیں۔ اور  
 سوائے پیغمبر کے دوسرے کوئی ان کا مستحق نہیں ہوتا اور عمر بھر  
 میں ایک سے مراد حج ہے جو تمام عمر میں ایک بار فرض کیا گیا ہے  
 اور ایک کے عوض ایک سے مراد خون ناحق کا بدلہ ہے۔ یعنی  
 قاتل مقتول کے عوض واجب القتل ہو جاتا ہے۔

یہ جواب سن کر ہارون حیران ہو گیا اور ایک تھیلی اٹھ کر  
 کی بڑھا کر کہا یہ اس جواب کا صلہ ہے۔

جوان : مسئلہ بتانے کے عوض یا فائدہ حاصل کرنے کی وجہ سے  
 ہارون : فائدہ حاصل کی وجہ سے۔

جوان : اچھا میں تم سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں اگر  
 تم نے اس کا جواب دیدیا تب تو یہ اشرفیاں اسی مقام پر تقسیم  
 کر دینا ورنہ ایک تھیلی اور دینا جو میں اپنی قوم و قبیلہ کے ان لوگو  
 میں تقسیم کروں جو ننگدستی سے پریشان ہیں۔



ہارون بہت اچھا۔  
جوان بہت اوجب خنائے مشکل کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے  
دانہ بھرتا ہے یا اسے دودھ پلاتا ہے۔

ہارون بہت عجب ہے کہ مجھ سے ایسا سوال کیوں کیا گیا۔  
جوان بہت رستو خدا نے فرمایا ہے جو شخص کسی قوم کا امیر  
ہوتا ہے اسکو انہی کی سی عقل دی جاتی ہے تم اسوقت امت  
موجودہ کے امیر ہو لہذا انکی نسبت تم کو زیادہ عالم اور واقف  
کار ہونا چاہیے۔

ہارون مجھے اس کا جواب بتائیے میں اس کا جواب نہیں جانتا  
اور یہ تھیلی بھی بیچئے۔

جوان بہ خداوند عالم نے جب زمین کو پیدا کیا تو اس میں بہت  
سے حشرات الارض پیدا کئے جن کی خلقت صرف مٹی سے ہوئی  
ہے۔ جب انکے بچہ ہوتا ہے تو اس بچہ کی ماں نہ دودھ پلاتی  
ہے اور نہ دانہ بھرتی ہے بلکہ اسکی زندگی مٹی سے ہوتی ہے یہی  
حال خنائے مشکل کا ہے۔

اس کے بعد جوان نے دونوں تھیلیاں اٹھالیں۔ اور  
کھڑے کھڑے مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ ہارون نے بعض

لوگوں سے اس جوان کا نام پوچھا۔ کسی نے کہا یہ امام موسیٰ  
کاظم علیہ السلام ہیں۔ ہارون نے کہا کیوں نہ ہو ایسے عظیم الشان  
درخت کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ایک راہب کا مسلمان ہونا ایک نصرانی راہب امام موسیٰ  
کاظم علیہ السلام کی خدمت  
حاضر ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ توریت و انجیل کا بہت بڑا عالم  
ہے۔ حضرت نے اس

سے دریافت فرمایا حضرت مریم کی والدہ کا کیا نام ہے اور حضرت  
عیسیٰ کس روز کسوقت اور کہاں پیدا ہوئے تھے۔ اس نے

کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا ہم بتائے دیتے ہیں۔ مریم

کی والدہ کا نام یونانی زبان میں مریا ہے جو عربی زبان کے دیہہ  
کے ہم معنی ہے۔ حضرت عیسیٰ کا حمل جمعہ کے دن ظہر کے وقت

تاکم ہوا تھا اسی دن اور اسی وقت جبریل حضرت مریم پر نازل  
ہوئے تھے۔ حضرت رستو خدا نے وہ دن عید کا قرار دیا ہے۔

اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس روز ایک مقام پر جمع ہو کر عبادت  
کیا کریں اور جس روز حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے وہ سہ شنبہ تھا۔

ساتھ چار گھنٹے دن چڑھتا تھا۔ دریا ئے فرات کے کنارے



انکی ولادت واقع ہوئی تھی۔

خدا نے آپکی برکت سے ایسی تاثیر عطا فرمائی ہے کہ زراعت  
پیشہ لوگ اسے خرے اور انگور کی زراعت کیلئے خاص مفید بتاتے  
ہیں۔ اس روز حضرت مریم نے کسی سے بات نہیں کی تھی۔  
جب قیدوس بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حضرت  
مریم کے قبیلہ کے لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ تم سب جا کر مریم سے اس  
ولادت کا حال پوچھو۔

وہ لوگ مریم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے مریم  
یہ تم نے عجیب کام کیا ہے۔ اے اخت ہارون نہ تمہارا باپ  
بدکار تھا نہ تمہاری ماں اے راہب بتایہ کون دن تھا اس نے  
کہا۔ ہماری انجیل میں تو روز تازہ لکھا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا  
روز تازہ تو کوئی دن نہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے  
کتاب خدا میں تحریف کی ہے اس نے کہا میں آپ کا علم  
غیب جاننے کیلئے یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری ماں کا کیا نام  
ہے۔ فرمایا اسرائانی میں عتقالیہ عربی میں ملیہ ہے۔ تیرے  
دادا کا نام عصفورا اور باپ کا نام عبدالمسیح تھا یہ نام غلط ہے  
اس کا نام عبد اللہ ہوتا کیونکہ مسیح کا کوئی بندہ نہیں ہو سکتا تیرے

ابا کا نام جبزل تھا وہ بھی غلط۔ عبد الرحمن ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ  
ملائکہ کے ساتھ نام میں مشارکت جائز نہیں۔ اب تو اپنے دادا کے  
مارے جانے کا حال بھی سن لے۔ شام والوں نے اسے گھر کا  
محاصرہ کر کے مار ڈالا تھا۔ اس نے کہا میرا نام بھی بتا دیجئے فرمایا  
تیرا نام عبد الصلیب ہے لیکن عبد اللہ ہونا چاہیئے تھا۔ جب راہب  
نے یہ تمام باتیں تو بتوفیق الہی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

ابو حنیفہ کا اعتراض | اہل سنت کے ایک امام ابو حنیفہ  
نے امام جعفر صادق سے کہا کہ آپ کے  
فرزند موسیٰ بن جعفر اس طرح نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگ انکے سامنے  
سے گزر رہے تھے۔ کیا یہ بات خضوع و خشوع میں فرق پیدا کرنے  
والی نہ تھی۔ فرمایا میں انکو بلاتا ہوں تم خود اس کے متعلق پوچھ لو جب  
آپ سے یہ اعتراض بیان کیا گیا تو فرمایا جس کی نماز میں پڑھ رہا  
تھا وہ بہ نسبت ان لوگوں کے مجھ سے زیادہ قریب تھا وہ خود  
فرماتا ہے۔ نحن اقرب من جبل الوردین (ہم رگ گردن  
سے زیادہ قریب ہیں) یہ سنتے ہی ابو حنیفہ کے چہرے کا رنگ فق  
ہو گیا اور کوئی تردید بن نہ پڑی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے  
اپنے فرزند کو گلے سے لگایا اور فرمایا شاہ اش اے محافظ اسلام الہی



**ہشام کا سوال** | ایک روز ہشام بن الحکم نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا نماز کے شروع میں سات تکبیریں کیوں رکھی گئی ہیں اور رکوع میں سبحن ربی العظیم و بحمدہ اور سجدہ میں سبحن ربی الاعلیٰ و بحمدہ کیوں کہا جاتا ہے۔ فرمایا جب حضرت سونچا شعبان آسمان پر تشریف لے گئے تو حضرت کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹنے شروع ہو گئے۔ جب پہلا پردہ ہٹا تو آپ نے تکبیر کہی جب دوسرا ہٹا تو دوسری تکبیر کہی اسی طرح سات پردے ہٹنے پر سات تکبیریں پڑھیں اسکے بعد جب عظمت الہی کو دیکھا تو آپ کانپنے لگے اور رکوع میں جا کر سبحن ربی الاعلیٰ و بحمدہ فرمانے لگے جب رکوع سے کھڑے ہوئے اور عظمت کو پہلے سے بھی بلند مقام پر ملاحظہ فرمایا تو فوراً سجدے میں گرے اور سبحن ربی الاعلیٰ و بحمدہ کو سات مرتبہ سجدے میں کہا تب آپ کا قلب تھر تھرانے سے رکا۔

**امام رضا علیہ السلام کے فضائل علمیہ**

امام رضا علیہ السلام کے سرچشمہ علم و فضل سے بھی ہمیشہ لوگ

فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ حضرت کو بہ نسبت اور ائمہ کے اپنے علوم کی ترویج کے زیادہ مواقع ملے۔ جب تک دارالحکومت مرد میں مامون کے پاس رہے بڑے بڑے علماء و فضلاء سے آپ کی علمی استعداد کی جانچ کرائی گئی۔ مگر ان تمام مناظروں میں آپ ہی کو غلبہ حاصل رہا۔ مامون بہت بڑا عالم خود بھی تھا۔ لیکن آپ کے علم و فضل کا لوہا مانے ہوئے تھا اور لوگوں کے سامنے اقرار کرتا تھا کہ حضرت کے مقابلہ میں ہمارا علم کچھ ہی نہیں۔ آپ تو علم کے ناپید کنار دریا ہیں۔

جب تک حضرت مدینہ میں رہے وہاں کے تمام علماء جب کسی مسئلہ میں عاجز آتے تھے تو حضرت ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ اپنے مدلل جوابوں سے انکی تسلی کر دیتے تھے۔

ابو حلیفہ عبد السلام بن صالح الہمدی کہا کرتے تھے کہ امام رضا علیہ السلام سے زیادہ کوئی شخص میری نظر سے عالم نہیں گزرا۔ اور مجھ پر موقوف نہیں اور جو کوئی آپ سے ملاقات کو آتا تھا آپ کی اعلیٰیت کا اقرار کئے بغیر نہ رہتا تھا۔

شواہد النبوة میں ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ رسول خدا کو ادنیٰ مرتبتی کو میں نے خواب میں دیکھا حضرت رسول



نے فرمایا۔ تمہارا فرزند علی رضا نور خدا سے دیکھتا اور حکمت خدا سے بولتا ہے۔ اسکے اقوال و افعال سب درست ہیں خطا و ان میں دخل نہیں وہ از سر تا پا علم و حکمت سے معمور ہے۔ محاضرات امام راغب اصفہانی میں ہے کہ روئے زمین پر کبھی ایسے سات شخص متواتر نہیں گزرے جن کے اقوال خاص و عام کے نزدیک ایسے معتبر اور مقبول ہوئے ہیں جیسے امام رضا و زمان سے پہلے انکے آبا و اجداد۔

محمد عیسیٰ الیقینی ناقل ہیں کہ جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا تو میں نے وہ مسائل جنکے جوابات آپ کی خدمت حاصل کئے تھے جمع کرنا شروع کئے ان کا شمار کیا گیا تو مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

**ایک زندیق سے مناظرہ** | ایک روز ایک منکر خدا امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آکر کہنے لگا مجھے بتائیے آپ کا خدا کیسا ہے اور کہاں ہے آپ نے فرمایا یہ کیا لغو سوال ہے۔ کہاں اور کیسا تو مخلوق کی صفت ہے نہ کہ خالق کی۔ وہ جگہ اور کیفیت کا بنانے والا و پیدا کرنے والا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں سے کیا تعلق وہ ایسی

ذات نہیں کہ کوئی شخص حواس خمسہ سے اس کا ادراک کر سکے کسی شے پر اس کا قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے کہا پھر یوں کیجئے کہ خدا کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ وہ حواس خمسہ سے محسوس ہی نہیں ہوتا اور کسی چیز پر اس کا قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تو پھر آپ ہی بتائیے کہ وہ ہوا کیا۔ فرمایا تم حواس سے محسوس نہ ہو سکتے کی بنا پر انکار کرتے ہو۔ اور ہم اسی وجہ سے اسکو خدا مانتے ہیں اگر وہ محسوس ہوتا تو پھر ہم ہی جیسا وہ بھی مخلوق ہو جاتا۔ اس کا محسوس نہ ہونا ہمارے عجز و قصور اور اسکے کمال کی دلیل ہے۔ اس نے کہا پھر ہی بتائیے کہ وہ کب سے ہے۔ فرمایا تم یہ بتاؤ کہ وہ کب نہ تھا۔ اس نے کہا میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ مجھے سوال کرتے ہیں۔ فرمایا جب تمہیں اسکے کبھی نہ ہونے کا علم نہیں تو یہ سوال ہی غلط ہے کہ وہ کب سے ہو۔ اس نے کہا آخر اسکے وجود پر کیا دلیل ہے۔ فرمایا ایک کیا ہزار دلیلیں ہیں۔ اپنے جسم پر ہی خود کر لو۔ جب اسکے طول و عرض میں کمی یا زیادتی کسی چیز پر ہمارا قابو نہیں۔ اس نفع و ضرر پر کلی اختیار نہیں۔ تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس کا بنانے کوئی اور ہے۔ علاوہ برائیں آسمانوں کی گردش بادلوں کی ساخت۔ ہواؤں کی رقا



چاند سورج اور ستاروں کی باقاعدہ حرکت وغیرہ وغیرہ کیا  
یہ سب چیزیں کسی صانع حکیم کے وجود کی دلیل نہیں۔

اس نے کہا اگر وہ ہوتا تو وہ ضرور دکھائی دیتا جیسے عالم  
کی اور تمام چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ آنکھ سے تو وہ چیزیں دکھائی دیتی  
ہیں جو اسکی مخلوق ہیں اگر وہ بھی آنکھ سے دکھائی دینے لگے  
تو پھر اس میں اور مخلوق میں فرق ہی کیا ہے۔ وہ ایسی ذات  
ہے کہ نہ آنکھ اسکو دیکھ سکتی ہے نہ عقل اس کا ادراک کر سکتی  
ہے۔

اس نے کہا۔ پھر وہ کہیں ہونا تو چاہیے۔ فرمایا وہ کہیں  
محدود نہیں۔ محدود ہونا مخلوق کی شان ہے نہ کہ خالق کی وہ مکان  
و مکانیات کا خالق ہے نہ کہ خود کسی مکان میں محدود ہونے  
والا۔ محدود چیزیں کی بیشی ہوتی ہے اور اسکی ذات زیادتی  
اور نقصان سے بری ہے۔ وہ کسی چیز سے مل کر نہیں بناوہ سنا  
ہے بغیر کان کے۔ دیکھتا ہے بغیر آنکھ کے۔

اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سنے اور کان نہ ہوں  
دیکھے اور آنکھ نہ ہو۔ اگر اس نے رنگ برنگ کی چیزیں بنائی

میں تو اسکے باوجود بھی ضرور ہونا چاہیے۔ فرمایا کیا تم مخلوق کا  
خیال خالق پر کرتے ہو۔ مخلوق کے اوصاف خالق میں تلاش  
کرتے ہو۔ اگر ہماری طرح بغیر جو اس کے وہ بھی معلوم نہ کر سکے  
تو ہم میں اور اس میں فرق کیا ہوگا کیا تمھاری عقل میں یہ بات  
آتی ہے کہ ہمارا خالق ہمارا جیسا ہونا چاہیے۔

ایک نصرانی عالم سے مناظرہ | جاٹلیق عیسائیوں کا بہت بڑا  
عالم تھا۔ اور علمائے اسلام

سے مباحثے کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہم اور مسلمان دونوں حضرت  
عیسیٰ کی نبوت اور انکی کتاب کے آسمانی ہونے پر متفق ہیں۔  
نیز اس پر بھی کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ اختلاف ہے تو اس  
بات پر کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کو مانتے ہیں اور ہم نہیں  
مانتے۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ انکی موت واقع ہو چکی ہے  
پس جب وہ زندہ ہی نہیں تو اب انکی نبوت کیسی۔ برخلاف اسکے  
حضرت عیسیٰ چونکہ زندہ ہیں لہذا انکی نبوت ماننا چاہیے۔ اس  
کا یہ کلام سن کر کثیر اربع علم خاموش ہو جاتے۔

ایک مرتبہ ماموں کے اشارے سے یہ شخص امام علیہ السلام  
کی خدمت میں پہنچا اور اس طرح سے تقریر کا آغاز کیا۔  
جاٹلیق: پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی

کتاب پر آپ کا ایمان ہے یا نہیں۔



امام مرہم میں اس عیسیٰ کی نبوت پر ایمان رکھتا ہوں جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی اپنے حواریوں کو بشارت دی تھی اور اس کتاب توہیت کی تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے۔ لیکن جو عیسیٰ نبوت ختم الانبیاء کا معترف نہیں اور جو کتاب اسکو بیان نہیں کرتی اس پر میرا ایمان و اعتقاد نہیں۔ یہ سنتے ہی جاثیق ٹھنڈا پڑ گیا اور کوئی بن نہ پڑا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم تو اس عیسیٰ کو جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی بشارت دی نبی برحق جانتے ہیں۔ مگر تم اسکی تنقیص کرتے ہو کہ انھیں نماز روزہ کا محتاج بناتے ہو۔ اس نے کہا کیا مطلب۔ فرمایا جب وہ تمہارے اعتقاد میں خود معاذ اللہ خدا میں تو یہ نماز روزہ کس لئے کرتے تھے۔ یہ سنکر وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا اگر وہ خدا نہ تھے تو مردوں کو زندہ بخدا ہی کو تندرست اور نابینا کو آنکھ والا کیسے بنا دیتے تھے۔ یہ کام خدا کے سوا کون کر سکتا ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ بات کچھ حضرت عیسیٰ سے ہی مخصوص نہ تھی۔ بلکہ اور پیغمبروں میں بھی پائی جاتی تھی۔ ایسح علیہ السلام پانی پر چلتے تھے اور اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے تھے۔ حزقیل نبی نے ۵۴ ہزار آدمیوں کو ساٹھ برس بعد زندہ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم نے پرندوں کو زندہ کیا تھا۔ حضرت موسیٰ

کی دعا سے ستر آدمی کوہ طور پر زندہ ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کی دعاؤں سے بہت سے لوگ زندہ ہوئے تو کیا یہ سب تمہارے خیال میں انبیاء خدا ہونے کے مستحق تھے یہ سنکر جاثیق خاموش ہو گیا اور آخر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس الجالوت سے مناظرہ | ایک یہودی عالم کو اپنے

روز امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت سے سوالات کئے۔ مناظرہ بہت طوفاں سے۔ ہم چند سوالات اور ان کے جوابات درج کرتے ہیں۔

امام مرہم تمہارے پاس حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کا کیا ثبوت ہے۔

اس نے: ان سے وہ امور ظاہر ہوئے جو انبیائے سابقین سے نہ ہوئے تھے۔ مثلاً دریائے نیل کے پانی کا شکافہ ہو جانا عصا کا سانپ بن جانا پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا اور یہ بقیہ وغیرہ۔

امام مرہم: تو سچ کہتا ہے تیرے قول سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کو ایسے امور کا اظہار ضروری ہے جن کا اظہار دوسروں کو ممکن نہ ہو۔

اس نے: بے شک۔



امام: تو پھر یہ بات ضروری ہوئی کہ جو کوئی بھی ایسے امور کا اظہار کرے اس کی نبوت کی تصدیق کی جائے۔

راس: نہیں۔

امام: کیوں۔

راس: ان معجزات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا سے وہ قربت بھی تھی جو کسی اور کو نہ تھی۔ پس جب تک کوئی شخص بعینہ وہی معجزات و کمالات ہم کو نہ دکھائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہیں کر سکتے۔

امام: اچھا یہ بتاؤ کہ تم موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی کسی نبی کو مانتے ہو۔

راس: مانتے ہیں۔

امام: لیکن یہ کیونکہ صحیح ہے ان سے پہلے نہ تو کسی نبی نے دریا کو شکاف نہ کیا نہ کسی پتھر سے چشمہ نکالا نہ ان کا ہاتھ روشن بنا نہ عصا سانپ بن کر چلا۔

راس: نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ جب کسی سے ایسے امور ظاہر ہوں جنکو بحالانہ سے عام لوگ قاصر ہوں خواہ بعینہ ایسے نہ ہوں تو ہم پر نبوت کی تصدیق واجب ہو جائے گی۔

امام: اگر یہ بات ہے تو تم حضرت عیسیٰ کو نبی کیوں نہیں مانتے وہ بھی مردوں کو زندہ کرتے، اندھوں، مبرصوں اور جذامیوں

کو شفا بخشتے اور مٹی کی چڑیا میں پھونک مار کر پرندہ بنا دیتے راس: ہم نے ایسا کرتے انھیں نہیں دیکھا لوگ کہتے ہیں۔

امام: تو کیا حضرت موسیٰ کے معجزات تم نے پختہ خود دیکھے تھے آخر وہ بھی تو اور ہی لوگوں سے سنے ہیں۔

راس: اہا لوت یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ راس نے جواب اس سے بن نہ پڑا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا اسی طرح تم کو حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کا بھی اقرار کرنا چاہیے کیونکہ آپ سے ہی بے شمار معجزات ظہور میں آئے باوجودیکہ آپ ایک تنہا نادار پیر بن کر لوگوں کو خزانے والے اجرت پر اوروں کا کام کرنے والے تھے اور پھر کسی سے آپ نے ایک حرف پڑھا لکھا بھی نہ تھا لیکن پھر بھی قرآن مجید جیسی مکمل کتاب لائے جس میں انبیائے سابقین کے تمام قصے موجود ہیں۔ اسکے سوا حضرت لوگوں کے دل کا حال بتا دیتے تھے انکے گھروں میں چھپی ہوئی چیزوں سے آگاہ کر دیتے تھے۔

یہ سن کر راس اہا لوت نے بے حیائی سے جواب دیا یہ سب کچھ سہی لیکن چونکہ ہمارے نزدیک عیسیٰ اور محمد کی نبوت ثابت نہیں لہذا ہم ان کو نبی نہیں مان سکتے۔ امام نے فرمایا یہ تو کھلی جہالت ہے اسکا علاج کسی کے پاس نہیں۔



ایک مجوسی سے مناظرہ | ہر بڑا کبر مجوسیوں کا بہت بڑا  
عالم تھا۔ ایک روز امام علیہ السلام  
سے کہنے لگا کہ میں آپ سے زردشت کی نبوت تسلیم کرانے  
آیا ہوں۔

امام زہراؑ تمہارے پاس زردشت کی نبوت پر کیا دلیل ہے۔  
ہم بندہ انہوں نے ہم کو ایسی عمدہ باتیں بتائیں جو ان سے  
پہلے کسی نے نہ بتائی تھیں انھوں نے ہمارے لئے وہ امور مبارک  
کئے جو پہلے کسی نے نہ کئے تھے۔

امام زہراؑ تم نے زردشت سے یہ تعلیم خود حاصل کی تھی۔  
ہم بندہ نہیں۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔  
امام زہراؑ پھر تم نے کیونکر یقین کر لیا کہ زردشت کے سوا کسی نے  
اچھی باتیں بیان ہی نہیں کیں۔

ہم بندہ ایسا ہی سنتے چلے آئے ہیں۔  
امام زہراؑ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کیا انبیائے سابقین کے متعلق  
تم نے آج تک کوئی ذکر سنا ہی نہیں۔  
ہم بندہ سنا کیوں نہیں۔

امام زہراؑ پھر تم ان کے فضائل کمالات کی تصدیق کیوں نہیں کرتے  
ممکن ہے ان کے کمالات زردشت سے زیادہ ہوں یہ سن کر وہ  
ایسا سٹپٹا یا کہ حضرت کیسا منے سے اٹھ کر چلا گیا۔

ایک دینی عالم سے مناظرہ | تاریخ طبری میں ہے کہ ایک بار  
کچھ لوگ مامون کی مجلس خاص  
میں اس غرض سے جمع ہوئے کہ امام رضا علیہ السلام سے امامت  
کے بارہ میں مناظرہ کریں۔ انھوں نے یحییٰ بن خضاک کو جو اس  
زمانے میں اہلسنت کا بہت بڑا عالم تھا حضرت سے مناظرہ کیلئے  
منتخب کیا۔ حضرت نے یحییٰ سے فرمایا جو کچھ تمھیں پوچھنا ہو پوچھو۔  
یحییٰ نے میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی مجھ سے سوال کریں۔  
امام زہراؑ اچھا میں ہی پوچھتا ہوں۔ بتاؤ تم ایسے شخص کیلئے کیا  
کہتے ہو جو اپنے لئے تو راستی کا دعویٰ کرے اور سچوں کے مقابل  
جھوٹ بولے۔ کیا ایسا شخص سچا ہے۔ بتاؤ بلحاظ دین یہ حق پر  
ہے یا باطل پر۔

یحییٰ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مامون نے  
جواب کا تقاضہ کیا اس نے کہا اے امیر میرے پاس اس کا  
کوئی جواب نہیں۔ مامون نے امام علیہ السلام سے کہا مجھے بتاؤ  
کہ آپ نے یہ کیا بات پوچھی کہ یحییٰ جیسا ہمہ داں عالم خاموش ہو گیا  
فرمایا یحییٰ بے چارہ اس کا کیا جواب دے سکتا ہے اگر وہ کہے  
کہ صادقوں نے جھوٹ نہیں بولا تو اس کا یہ کہنا غلط ہے جھوٹ  
ابوکر نے جس نے رسول پر بیٹھ کر اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور یہ کہہ دیا  
کہ میں تم پر حاکم تو ہوں مگر تم سے بہتر نہیں تو اس کے بعد



نافرمانی کی پس وہ گمراہ ہو گئے اس سے صاف ظاہر ہے  
کہ آدم گنہگار تھے۔

امام رب خدا کا یہ حکم تھا کہ اے آدم تم اور تمہاری بی بی دونوں  
بشت میں رہو اور بے تکلف جو چاہو سو کھاؤ۔ لیکن اس  
دست کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے۔ یہ تو نہیں  
فرمایا تھا کہ اس دست سے یا اس کی جنس کے دوسرے دست سے  
بھی نہ کھانا۔ انہوں نے اس دست سے کچھ نہ کھایا تھا بلکہ یہ  
شیطان دوسرے کی بنا پر اسی جیسے دوسرے دست سے کھایا  
تھا۔

شیطان نے ان سے یہی کہا تھا کہ خدا نے تم کو اس خاص  
دست سے منع فرمایا ہے اس قسم کے اور درختوں سے منع  
نہیں کیا۔ پھر شیطان نے قسم بھی کھائی۔ چونکہ آدم نے اور حوا  
نے اس سے پہلے جھوٹی قسم کھاتے نہیں دیکھا تھا لہذا ان کو  
دھوکہ ہو گیا۔ اور اس کی قسم پر اعتبار کر کے مرتکب ہو گئے۔  
اور یہ اضطراب نہ عمل بھی حضرت آدم سے قبل نہایت ہوا تھا۔  
یہ کوئی گناہ کبیرہ نہ تھا۔ جس سے مستحق جہنم ہو جاتے صرف  
معاف نہ ہو یہ دترک اولیٰ یا فعل کمرہ میں سے تھا۔ جو انبیاء  
علیہ السلام قبل نزول وحی جانتے رہے۔

جب خدا نے اکل و بی بنایا تو وہ معصوم تھے۔ گناہ کبیرہ

اپنے کو خلیفہ رسول کہنا جھوٹ ہوا یا نہیں۔ در صورت امت ہی  
بہتر نہ ہونے کے وہ عاکم ہوئے کیسے؟ امیر کو رعایا سے افضل ہونا  
لازم ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ کہا ایک شیطان  
ہے جو مجھ پر غالب آتا ہے۔ پھر وہ امام کہہ ہو سکتے ہیں امام  
وہ ہے جو شیطان سے محفوظ ہو۔ تیسرے ایسا شخص کیونکر امیر  
خلیفہ ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ والے خود یہ کہتے ہوں کہ ابو بکر  
کی بیعت ایک جلدی کی بات تھی خدا نے امت کو اس کے  
شر سے بچالیا جو کوئی پھر ایسا کام کرے اسے قتل کر دو۔

مامون نے یہ سن کر حاضرین سے کہا۔ جتنے لوگ یہاں ہیں  
واپس جائیں میں نہ کہتا تھا کہ ان سے مباحثہ نہ کرو یہ علم رسول  
کے ورثہ دار ہیں۔

### عصمت انبیاء کے متعلق مامون کے سوالات

ایک روز مامون بادشاہ عباسی نے امام رضا علیہ السلام  
سے پوچھا۔

مامون: کیا آپ انبیاء کے معصوم ہونے کے قائل ہیں۔  
امام: بے شک۔

مامون: لیکن قرآن میں تو خدا آدم علیہ السلام کے متعلق  
یہ فرماتا ہے فصلى آدم ربہ فغوى ر آدم نے اپنے رب کی



یا صغیرہ کوئی بھی ان سے سرزد نہ ہوتا تھا۔

صامون :- اچھا حضرت ابراہیم کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ قرآن میں صاف لفظوں میں ذکر ہے۔ فلما جن علیہ الیل رآی کو کہا قال ہذا سابی دجب تا کی شب چاگئی تو انہوں نے ستارہ کو دیکھ کر کہا کیا یہ سیر پہ در و گار ہے؟ کیا یہ نکلا ہوا شمرک نہیں ہے کہ ایک ستارہ کو اپنا خدا کہہ دیا۔ اما سرہ جہل ہذا ربی؟ بطور استفہام ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کیا یہ میرا رب ہے۔

چونکہ اس زمانہ کے لوگ ستارہ پرست تھے اور حضرت ابراہیم کے کانوں میں انکا یہ عقیدہ پڑ چکا تھا لہذا جب غار سے نکل کر ستارہ کو دیکھا تو بطور سوال یہ ارشاد فرمایا کیا میرا رب ہے؟ چنانچہ جب وہ چھپ گیا تو اپنے فرمایا میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی یہ صفت میرے خدا کی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ممکن کی صفات سے ہے۔

جب مانتاب نکلا تو اپنے پھر بطور استفہام انکار میں کہا ہذا ربی؟ اسی طرح سورج کے متعلق فرمایا۔ پس یہ جو کچھ فرمایا ستارہ پرستوں کے ابطال کے متعلق تھا کہ اپنے عقیدہ کے متعلق۔

صامون :- یا بن رسول اللہ خدا آپ کو جزا سے خیر دے آپ نے بہت اچھا جواب دیا۔ لیکن ابھی ایک کھٹک دل میں اور ہے خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ قال ابراہیم سب اسانی کیف تخی الوقتی قال اولہ تو من قال بلی و لکن یطمئن قلبی (ابراہیم نے کہا اے پروردگار مجھے دکھا دے تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے فرمایا کیا تم کو اس کا اعتقاد نہیں عرض کی اعتقاد تو ضرور ہے لیکن میں صرف اپنا اطمینان قلب چاہتا ہوں) پس یہ فرمایا کہ حضرت خلیل کو کیا خدا کی قدرت پر پہنے سے یقین نہ تھا۔ امام :- خداوند عالم نے حضرت ابراہیم پر وحی نازل کی تھی کہ میں اپنے ایک بندہ کو خلیل بناؤں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے یہ کہہ گا کہ تو میرے لئے مردے کو زندہ کر دے تو میں اس کی یہ خواہش پوری کر دوں گا۔ پس حضرت ابراہیم کو یہ تردد تھا کہ وہ خلیل میں ہوں یا کوئی اور اسی لئے انھوں نے ایسا کہا تھا یعنی اطمینان قلب اس بارے میں چاہتے تھے کہ میں اس کا خلیل بنایا جاؤں گا یا نہیں۔ صامون :- جزاک اللہ آپ نے بڑی خوبی سے اس اعتراض کو دفع کر دیا۔ اچھا اب ایک اعتراض حضرت موسیٰ کے متعلق ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے کہا سب اسانی انظر الیک (خداوند! تو مجھے دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ بات کہی نہ جانتے تھے کہ خدا قابلِ رویت نہیں۔



امام: یہ بات نہیں۔ حضرت موسیٰ خوب جانتے تھے کہ وہ قابلِ رویت نہیں لیکن ان کی قوم کا یہ اصرار تھا کہ آپ خدا سے یہ دعا کریں کہ آپ کو اپنا دیدار کرائے ہم بغیر آنکھ سے دیکھے اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پس حضرت موسیٰ نے قوم سے مجبور ہو کر انہی الفاظ میں سوال کیا جن پر ان کی قوم کا اصرار تھا گویا حضرت موسیٰ کی یہ درخواست قوم کی طرف سے تھی۔

مامون:۔ حضرت یوسف کے بارے میں ہے ہمت بہ وہم بھاؤ نہ لیجانے بدکاری کا ارادہ یوسف کے ساتھ کیا اور یوسف نے اس کے ساتھ، اگر حضرت یوسف نبی تھے تو یہ ارادہ کیسا۔

امام: آپ نے پوری آیت نہیں پڑھی جو یہ ہے ہمت بہ وہم بھاؤ نہ لیجانے بدکاری کا ارادہ یوسف کے ساتھ کیا اور یوسف نے اس کے ساتھ، اگر حضرت یوسف نبی تھے تو یہ ارادہ کیسا۔

مامون: اچھا یہ فرمائیے کہ حضرت یوسف کے متعلق قرآن میں ہے انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغضوبک اللہ ما تقدم من ذنبک وصا تا آخر (ہم نے تم کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اندہ تمہارے اگلے کچیلے گناہوں کو بخندے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنہگار تھے۔

امام:۔ اس آیت سے آنحضرت کا گناہ مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے رسول! تم جو مشرکین کے بتوں کی مذمت اور خدا کی وحدانیت کی دعوت دیا کرتے تھے تو ان لوگوں کی نظر میں تمہارا فیصل گناہ تھا پس اب جبکہ مکہ فتح ہو گیا اور لوگ خوشی یا ناخوشی مسلمان ہو گئے۔ لہذا مشرکین کے عقیدہ کے بموجب تمہارے سب گناہ معاف ہو گئے۔ یعنی اب تم ان کے نزدیک گنہگار نہیں رہے۔ مامون:۔ فرزند رسول! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے تمام خدشے مٹا دیے۔

مختلف لوگوں کے سوالات کے جوابات  
ذیل میں وہ جوابات درج کئے جاتے ہیں جو آپ نے مختلف سائلوں کو دے تھے۔

سوال: کیا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے کہ خدا جو چاہتا ہے اس سے کراچھوڑتا ہے۔

امام:۔ خدا عادل ہے کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی کام خود ہی تو جبراً کرائے اور خود ہی سزا دینے لگے۔

سوال: کیا بندہ اپنے معاملات بالکل مطلق الحنان ہے۔

امام: ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خدا بندوں کو پیدا کر کے اپنا قابو ان پر سے بالکل ہٹائے اور اس کے معاملات کو بالکل اس پر چھوڑ دے۔ خدا نے اپنے بندوں کو نہ بالکل مجبور کیا ہے نہ بالکل



مطلق النعمان بنایا ہے بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک امر ہے۔  
سوال :- ایک حدیث ہے ان اللہ خلق آدم سی صورتم  
(خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کیا اس سے ثبوت نہیں  
ہوتا کہ خدا صاحب صورت ہے۔

امام :- لوگوں نے اس حدیث کی شان بیان پر غور نہیں کیا  
بات یہ تھی کہ ایک بار حضرت رسول خداؐ ایسے دو شخصوں کی طرف سے  
گزرے جو آپس میں گالی گھوج کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے  
کہا خدا تیری صورت کو کھونٹا کرے اور اس کی صورت کو کبھی جو  
مجھ سے مشابہ ہو۔ حضرت نے فرمایا اے شخص ایسا نہ کہو اس کی صورت  
پر تو خدا نے آدم کو کبھی پیدا کیا تھا۔

سوال :- اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ مومنین جنت کے  
مکانوں میں بیٹھے اپنے خدا کی زیارت کریں گے۔

امام :- خدا نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو تمام رسولوں پر فضیلت  
بخشی ہے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی سمیت کو  
اپنی سمیت اور ان کی زیارت کو اپنی زیارت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ  
نے فرمایا ہے کہ جس نے میری زیارت کی زندگی میں یا مرنے کے بعد  
اس نے گویا خدا کی زیارت کی پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ  
مومنین جنت میں حضرت رسول خداؐ کی زیارت کریں گے۔

سوال :- کیا مطلب ہے اس حدیث کا ان ثواب اللہ اللہ

النظرانی وجہ اللہ (لا الہ الا اللہ) کہنے کا ثواب یہ ہے کہ  
خدا کے چہرہ کو دیکھ لیا (کیا خدا کی کوئی شکل و صورت ہے۔؟)  
امام :- خدا کے متعلق شکل و صورت قرار دینا کفر ہے۔

وجہ اللہ درحقیقت انبیاء اور ان کے اولیاء ہوتے ہیں جن کے  
ذریعہ سے خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے اسی لئے وہ وجہ اللہ ہیں۔ ان  
کی طرف نظر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے اور ان کی زیارت سے محروم  
رہنا سارہ کا باعث۔

سوال :- کیا جنت و دوزخ دونوں خلق ہو چکے ہیں۔  
امام :- بے شک پیدا ہو چکے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ کبھی  
پیدا نہیں ہوئے بلکہ محض ارادہ الہی میں ہیں وہ ہم سے نہیں بلکہ ہماری  
تکذیب کرنے والے اور ہماری ولایت کے منکر ہیں۔ قیامت کے  
دن وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ کیوں کہ وہ  
ایسی چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن کا اقرار ضروریات دین سے ہے۔  
خدا فرماتا ہے ہذا جہنم الیٰ یٰ کذب بها الجنون یطوفون  
بینہا و بین حمیم ان (یہ وہی دوزخ ہے جسے لوگ جھٹکایا  
کرتے تھے دوزخی لوگ اس کے اندر اور کھولتے ہوئے پانی کے  
درمیان پھر رہے گے)

سوال :- اس کی کیا وجہ ہے کہ فرد کو چار عورتیں کرنے کی اجازت  
دی گئی ہے اور عورت کو ایک سے زیادہ شوہر کرنے کو منع کیا گیا ہے۔



امام :- اگر عورت ایک سے زیادہ شوہر کرے تو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ نطفہ کس کا ہے اور ایسی صورت میں یہ ثابت کرنا دشوار ہو گا کہ مولود کا باپ کون ہے۔ لیکن زیادہ عورتیں کرنے میں یہ خرابی لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ مرد کے لئے چار عورتیں اس لئے جائز ہیں کہ عورتوں کی پیداوار بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہوتی ہے۔

سوال :- لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کے متعلق فرمائیے۔

امام :- رحم مادر میں لڑکے کے لئے مردانہ ہی طرف جگہ ہوتی ہے اور لڑکی کے لئے بایں طرف اگر نطفہ وہاں ہی طرف جاتا ہے تو لڑکا ہوتا ہے اور اگر بایں طرف جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے اکثر عورت دو بچوں سے حاملہ ہوتی ہے پس اگر اس کی دونوں چھاتیاں یکساں بھاری ہوں تو سمجھنا چاہئے اس کے شکم میں دو بچے ہیں اور اگر ایک بھاری ہو تو ایک بچہ ہے اگر دائیں چھاتی بھاری ہو تو لڑکی ہوگی۔ اگر دو بچوں والی حاملہ کی دائیں چھاتی زیادہ ہلکی پڑ جائے تو لڑکے کا حمل ساقط ہو گا اور اگر بائیں طرف کی پڑ جائے تو لڑکی کا اور اگر دونوں ہلکی پڑ جائیں تو دونوں بچے ساقط ہو جائیں گے۔

سوال :- زنا کیوں حرام کیا گیا ہے۔

امام :- اس لئے کہ سلسلہ نسب منقطع ہو جاتا ہے

میراث جاتی رہتی ہے عورت کو یہ نہیں جلتا کہ وہ کس مرد سے حاملہ ہے اور نہ مولود کو جانتا ہے کہ وہ کس کا بچہ ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے فضائل علیہ

ایک دن امام محمد تقی علیہ السلام جن کا سن اس وقت نو برس کا تھا بغداد کے ایک کوچہ میں چند لڑکوں کے پاس کھڑے تھے مامون کی سواری آتے دیکھ کر اور سب تو بھاگ گئے مگر امام علیہ السلام برستور اپنی جگہ پر کھڑے رہے مامون آگے بڑھ کر آپ سے پوچھنے لگا لڑکے تم کیوں نہ بھاگے فرمایا اے امیر راستہ تنگ نہ تھا۔ آپ سے کسی بے قصور کو سزا دینے کا مکان نہ تھا پھر بچوں بھاگتا۔ مامون کو یہ بات پسند آئی دریافت کیا تنہا رہا اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے فرمایا میں محمد ہوں اور امام رضا علیہ السلام میرے پدر و نواسہ تھے۔ مامون کو آپ کے حال پر رحم آیا اور وہاں سے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا وہ اس وقت شکار کھیلنے جا رہا تھا اور چند باز (شکاری پرندے) اس کے ساتھ تھے۔ جب آبادی سے دور نکل گیا تو باز کو ایک تیرت پر چھوڑا وہ غائب ہو گیا کچھ دیر بعد لوٹا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی۔ مامون کو اس پر سخت تعجب ہوا وہ اسے واپسی پر پھر لڑکے کھیتے ہوئے لے اور سب تو بھاگ



تھے مگر امام محمد تقی علیہ السلام دستور کھڑے رہے مامون نے قریب  
 ہا کر پوچھا بتلایے میرے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے فرمایا خدا نے  
 اپنے دریا سے قدرت میں غنی غنی پھلیاں پیدا کی ہیں جن کو  
 بادشاہوں کے بازو شکار کرتے ہیں اور اہلبیت رسول کے  
 زندان کو خبر دیا کرتے ہیں۔ (صواعق مرقوم)

تمام اسلامی  
 تاریخوں میں  
 امام علیہ السلام کا یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ  
 اس مناظرہ کی کیفیت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ یہ مجلس اسٹے  
 بڑے پیمانہ پر رزاردی گئی تھی کہ معززین سلطنت کے علاوہ نوسو  
 رسیاں علما و فضل سے بھی ہوئی تھیں جن پر ایسے بڑے بڑے  
 علماء و فضلا بیٹھے ہوئے تھے جن کی استعداد علمی پر تمام عرب کو  
 ر تھا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو جو خدائی مدرسہ کے  
 تسلیم یافتہ تھے ایسے لوگوں سے کیا خوف ہو سکتا تھا۔

جب لوگوں سے دربار کھرا گیا تو مامون نے حضرت امام محمد تقی  
 علیہ السلام کو بلا کر اپنی بلا برسند شاہی پر بٹھایا اور آپ کے  
 پہلو میں دونوں طرف تکیے رکھوا دئے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم  
 بھی اپنے مقام پر موجود تھے۔ مامون سے کہنے لگے اگر آپ کی  
 مبارزت ہو تو ان صاحبزادے سے چند مسائل دریافت کروں۔  
 مامون نے کہا آپ کی تہذیب کا اقتضا تو یہی ہے کہ آپ اس

بارے میں اپنی سے اجازت لیجئے۔ یحییٰ نے اجازت طلب کی  
 حضرت نے فوراً اجازت دے دی۔  
 یحییٰ :- اگر کسی شخص نے حالت احرام میں شکار کیا ہو تو اس  
 کا کفارہ شرع میں کیا ہے۔

امام :- دم سکر اگر یہ سوال تو بالکل مہمل ہے۔ پہلے یہ  
 بتاؤ کہ اس محرم (احرام باندھنے والا) نے کہاں شکار کیا۔  
 حل میں یا حرم میں وہ محرم عالم مسئلہ تھا یا جاہل مسئلہ۔ خدا شکار کیا  
 تھا یا سہواً۔ آزاد تھا یا غلام۔ بالغ تھا یا نابالغ۔ اس نے پہلی بار  
 شکار کیا تھا یا اس سے قبل بھی کئی بار شکار کر چکا تھا وہ شکار  
 پرندے کا تھا یا چوپایہ کا۔ چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ شکاری اپنے فعل  
 پر مصّر تھا یا نادم، شکار رات کو کیا تھا یا دن میں وہ عمرہ کا احرام  
 باندھے تھا یا حج کا۔

یہ سننا تھا کہ قاضی صاحب سناتے میں آگئے۔ چہرے کا رنگ  
 زرد پڑ گیا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ سکتے کے عالم میں بیٹھے  
 ہوئے تھے۔ جب زیادہ سکوت رہا تو مامون سے نہ رہا گیا اس نے  
 امام علیہ السلام سے کہا یہ تو بتا چکے اب آپ اس مسئلہ پر روشنی ڈالئے۔  
 امام :- اگر کوئی محرم مقام حل میں شکار کرے اور وہ  
 شکار پرند ہو اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے  
 اور اگر اسی قسم کا شکار حرم میں کیا ہو تو اس کا کفارہ دو بکریاں ہے



اگر وحشی چو یاؤں میں کسی بچہ کو حالت حل میں شکار کیا ہے تو  
 اس کے عوض ایک دینہ کا بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ  
 دینا ہوگا۔ اگر وہ شکار بہن ہے تو ایک بکری اس کے  
 ماؤضہ میں دینا ہوگی اور یہ تمام کفارے وحشی جانوروں کے  
 قتل اس وقت دینے ہوں گے جب ان کا شکار حل میں کیا ہو۔  
 لیکن اگر حرم میں کیا ہو گا تو یہ کفارے دو چند ہو جائیں گے۔  
 رجو جانور کفارہ میں دے گا لیکن خود غارتہ کعبہ تک پہنچانا  
 گا اور اگر اس شخص نے احرام حج باندھا ہے تو ان جانوروں  
 منی میں اور اگر عمرہ کا احرام باندھا ہے تو مکہ میں قربانی کرنا  
 گی اور ان کفاروں میں عالم و جاہل سب برابر ہیں عدا شکار  
 کرنے والا گنہگار ہے۔ البتہ حالت سہو میں کوئی گناہ نہیں مرد  
 زاد کے لئے کفارہ خود اس کی ذات پر ہے اور غلام کا کفارہ  
 اس کے مالک پر واجب ہے۔ طفل صغیر پر کوئی کفارہ  
 نہیں۔ بالغ پر کفارہ واجب ہے اور جو کوئی اپنے شکار کرنے  
 نادم ہو اس سے عذاب آخرت دور رہے گا۔ اور اگر اپنے فعل  
 پشیمان نہ ہو تو عذاب آخرت بھی ہو گا۔

یہ جواب سن کر ساری مجلس حیران ہو گئی اور ہر طرف سے  
 بیہوشی و آفریں کی صدا میں بلند ہوئیں۔ ماموں کا خوشی سے عجب  
 لکھا بار بار حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کہتا تھا واللہ یعلم حبت

یعنی رسالت (اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو  
 کہاں قرار دے)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے قاضی کیجی سے فرمایا اب میں  
 بھی تم سے ایک سوال کروں۔ ماموں نے کہا ضرور کیجئے۔

فرمایا۔ بتاؤ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ ایک مرد نے ایک  
 عورت کی طرف دیکھا تو وہ اس پر حرام مٹھی طلوع آفتاب کے  
 وقت حلال ہو گئی۔ ظہر کے وقت پھر حرام ہو گئی۔ عصر کے وقت پھر  
 حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت پھر حرام ہو گئی۔ عشاء کے وقت اس  
 کا کفارہ دے دیا حلال ہو گئی پھر آدھی رات کو طلاق رجبی دیدی  
 حرام ہو گئی۔ صبح کو پھر رجوع کر لیا حلال ہو گئی۔  
 پس ماموں نے لوگوں سے کہا دیکھا تم نے آپ کا علم کس پایہ کا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے فضائل علیہ کا بیان

اور ائمہ کی طرح امام علی نقی علیہ السلام کا علم بھی وہی تھا اور  
 ادب کی طاقت نہ تھی کہ علم و فضل میں آپ کے مقابل ہو سکتا۔  
 ایک بار متوکل کو زہر دیا گیا۔ اسی نے نذرنگی اگر میں اچھا ہو جاؤں  
 تو راہ خدا میں مال کثیر تصدق کروں گا۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو  
 اسی نے مال کثیر کے متعلق اختلاف کیا۔ آخر متوکل نے اپنے غلام کو  
 امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے فرمایا اسی درہم



صدقہ دینے چاہئیں۔ متوکل نے پوچھا کیوں فرمایا خدا اپنے بنی سے فرماتا ہے لقد نصرتکم اللہ فی صوابین کثیرہ (۱) اللہ نے تمہاری مدد کی کثیر مقامات پر، چونکہ حضرت رسولؐ کے غزوات اسی تھے لہذا معلوم ہوا کہ کثیرہ کا لفظ اسی پر بولا جاتا ہے۔ یہ جواب سن کر متوکل بھڑک گیا۔

متوکل نے ایک بار ابن سکیت سے کہا کہ امام علیؑ نفی علیہ السلام سے میرے سامنے ایسا مشکل سوال کر کہ وہ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ اس نے حسب ذیل سوالات کئے۔

ابن سکیت :- خدا نے حضرت موسیٰؑ کو عصا کا معجزہ دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو کوڑا بھی اور مبروص کے اچھا کرنے اور مردوں کو جلانے کا۔ اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن اور سیف کا۔ یہ معجزات جدا جدا کیوں دئے گئے ایک ہی قسم کے کیوں نہ دئے۔

امام :- جس زمانہ میں جیسی ضرورت تھی ویسا معجزہ دیا گیا۔ ہر زمانہ میں ایک ہی معجزہ کیوں کر کارآمد ہو سکتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو گروں کا زور تھا لہذا ان کو عصا اور یار بیضا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں طب کا۔ لہذا ان کو شفا بخشی اور مردہ جلانے کا معجزہ دیا گیا۔ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت و شجاعت کا بڑا زور تھا۔ لہذا اسی کو توڑنے کے لئے قرآن اور رسولؐ کے معجزے دیے گئے۔

ابن سکیت :- اس زمانہ میں جبکہ کوئی معجزہ ناہنیں کیا چیز لوگوں پر حجت ہے۔

امام :- عقل

ابن سکیت :- عقل تو پہلے بھی تھی۔

امام :- لیکن اس پر تمیز کی راہیں تو کھلی ہوئی نہ تھیں۔

ان راہوں کو انبیاء نے کھولا ہے۔

ابن سکیت :- قرآن میں من عندہ علم من الکتاب سے کون مراد ہے۔

امام :- آصف برخیا۔

ابن سکیت :- جب حضرت سلیمان نے اپنے درباروں سے یہ سوال کیا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو بلیقین کو سبخت اٹھا لائے

تو کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ آصف برخیا ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر معلوم تھا تو پھر یہ سوال کیوں کیا۔

امام :- معلوم تھا لیکن وہ اپنی امت کے جن دانش پران کی فضیلت ثابت کر کے یہ بتانا چاہتے تھے کہ ان کے بعد وہی ان کے جانشین ہوں گے۔

ابن سکیت :- یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کو سجدہ کیوں کیا

بابا آپ کے لئے بیٹے کو سجدہ کرنا جائز تھا۔

امام :- وہ سجدہ محض طاعت خدا اور تحیہ یوسف کی غرض سے کیا۔ یہ سجدہ ویسا ہی تھا جیسا کہ ملائکہ نے آدم کو کیا تھا۔

ابن سکیت :-

امام :- وہ سجدہ محض طاعت خدا اور تحیہ یوسف کی غرض سے کیا۔ یہ سجدہ ویسا ہی تھا جیسا کہ ملائکہ نے آدم کو کیا تھا۔

ابن سکیت :-

امام :- وہ سجدہ محض طاعت خدا اور تحیہ یوسف کی غرض سے کیا۔ یہ سجدہ ویسا ہی تھا جیسا کہ ملائکہ نے آدم کو کیا تھا۔



حضرت یعقوب اور ان کے بیٹوں کا سجدہ درحقیقت سجدہ شکر تھا۔  
 یوں کہ اللہ تعالیٰ نے جدائی کے بعد سب کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔  
 ابن سبکت :- خدا فرماتا ہے - فَاَنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا  
 اَبِيْكَ فَاَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَلْقَوْنَ رُبَّ الْكِتَابِ - اس آیت میں شک کی  
 نسبت آنحضرت کی طرف دی گئی ہے کیا حضرت کو شک تھا۔

امام :- ہرگز نہیں لیکن جاہل کہتے تھے کہ خدا نے ملائکہ میں سے  
 کسی نبی کو کیوں نہیں بھیجا تا کہ نہ اسے کھانے کی ضرورت ہوتی نہ  
 پیئے کی نہ بازار میں چلنے کی۔ اس استغناء کا اثر لوگوں پر زیادہ پڑا۔  
 پس خدا نے اپنے نبی کی طرف یہ وحی کی کہ اگر کتاب پڑھنے والے جہالت  
 کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں تو کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ تم  
 سے پہلے جو نبی تھے وہ بھی کھاتے پیئے تھے پس اگر ایسا تھا تو پھر  
 مختارے متعلق شک کرنے کا کیا موقع ہے۔ اس آیت میں شک کی  
 نسبت آنحضرت کی طرف محض اس لئے دی گئی ہے کہ ان لوگوں کو  
 براہ معلوم ہو گیا آیہ مباہلہ میں تم نے نہیں پڑھا فَجَعَلَ لِعِزَّتِ اللّٰهِ  
 عَلٰی الْكَافِرِيْنَ - خدا جانتا تھا کہ اس کا رسول سچا ہے اور دوسرے  
 جھوٹے لیکن اخلاقاً یہ اچھا نہ سمجھا گیا کہ ان کو جو ملا کہا جائے لہذا  
 نبی کو بھی شامل کر لیا۔

متوکل کے سامنے ایک مرد نصرانی کو لائے جس نے ایک مسلمان  
 عورت سے زنا کیا تھا جب متوکل نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ

کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ قاضی یحییٰ بن کثیر نے کہا اب اس پر حد  
 جاری نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسلام نے اس کا گناہ دھو دیا۔  
 کسی نے کہا اے امیر المومنین امام علی نقی علیہ السلام سے بھی اس بات  
 میں معلوم کر لیجئے۔ چنانچہ متوکل نے آپ کے پاس کسی کو بھیج کر یہ  
 مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا اسے یہاں تک مار دو سی جائے کہ وہ مر  
 جائے۔ درباری فقہاء نے اس جواب کو قبول کرنے سے انکار کیا اور  
 دلیل مانگنے لگے۔ پھر حضرت سے پوچھا آپ نے فرمایا اس کے متعلق  
 صاف آیت موجود ہے۔ فَلَا رَادَّ بَاسًا قَالُوا اَمَّا بِاللّٰهِ وَرَعَدًا وَّ  
 كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بَدِشْرِكِيْنَ (جب انھوں نے ہماری نرا کو دیکھا تو  
 کہنے لگے ہم ایک خدا پر ایمان لے آئے اور پہلے شرک سے  
 ہم نے بیزاری اختیار کی )

### حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فضائل علمیہ کا بیان

جس زمانہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام قید تھے لہذا وہ  
 یوں تین سال سے سخت محظوظ رہا تھا۔ ایک نصرانی عالم وہاں پہنچا  
 اور اس نے پانی برسانے کا معجزہ دکھا کر مسلمانوں کے عقائد میں ایک  
 عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہر شخص اس کی روحانی کرامت  
 اور دین عیسوی کی صداقت کا دم بھرنے لگا۔ یہ خبر معتز تک پہنچی  
 اس نے اس کو بلایا اور پانی برسانے کی درخواست کی۔ اس نے



فوراً اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے چند فقرات زبان پر جاری کئے۔ فوراً سیاہ بادل آسمان پر چھا گیا اور بارش شروع ہونے لگی۔ معتمد اس کی کرامت کا معتقد ہونے لگا۔ اور اس کے تمام درباریوں کے ایمان میں لغزش پیدا ہو گئی۔ قریب تھا کہ دین مسیحی اختیار کر لیں۔ غرض کہ معتمد نے یہی مصلحت سمجھی کہ جو ان توں کر کے اس نصرانی عالم کو اپنے دربار سے رخصت کر دے۔ جب وہ چلا گیا تو اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ آخر کسی کی سمجھ میں اس کا حل نہ آیا۔ ایک درباری نے کہا سوائے امام حسن عسکری علیہ السلام کے اس عقدہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔ حکم ہوا ان کو فوراً دربار میں لاؤ۔ صواعق محرقہ میں ہے جب حضرت تشریف لائے تو معتمد نے سارا واقعہ بیان کیا۔ فرمایا یہ کون بڑی بات ہے۔ لوگوں کو چاہئے کل میرے ساتھ شہر سے باہر چلیں۔ میں انشاء اللہ اس شک کو دور کر دوں گا۔ مگر شرط یہ کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ نصرانی راہب بھی بلایا گیا حضرت نے فرمایا اب تم دعا کرو اور اپنی کرامت دکھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کیا فوراً بادل اُگیا۔ آپ نے اپنے پاس والے ایک شخص سے کہا راہب کے دونوں ہاتھ پکڑ لے اور جو چیز اس کے ہاتھ میں ہو چھین لا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ہڈی لے کر آپ کے پاس

آیا۔ حضرت نے اس ہڈی کو مسطحی میں داب لیا اور اس سے فرمایا ہاں اب مینہ برسے تو جانوں۔ اس نے پھر ہاتھ اٹھا کے مینہ برسنا تو درکنار جو بادل پہلے آیا تھا وہ بھی کھل گیا۔ آپ نے معتمد سے فرمایا یہ کرامت اس شخص کی نہ تھی بلکہ اس ہڈی کی تھی جو اس کے ہاتھ میں تھی کیسی نبی کے بدن کی ہڈی ہے جو کسی قبر سے اس کے ہاتھ لگ گئی ہے اس ہڈی کی یہ خاصیت ہے جب کھلی ہوئی آسمان کو دکھائی جائے گی فوراً ابر آکر مینہ برسنے لگے گا۔ یہ سن کر لوگوں کے شکوک دور ہوئے اور بڑے ہوئے ایمان ٹھکانے پر آئے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے علم و فضل کی شہرت تمام ممالک اسلامی میں پہنچ چکی ہوئی تھی۔ دور دور سے لوگ مسائل دریافت کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ ایک بار میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص جس کے علم و فضل کی بڑی شہرت تھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ عورتیں خلقِ مردوں سے کمزور ہوتی ہیں پھر کیا وجہ کہ ان کو میراث میں اکہرا حصہ ملتا ہے اور مرد کو باوجود قوی ہونے کے دونوں اہل انصاف چاہتا ہے کہ اس کے خلاف ہو۔ حضرت نے فرمایا تم نے عورتوں کی ظاہری کمزوری کو دیکھا۔ لیکن



مرد و عورت کے فرائض پر نظر ڈالو۔ مردوں کی مشکلات  
عورتوں سے بہت زیادہ ہیں مردوں پر جہاد واجب ہے  
عورتوں پر نہیں۔ مردوں پر روزی کمانے کا بار ہے عورتوں  
پر نہیں عورتوں کا نان نفقہ مردوں سے متعلق ہے پس ایسی صورت  
میں اگر مرد کا حصہ دیا تو کیا خلاف عدل و انصاف ہوا۔  
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے علم و فضل کا اندازہ اس  
تفسیر سے ہو سکتا ہے جو تفسیر امام حسن عسکری کے نام سے مشہور ہے  
اس تفسیر کی تالیف و ترتیب کسی خاص اہتمام سے نہیں فرمائی ہے  
بلکہ آیات قرآنی کے مستحق آپ کے وہ ارشادات ہیں جو آپ نے  
اپنے دو شاگردوں کو تعلیم قرآن دیتے وقت بیان فرمائے تھے۔ یہ  
دونوں مشہور تم سے تحصیل علم کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے  
حضرت کے ارشادات انہی دو سعادت مندوں نے تفسیر کی صورت  
میں جمع کئے ہیں۔ لحاظ نکات تفسیر، ندرت مضامین اور سلاست  
زبان و بیان وہ ایسی تفسیر ہے کہ بڑی ضخیم کتابیں اس کا مقابلہ  
نہیں کر سکتیں۔ اس کا ترجمہ اردو میں بھی شائع ہو گیا ہے۔  
ایک بار محسنی نے پوچھا یہ جہل ہو آیات بیانات فی  
صدور الذین او تو العلم سے کون لوگ مراد ہیں فرمایا ام ابیہ  
اس طر ایک بار محسنی نے پوچھا من جاء الحسنۃ فذلہ خیر  
منہا میں حسنہ سے اور من جاء السيئة فکبت وجہم میں

سیئہ سے کیا مراد ہے فرمایا حسنہ سے مراد ہے معرفت امام اور اس کی  
اطاعت اور سیئہ سے مراد ہے انکار امامت۔  
اسحاق کنذی عراق کا ایک بہت بڑا فلسفی تھا اس نے ایسی  
کیات جمع کیں جن کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف تھا اور ان  
سے ثابت کرنا چاہتا تھا کہ یہ کلام خدا نہیں۔ ایک بار اس کے  
شاگرد امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں آئے آپ نے فرمایا  
اپنے استاد کو اس کام سے روکو، انہوں نے کہا ہم تو شاگرد  
ہیں ہماری کیا مجال کہ روک سکیں۔ فرمایا اچھا جو بات میں تمہیں  
بتاؤں وہ اس سے دریافت کر لو۔ انہوں نے کہا ہاں یہ ہو سکتا  
ہے۔ فرمایا جب وہ تمہیں ایسی آیات سناے جن کا معمول لفظ ہر  
متضاد ہو تو اس سے کہنا اگر اس کلام کا قائل خدا، تمہارے  
پاس آ کر کہے کہ جو تم نے مجھ سے وہ میری مراد نہیں۔ کلام میرا اور تمہاری  
بتاؤ تم یہ کونسی عقلمندی ہے۔ کبھی تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ  
میں نے ان الفاظ کے ذریعہ سے کس مفہوم کو ادا کیا ہے اگر تم کو  
ایسا موقع نہیں ملا تو پھر خواہ غواہ اپنی طرف سے معنی کیوں لگاتے  
ہو۔ تم کو اپنے کلام کے معنی پیدا کرنے کا حق ہے نہ کہ میرے کلام  
کے۔ میرے کلام کے معنی تو وہی بتا سکتا ہے جس کو میں نے بتایا ہے  
حضرت سے یہ سن کر وہ لوگ اسحاق کنذی کے پاس گئے۔ اور  
یہی بیان کیا وہ کلام سن کر مبہوت ہو گیا اس نے کہا یہ بات



سوائے اہلیت کے دوسرے کے ذہن میں نہیں آسکتی ضرور  
تم کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے بتائی ہے۔ اس کے بعد اس  
نے اپنے تمام کاغذات جلا ڈالے۔

### حضرت امام مہدی آخر الزماں کے فضائل علیہ

بچپن ہی میں عنایت صغریٰ واقع ہو جانے کی بنا پر آپ  
کو اپنے علمی کمالات نمایاں کرنے کا موقع نہ ملا۔ تاہم جو توقعات  
احیہ مقدسہ سے صادر ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علم کا  
سرچشمہ بھی وہی تھا جو دیگر ائمہ کا تھا، آپ کے وہی علم کا ایک بڑا  
ثبوت یہ ہے کہ چاروں وکلاء ناحیہ مقدسہ اپنے زمانہ کے بہترین  
عالم تھے۔ جب ان کو علمی مسائل میں کوئی دشواری پیش آتی تھی تو  
اس کا حل امام زمانہ ہی سے چاہتے تھے اور تسکین حاصل کرتے تھے۔

ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل علیہ کے متعلق جو کچھ ہم نے  
بالاختصار لکھا ہے یہ شے نمونہ از خرد دارے اور قطرہ از بحر ہے  
ہے۔ اگر تفصیل سے موضوع پر لکھا جائے تو کسی ضخیم جلدیں تیار  
ہو جائیں بلکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان حضرات کے فضائل علیہ کا  
اجصاصی ناممکن ہے۔

اس زمانہ کے روشن خیال لوگ جن کے دماغوں میں فلسفہ

اور سائنس کے دقیق مباحث طوفان اٹھا رہے ہیں ممکن ہے ان  
علمی کمالات پر ناک صوں چڑھائیں اور زیادہ وقت کی نظر سے نہ  
دیکھیں اور سطحی باتیں کہہ کر ان کے وزن کو ہلکانانہ کی کوشش کریں۔  
لیکن جو لوگ وقت کے اقتصاد اور اسلام کی ابتدائی حالت پر  
گہری نظر رکھتے ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ اس فساد میں انہی  
حقائق کی نقاب کشائی ضروری تھی۔

ہمارے ائمہ کی یہ تعلیم اس زمانہ سے متعلق ہے جو اب سے بارہ  
تیرہ صدی قبل تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی سے فلسفہ اور سائنس  
نے جو غیر معمولی ترقی دکھائی ہے وہ بہت بعد کی پیداوار ہے۔  
ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جتنے علوم و فنون آج دنیا میں پائے جا رہے  
ہیں اور جن کا انکشاف قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ہمارے  
ائمہ کرام ان سب سے واقف تھے مگر اہل زمانہ میں اتنی اہلیت نہ  
تھی کہ ان حکایت کا قائل کر سکتے تاہم بہت سے امور کو اجلا بیان  
کر دیا ہم اس کو چند مثالوں سے سمجھانا چاہتے ہیں۔

(۱) علم ہیئت کے باہرین نے اپنی تحقیق کو اس حد تک پہنچایا  
ہے کہ ستاروں کی شعاعیں اپنے مختلف اثرات رکھتی ہیں کسی  
کی تاثیر یہ ہے کہ قلب انسانی کے سیلس میں کشادگی پیدا کرتی  
ہیں اور کسی کی متاعین القیاض کا باعث ہوتی ہیں۔ کسی سے  
رگوں میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے خون میں روانی ٹھہرتی ہے۔



کسی کی شعاؤں میں امراض کے جراثیم مارنے کی قوت ہے۔ کسی میں پیدا کرنے کی۔ یہ شعاؤں مختلف چیزوں کو اپنا میڈیم بناتی ہیں۔ ہم صرف اپنا مقصد واضح کرنے کے لئے ایک میڈیم کا ذکر کرتے ہیں۔ جراثیمی کاسٹھورڈاکٹر اسمتھ جو انیسویں صدی کا بہترین جیولوجسٹ یعنی طبقات الارض کا ماہر تھا اپنی قابل قدر کتاب "دی پریشیٹس اسٹون" میں لکھتا ہے کہ جوہرات سینڈ اسٹون کے اندر بننے ہیں کیوں کہ اس پتھر میں مسامات ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے اجرام سادہ کو اپنی قوتیں داخل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ سیاتے ہزار ہا سال جب اپنی شعاؤں ان چٹانوں کے اندر داخل کرتے رہتے ہیں تو مختلف قسم کے جوہرات پیدا ہوتے ہیں جو ان کے میڈیم کہلاتے ہیں مثلاً جو پیٹر (مشرقی ستارہ) یا قوت کو بناتا ہے یہ یا قوت اس کا میڈیم ہے یعنی جہاں کہیں یا قوت پایا جائے گا۔ مشرعی کی شعاؤں اس سے متعلق ہو جائیں گی اور جس قسم سے یا قوت متصل ہوگا یہ شعاؤں اپنے میڈیم کے ذریعہ اس میں داخل ہو جائیں گی اور مشرعی کی شعاؤں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ قلب انسانی کے سیلیس کو کھولتی ہیں اور سیلیس کے کھلنے سے ان میں آکسیجن زیادہ بھرتی ہے اور ذہن و قوت کا باعث ہوتی ہے اور دل کی خوشی اور طاقت انسان سے زیادہ کام بھی کراتی ہے اور خوش اسلوبی سے بھی کراتی ہے اور یہ دونوں باتیں مل کر اس کے لئے

ترقی رزق کا باعث ہوتی ہیں۔

چونکہ ہمارے ائمہ کے زمانے میں علم ہیئت اور علم طبقات الارض کو ایسی ترقی حاصل نہ تھی لہذا عوام الناس کے سامنے اگر اس حقیقت کو بیان کیا جاتا تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا اور وہ تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جاتے لہذا محتاتی کو پس پردہ رکھ کر صرف اتنا کہہ دیا گیا کہ یا قوت کا انگشتری میں بہتا ترقی رزق کا باعث ہے اور اس کے ساتھ ہی انگشتری پہننے کی تاکید بھی فرمادی۔ حدیث میں مومن کی جو علامات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے التخیم بالیمین (دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا) اب مذکورہ بالا تحقیق کو ائمہ کے اس حکم سے اور تاثیر سے مل کر دیکھو اور بتاؤ کہ وہ ان علوم میں کامل تھے یا نہیں۔

۲، علم تشریح ابدان کے ماہرین کا بیان ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں میں سب سے زیادہ طاقت انگشت خضر یعنی چھوٹی انگلی میں ہے جب کوئی سخت جھٹکا لگتا ہے تو زیادہ دیر تک یہی جھنجھلاتی رہتی ہے اب دیکھو اس کا انکشاف ہمارے ائمہ نے کس طرح کیا ہے حکم ہے کہ انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنوں۔ اور چونکہ اس میں جڑا جائے اس کے نیچے کا حصہ خالی ہوتا کہ پتھر کا اتصال بدن سے ہو جائے یعنی جس ستارہ کا وہ میڈیم ہے اس کی شعاؤں براہ راست اپنے میڈیم سے گذر کر بدن کے اندر داخل ہونے لگیں تاکہ جو



نرات اس کے ہوں وہ انسان پر ظاہر ہوں۔

(۳) سائنسدانوں نے اب سیاروں بالخصوص آفتاب کی شعاعوں رنگ بلیوں میں بھر لئے ہیں اور برقی قوت کے ذریعہ سے ان دن کا استعمال جسم انسانی پر کر کے مختلف امراض کے علاج کئے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعاعیں اپنے میڈیم کے ذریعہ سے کیا کرتی ہیں۔ ہمارے ائمہ نے یہ سمجھتے ہوئے جو اہرات کی تاثیرات کو مان فرمایا ہے مثلاً اخلاق کا علاج سنگ لیش کا قلب انسانی سے مال بیان فرمایا ہے یعنی وہ میڈیم ہے اس ستارہ کی شعاعوں کا سے اختلاف کا علاج ہوتا ہے۔

(۴) ایک حدیث میں ہے ایاک من المجذوم کفر لک من سد و مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے شیر کے سامنے سے بھاگتے (۵) باہرین امراض کا بیان ہے کہ جذام کے کیڑوں کی صورت شیر کی سی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ نہ ایسے آلات و ادوات تھے نہ کثافت میں یہ ترقی تھی لہذا حقائق کی پردہ پوشی کر کے صرف ایسی چیزوں کو بیان کر دیا گیا۔

(۵) بجارالانوار کتاب السائر و العالم میں ایسی احادیث ملتی ہیں سے پتہ چلتا ہے کہ فضا کے عالم میں ایسے نجیات ہیں جو گردش کرتے ہیں اور یہ ٹکرا کر روشنی دیتے ہیں جو شہاب نامت کہا جاتا ہے علم ہیئت کا بیان ہے کہ فضا میں چھوٹے بڑے قد کے بے شمار

میٹور گردش کرتے ہیں جو صورت میں گول اور بھتر کی طرح سخت ہوتے ہیں جو ارضی مادے اڑ کر اوپر جاتے ہیں یہ بچا ہو کر ہوا کی گردش سے گول ہو جاتے ہیں۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو رات کے وقت ان کی روشنی نظر آتی ہے۔ دن میں سورج کی وجہ سے نظر نہیں پڑتی۔ یہ لٹے ہوئے میٹور جو زمین پر آگرتے ہیں دنیا کے عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ کلکتہ کے میوزیم میں بھی اس کے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس قسم کی سیکڑوں چیزیں پیش کر کے ثبات کر دیتے کہ ہمارے ائمہ کے سینوں میں علم کا کان یا کون سب کچھ تھا مگر وہ زمانہ جو علمی تحقیقات کا نہ تھا اور عوام الناس کے اذہان حقائق علیہ کی روشنی سے خالی تھے لہذا ان کی توضیحات کا کوئی محل نہ تھا اور صرف ان کا اجالا اظہار بصورت حکم کا کافی تھا۔ اور مقصود اس سے یہ تھا کہ جب کوئی زمانہ علمی تحقیقات کا آئے گا تو لوگوں کو ہمارے ان بیانات کی قدر ہوگی اور پس پردہ اسرار ظاہر ہو جائیں گے۔

ہمارے ائمہ کے زمانہ میں یونانیوں، رومیوں، مصریوں، بابلیوں اور ایرانیوں کے فلسفہ کا زور رکھا اور ان ہی کے نظریات اور معتقدات کا بادل تمام عرب پر چھایا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے توہمات اور قیاسات کا ایک ایسا جال پھیلا رکھا تھا جس میں



عقل النسانی بھٹس کر رہ جاتی ہے۔ ان کے نظریات اس قدر مختلف تھے کہ عقل النسانی کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ ان تمام فلاسفوں نے الہیات، روحانیات، وجدانیات، فطریات و غیریات کے متعلق جو نظریات آپ نے پیش کئے تھے وہ اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف تھے۔ چوں کہ ان کی قدامت کا وزن مسلمانوں کے دل و دماغ پر بہت زیادہ دباؤ ڈالے ہوئے تھا اور وہ ان کو وحشی و الہام سے زیادہ وقت دے رہے تھے اس لئے ہمارے ائمہ کو ان تخیلات فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے دغیر کی بہت زیادہ ضرورت پیش آئی تاکہ مسلمان اگر اہل سے محفوظ رہ جائیں اور اسلام کے صحیح عقائد ان کے دماغوں میں جاگزیں ہو جائیں۔ علمائے یہود و نصاریٰ نے حالاتِ ائیدار علیہم السلام میں بہت کچھ تصرفات کر لئے ہیں اور اسلامی عقائد کو اول بدل کر کچھ سے کچھ کر دیا تھا۔ اس لئے شدید ضرورت تھی کہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ کی جائے۔ لہذا علمائے یہود و نصاریٰ اور مجوس سے ہمارے ائمہ نے ایسے ہی عقائد میں مناظرے کئے اور مسلمانوں کو ان عقائد فاسدہ سے بچایا۔

شریعتِ محمدیہ کو رواج پائے ہوئے تصورِ اہل زمانہ ہوا تھا اور بہت سے مسلمان احکامِ شرعی سے قطعاً ناواقف تھے یا انھوں نے احکام کو غلط سمجھا تھا۔ لہذا ہمارے ائمہ کو آیات کی صحیح تفسیر

اور تاویل بیان کرنے کی ضرورتیں پیش آئیں۔ وحدانیت، عدلی، رسالت، امامت اور قیامت کے متعلق بھی مسلمان اسلام کی صحیح تعلیم سے بہت دور جا پڑے تھے اور ایسے عقائد پیدا کرتے تھے جن کو کوئی دور کا تعلق بھی اسلام سے نہ تھا۔ نتیجہ میں اسلام کی صورت نسخ ہو رہی تھی۔ پس ضرورت تھی کہ ہمارے ائمہ اپنی چیزوں کے متعلق اپنی علمی قوت صرف کریں۔

عقائد کی درستی ہی اسلام کی زندگی اور ایمان کی بقا کی ذمہ دار تھی۔ اگر یہ نہ تھا تو کچھ بھی نہ تھا دنیا کی تمام تحقیقات، سائنس و فلسفہ کے تمام انکشافات لغو اور عبث تھے کیوں کہ اسلام نے دین کو دنیا سے مقدم رکھا تھا۔ ہمارے ائمہ نے اس ضرورت کو اچھی طرح سمجھا اور اسی مرض کے علاج کی طرف متوجہ ہوئے جو انسانیت اور خدا پرستی کی موت تھا۔

غالباً اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ ہمارے ائمہ نے استحکامِ مذہب کے دلائل پیش کرنے پر زیادہ زور کیوں دیا۔ اور اپنی ہدایت و تبلیغ کو اسی دائرہ میں کیوں محدود رکھا۔

اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کے سوالات کے جو جوابات ہم ائمہ کرام کی طرف سے پیش کر چکے ہیں وہ اپنے مقام پر لائقِ مسکت ہیں کہ کسی کو بکشتائی کا موقع نہیں۔ چونکہ ہم برابر علماء سے ایسے جوابات سنتے رہتے ہیں اس لئے ممکن ہے ان کی اہمیت ہماری نظر



میں کم ہو جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سے بہتر جواب کوئی دے نہیں سکتا تھا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسے معقول اور پر زور دلائل ہمارے امہ سے پہلے کسی دوسرے نے پیش نہیں کئے۔ آج شاید وہ اس لئے آسان معلوم ہوں کہ امہ کرام کی تعلیم کی بدولت علم کرام کے درمیان سے وہ جو ایات کی نہ کسی صورت میں ہم تک پہنچ چکے ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کے متعلق بہت کچھ لکھتے۔ اسی پر اکتفا کر کے اب ہم اس بات کو بند کرتے ہیں۔

## باب دوم امہ کرام کے علمی فضائل

علم عمل اسلام کے دو بازو ہیں جن طرح کوئی پرندہ بغیر دو بازوؤں کے پرواز نہیں کر سکتا ہمارے رسول کا ارشاد ہے۔ العلم بنون العلم وبال العلم بدون العلم ضلال (علم بدون عمل وبال ہے اور عمل بدون علم ضلالت و گمراہی) جس طرح علم کے لئے حقائق اشیا سے اور موجودات کے اسباب و علل سے پوری وقفیت کی ضرورت ہے اسی طرح عمل نیک کے ساتھ خصوص اور صدق نیت کی ضرورت ہے کتنا ہی سخت سے سخت عمل نیک کیا جائے لیکن اگر خلوص نہیں تو ایسے اعمال کا پیش خدا کوئی

جز نہیں عاملتہ ناصبہ یصلیٰ ناسرا حامیہ (سخت سے سخت عمل کرنے والے جہنم کی آگ تاپیں گے) ہمارے امہ کا کوئی عمل ایسا نہ تھا جس میں خلوص نہ ہو۔ وہ اعمال خیر ہمیشہ لوجہ اخذ کرتے رہے کسی نے عرض کو درمیان آنے ہی نہ دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں میں جو تیری عبادت کرتا ہوں نہ جنت کی طمع میں نہ دوزخ کا خوف بلکہ میں تجھ کو مستحق عبادت سمجھتا ہوں اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں۔ سب سے بڑا ثبوت۔ اس بات کا کہ ان حضرات کے عمل میں خلوص تھا یہ ہے کہ ان کا ہر عمل بارگاہ الہی میں مقبول تھا اور اس کی قبولیت کی سند قرآن مجید میں موجود ہے۔ احادیث رسول ان کے اعمال کی صداقت کی گواہی دیتی ہیں۔ اب ہم امہ کے علمی فضائل کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔

### (۱) عبادت

بظاہر عبادت کا تعلق اخلاق سے نظر نہیں آتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبادت کو اخلاق سے بہت بڑا تعلق ہے۔ اخلاق کی درستی اور سچی عبادت ہے۔ جو شخص احکام الہی کو بجا نہیں لاتا وہ اپنے اعمال اخلاق کو کیا خاک کمال کے درجہ تک پہنچا سکتا ہے۔ ایک نماز ہی کا تعلق اخلاق سے دیکھ لیجئے۔ خداوند عالم فرماتا ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے)



خشا ومنکر ہی تمام بدکاریوں کی جڑ ہیں۔ جب نماز نے ان خرابیوں سے بچا لیا تو لامحالہ فضائل اخلاق کا لبثہ دنا ہو گا۔ اسی پر اور عبادت کا قیاس کر لیجئے۔ عبادت سے رجوع الہی انداز ہوتی ہے۔ اور رجوع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توفیق الہیہ کا عباد سے تعلق ہو جاتا ہے اور جس پر فیضان الہی ہونے لگے اس کے اخلاقی فضائل کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔ عبادت ہرگز ہرگز اپنے اخلاق کے اچھے نمونے پیش نہیں کر سکتا۔ لہذا ضروری ہوا کہ ہم اپنے ائمہ کی عبادت کا ذکر سب سے پہلے کریں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جیسی پر خلوص عبادت وہ دنیا میں کر سکے کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوتی۔ عبادت ادا کرنے کی چند صورتیں عبادت گزاروں میں پائی جاتی ہیں (۱) رسوا اور کرنا اسی کا کوئی اجر نہیں (۲) ریا سے عبادت کرنا اس کا ثواب تو درکنار الہا عذاب عائد ہوتا ہے (۳) خلوص سے کرنا باعث اجر ہے (۴) وجہان سے کرنا یعنی عبادت میں وجد آنا۔ روحانی کیفیت پیدا ہونا۔ ایسی لذت حاصل ہونا جو دنیا کے کسی کام میں نہ ہو یہ باعث قرب ہے ہمارے ائمہ کی عبادت اسکا نشان کی تھی۔

## حضرت علی علیہ السلام کی عبادت

جب نماز کا وقت آتا تھا آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے متعلق دریافت کیا فرمایا اس عبادت کے ادا کرنے

کا وقت آپ کو پتہ تھا ہے جس کو خدا نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا اور انھوں نے اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اپنی ناتوانی کے باوجود اس کو اٹھالیا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے میں اپنے سوا اس امت میں کسی آدمی کو نہیں جانتا جس نے مجھ سے پہلے آنحضرت کے بعد نماز پڑھی ہو میں نے دوسروں کے عبادت کرنے سے نو برس قبل عبادت کی ہے (ارجح المطالب)

شرح پنج البلاغہ میں ہے کہ جنگ صفین میں دونوں صفوں کے درمیان امیر المومنین کا مصلے پہنچا اور آپ نے ایسی حالت میں نماز ادا کی جب دشمن کے تیرا کرے تھے اور آپ کی دائیں بائیں طرف سے نکل جاتے تھے۔ حضرت کے دل میں ان تیروں کا ذرا بھی خوف نہ تھا۔ نماز کے بعد جب تک اوراد و وظائف سے فارغ نہ ہوئے اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ کثرت نوافل کا یہ حال تھا کہ طولانی سجدوں سے پیشانی مبارک پر ایسا گھٹ پڑ گیا جیسے اوٹ کے گھٹنے پر ہوتا ہے۔ آپ نماز کے وقت ایسے مستغرق ہو جاتے تھے کہ ماسوا کا ہوش نہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ مولانا جامی نے تحفہ الاحرار میں نماز کے وقت آپ کی محویت کا حال یوں لکھا ہے

شیر خدا شاہ ولایت علیؑ  
تیر مخالف یہ تشنہ جا گرفت  
صیقل شرک خفی و مبلی  
روز احوں صفہ ہنجا گرفت



غنجی بچیاں بگل او نہقت  
خضر الماس چون بیتاب گرد  
غرقہ بخوں غنچہ افکار گوں  
گلگل خوش بمصلا چلبہ  
کاین ہمہ گل صیت تہ پائے من  
صورت حاشی چون نمود باز  
کزالم تیغ ندام خبر  
گرچہ ز من نیست خبردار تر

روزہ کا یہ حال تھا کہ حسین کی بیماری میں تین روزے نہ  
کئے اور جب وقت آیا تو تین روزے رکھے۔ ہر روز افطار کے  
وقت سائیں دروازہ پر آیا اور سب گھر والوں نے اپنا اپنا گروہ تان  
اس کو دے دیا اور پانی سے افطار کر کے پھر روزہ رکھ لیا۔ یہ  
تین روزے بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئے اور سورہ دہران  
کی تشریف میں نازل ہوا۔

حضرت علی علیہ السلام عموماً دن کو روزہ رکھتے اور رات کو  
عبادت میں بسر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کہاے کے لوگ ایک ہزار تکبیر  
الاحرام کی آواز سن لیتے تھے۔

اکثر اوقات بحالت ناز وہ محویت طاری ہوتی تھی کہ لوگوں  
کو یگان ہوتا تھا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی عبادت

حضرت امام حسن علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کرتے تھے  
رکعات کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں گزرتا تھا اور ایسے احاح و  
زاری سے نماز پڑھتے اور مناجات کرتے تھے کہ سننے والوں کو یہ  
خیال ہوتا تھا کہ آپ کی کسی عزیز کے درد مفارقت میں رو رہے ہیں۔  
حضرت علی کی طرح آپ بھی بہت زیادہ روزے رکھتے تھے  
آپ نے پچیس حج یا پیادہ کئے آپ فرمایا کرتے تھے مجھے حیا آتی  
ہے کہ اپنے محبوب سے ایسی حالت میں ملوں کہ اس کے گھر تک پیادہ  
نہ جاسکا ہوں۔ ایک بار آپ پیادہ حج کو تشریف لے جاتے تھے  
اور سواری آپ کے ساتھ ساتھ تھی جب چلتے چلتے پیروں پر دم  
آگیا تو کسی نے کہا فرزند رسول جب سواری ساتھ ہے تو آپ سوار  
ہو کر کیوں نہیں جاتے فرمایا سواری میں نے اپنے لئے ساتھ نہیں رکھی  
بلکہ اس لئے کہ اگر کوئی راہگیر راستہ میں تھک جائے تو اس کو سوار کر لوں۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی عبادت

جس مقدس ذات نے حضرت رسول خدا اور حضرت علی مرتضیٰ  
جیسے عبادت گزاروں کی آغوش میں پرورش پائی ہو ان کی صحبت  
سے فیض حاصل کیا ہو اس کی عبادت کا کہنا۔ حضرت کو بکھن ہی سے



عبادت کا بہت زیادہ شوق تھا آپ اکثر حضرت رسول خدا کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے تھے۔ حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت رسول خدا نماز کو کھڑے ہوئے تو ان کے پہلو میں حضرت امام حسینؑ بھی آکھڑے ہوئے جب آنحضرتؐ نے تکبیر کہی تو حضرت امام حسینؑ نے بھی جن کا سن پانچ چھ سال کا تھا تکبیر کہنا چاہی مگر اچھی طرح امانہ کر کے آنحضرتؐ نے دوبارہ تکبیر کہی، امام علیہ السلام نے بھی تکبیر کہی اب بھی اچھی طرح امانہ ہوئی۔ غرض کہ اسی طرح آنحضرت کو سات بار تکبیر کہنی پڑی اسی وقت سے تکبیرۃ الاحرام سے قبل سات تکبیریں کہنا سنت ہے۔

کسی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد اسی قدر کم کیوں ہے۔ فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے حضرت امام حسینؑ نے تمام عمر میں ۵۰ حج پا پیادہ کئے حالانکہ سواریاں آپ کے سامنے ہوتی تھیں۔

آپ کو عبادت الہی کا اس درجہ شوق تھا کہ شب عاشور آپ نے محض عبادت کے لئے مشکل پیر سعد سے اجازت حاصل کی۔ شب عاشور وہ سخت رات تھی کہ دنیا بھر کے مصائب حضرت پر بجوم کئے ہوئے تھے ایسے وقت میں بکمال شوق اور انتہائی خضوع و خشوع سے عبادت کرنا اپنی کا کام تھا اور اس سے بھی زیادہ

سخت وقت نماز ظہر کا تھا۔ فوج مخالف سے تیروں کی بارشیں ہو رہی تھیں اور حسینؑ نماز ادا فرما رہے تھے اس سے بھی بڑھ کر نماز عصر کا وقت تھا ایک زخمی مظلوم کو چاروں طرف سے دشمن گھیرے ہوئے تھے وار پر وار کر رہے تھے اور حسینؑ ایسے وقت میں نماز عصر ادا کر رہے تھے ادا فرما رہے تھے۔ انتہایہ کعبہ ہی میں اپنا سر کٹوا دیا۔

## حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عبادت

عبادت کے وقت امام زین العابدین علیہ السلام پر اس درجہ خوف طاری ہوتا تھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور شروع سے آخر تک یہی حالت رہتی تھی وضو کرتے وقت بھی یہی کیفیت طاری ہوتی تھی ایک بار کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا میں اس وقت ایسے جلیل القدر شہنشاہ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا ہے، تمام مخلوق کی جزا و سزا جس کے ہاتھ میں ہے کون تعجب کی بات ہے اگر اس کے خوف سے میری یہ حالت ہو جاتی ہے۔

ایک بار آپ حج کرنے تشریف لے گئے جب مقام احرام پر پہنچے اور چاہا کہ تلبیہ دے لیکن کہنا کہ اگر کے احرام باندھیں یا ایک آپ کے چہرے کا رنگ میٹھ ہو گیا اور جسم میں لرزہ پڑ گیا۔ آخر آپ نے لبیک نہ کہا گیا لوگوں نے پوچھا آپ نے تلبیہ کو کیوں ترک فرمایا



فرمایا اس خوف سے زبان نہ کھلی کہ میں لبیک کہوں اور خدا کی طرف سے لا لبیک کا جواب آئے۔ یہ کہہ کر آپ اس قدر روئے کہ ہوسے ہو گئے۔ تمام ارکان حج آپ نے ایسے ہی خوف کے ساتھ ادا فرمائے۔ حضرت دن اور رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر نماز میں تھر تھر کانپتے تھے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے پدر بزرگوار جب خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تھے تو سجدہ کرتے تھے جب کوئی آیت تلاوت فرماتے تھے تو عالم <sup>پہنچا</sup> کہ وہ سجدہ واجب ہو یا سنت ضرور سجدہ کرتے تھے۔ جب کسی مصیبت سے نجات ملتی تھی سجدہ کرتے تھے نماز واجب سے فراغت کے بعد سجدہ کرتے تھے۔ سجدہ کا بہت واضح اثر آپ کے مقامات سجدہ پر نمایاں تھا۔ اسی باعث آپ کا لقب سجاد تھا۔ کثرت سجدہ سے آپ کی پیشانی پر دو گھٹے ایسے پڑ گئے تھے جیسے اونٹ کے گھٹنے پر ہوتے ہیں۔ خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی آپ اس وقت سجدہ سے ہی تھے لوگ آگ آگ کا غل بچانے لگے حضرت نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھا دی گئی کسی نے کہا آپ کو آگ لگنے کی بھی خبر نہ ہوئی ایسا غافل کس چیز نے بنا دیا فرمایا آخرت کی آگ نے۔

ایک بار امام محمد باقر علیہ السلام کنوئیں میں گر گئے آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ والدہ امام محمد باقر علیہ السلام نے شور مچایا کہ باین رسول اللہ

آپ کا فرزند کنوئیں میں گر گیا۔ آپ بہت عبادت میں مشغول رہے۔ جب فراغت ہوئی تو کنوئیں پر تشریف لائے اور کنوئیں میں ہاتھ ڈال کر امام محمد باقر علیہ السلام کو نکال لیا اور اپنی بی بی سے فرمایا۔ اگر میں خدا کی طرف سے غافل ہو جاتا تو خدا اس بچے کو صحیح و سلامت مجھ تک نہ پہنچاتا۔

نصف رات گزر جانے کے بعد آپ اپنی عبادت گاہ میں تشریف لاتے تھے اور با واز بلند درگاہ باری میں مناجات فرماتے تھے۔ پھر ورد گارا محجہ کو حشر میں تیرے سامنے کھڑے ہونے کے خوف نے بستر پر کھڑے نہ دیا۔ اور میری آنکھوں سے نیند نکال دی۔ یہ کہہ کر اپنے رخساروں کو زمین پر رکھ دیتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ زمین آسودوں سے تر ہو جاتی تھی حضرت کی یہ حالت دیکھ کر گھروالے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے لیکن آپ ان کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور برابر رو کر یہی فرماتے جاتے تھے۔

خداوند میں یہاں راحت کا طلب گار نہیں بلکہ اس وقت جب تیرے دربار میں بلایا جاؤں اس روز اپنی رحمت کی نظر مجھ پر رکھنا۔ طاووس یمانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو زانہ حج میں دیکھا کہ آپ حجر اسود کے پاس اپنے رخساروں کو خاک پر رگڑ رہے ہیں اور خدا سے مناجات کر رہے ہیں۔



خداوند! ترا بندہ تیرے گھر آیا ہے۔ تیرا مسکین تیرے گھر آیا ہے۔ تیرا فقیر تیرے گھر آیا ہے۔ تیرا سائل تیرے گھر آیا ہے۔  
حضرت فرمایا کرتے تھے دنیا میں تین قسم کے لوگ عبادت کرتے ہیں اول خوف سے ان کی عبادت غلاموں کی سی عبادت ہے۔ دوسرے غرض سے ان کی عبادت تاجروں کی سی ہے تیرے منکر کے ساتھ یہی درحقیقت مردانِ خدا کی عبادت ہے۔

آپ اپنے بدن کو حد درجہ مشقت میں ڈالتے تھے۔ لیکن امام محمد باقر علیہ السلام نے عرض کی آپ اتنی شدید ریاضت کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو معلوم ہیں۔ فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ میں خدا کی نزدیکی کا شرف حاصل کروں۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی عبادت

اپنے در بزرگوار کی طرح امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی عبادت کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اکثر راتیں آپ کو بیداری اور ذکر الہی میں گذر جاتی تھیں۔ دن کا زیادہ وقت بھی آپ کا عبادت ہی میں گزرتا تھا۔ یہی حال روزے کا تھا اکثر اوقات آپ روزہ ہی سے رہتے تھے۔ محرابِ عبادت میں جب کھڑے ہوتے تو خوفِ خدا سے بدن تھر تھرا کا پتا۔ جب تک کسی مجلس میں بیٹھے زبان پر ذکر الہی جاری رہتا۔ ایک بار کسی نے عرض کی آپ اس قدر کیوں

عبادت کرتے ہیں یسن کر آپ رونے لگے فرمایا اُف تم اس کو کثرتِ عبادت کہتے ہو۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ بلحاظِ مہود کی جلالت و شان کے یہ کچھ بھی نہیں۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عبادت

آپ کی عبادت کی شان دیکھ کر لوگ حیران ہو جاتے تھے چنانچہ ایک بار ابو حنیفہ نے جو آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو سکتے سا ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا اے ابو عبد اللہ آپ کی نماز کسی قدر سخت عبادت ہے۔ فرمایا کیا انھیں معلوم نہیں کہ نماز تمام عبادتوں سے زیادہ قربِ خدا کا باعث ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رکوع و سجود کے ذکر کو اس قدر طول دیتے تھے کہ بعض اوقات ساٹھ ساٹھ بار سے زیادہ ذکر فرماتے تھے۔ راوی کہتا ہے ایک روز میں امام علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے گیا۔ آپ مسجد رسول میں سجدہ میں پڑے تھے۔ میں اس خیال سے بیٹھ گیا کہ آپ نماز سے فارغ ہوں تو دریافت کروں۔ آپ نے ذکرِ سجدہ کو اس قدر طول دیا کہ میں بیٹھے بیٹھے اُٹھا گیا سوچا کہ کسی تدبیر سے اپنی موجودگی کا اظہار حضرت پر کروں یہ ترکیب ذہن میں آئی کہ میں بھی سجدہ کروں اور ذکرِ سجدہ کو باوازِ بلند کروں شاید میری آواز سن کر آپ پوچھیں۔



جناحہ میں نے نماز شروع کی اور سجدہ میں جا کر زور زور سے ذکر سجدہ کرنے لگا۔ جب تین سو ساٹھ مرتبہ سے زیادہ رکعت مجھے محسوس ہوا کہ حضرت نے اپنی نماز تمام کر دی ہے میں نے بھی نماز کو ختم کیا اور امام کی خدمت میں عرض کی حضور اگر نماز کی یہی صورت ہے تو ہماری نمازیں تو اس کے مقابل کچھ بھی نہیں۔ فرمایا ہمارے شیعوں سے قلیل و کثیر سب قبول ہے۔

ایک روز حضرت کوفہ کے باغوں کی طرف سے گذر رہے تھے چلتے چلتے ایک درخت خرما کے نیچے بیٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہوئے اور ذکر سجدہ کو اتنا طول دیا کہ میں نے پانچ سو مرتبہ اس ذکر کو سنا۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عبادت

فصل الخطاب میں ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آفتاب نکلنے کے وقت سجدہ خالق میں جاتے تھے اور اس سجدہ کو اتنا طول دیتے تھے کہ زوال کا وقت گذر جاتا تھا۔ آپ کثرت عبادت سے اس قدر لاغر ہو گئے تھے کہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکتے تھے مصلیٰ پر صرف ایک سفید کپڑا بٹا نظر آتا تھا۔ آپ کی کثرت عبادت دیکھ کر ہارون رشید نے ایک بار کہا آپ خاندان بنی ہاشم کے رہبانوں اور زاہدوں میں سے ہیں۔

جس زمانہ میں آپ قید خانہ میں تھے تو آپ کا یہ معمول تھا کہ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو طلوع آفتاب تک اور اوّل ظہر میں مشغول رہتے اس کے بعد سجدہ میں جاتے اور زوال آفتاب تک اسی حالت میں بیٹھے رہتے بعد زوال سجدے سے سر اٹھاتے۔ اور ظہر کی نماز میں مشغول ہو جاتے۔ دن بھر عبادت میں گذرتا۔ رات کو گھڑی دو گھڑی کو سو جاتے ورنہ تمام رات عبادت میں بسر کرتے۔ ظہرین کی نماز سے فارغ ہو کر کبھی سجدہ میں جلتے اور غروب آفتاب تک اسی حالت میں رہتے۔ شام ہوتے ہی نماز مغرب کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر تک تعقیبات پڑھتے کہ عشاء کا وقت آ جاتا۔ عشاء کے بعد تعقیبات پڑھنے لکھتے۔ جب اس سے فراغت ہوتی تو افطار صوم فرماتے اور تھوڑا سا کھانا کھا کر سجدہ شکر کرتے پھر قحطی دیر سونے کے بعد ناز شب میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ہارون رشید نے ایک بار اپنی ایک نہایت حسین و جمیل کنیز کو قید خانہ میں بھیجا اور کہہ دیا کہ جس طرح بنے امام علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرے وہ فتنہ روزگار قید خانہ میں داخل ہوئی اور جس قدر کوشش کر سکتی تھی کئے۔ مگر امام علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئے۔ آپ کی کثرت عبادت اور بارگاہ باری میں مناجات کا ایسا گہرا اثر اس پر ہوا کہ وہ اپنے آپ کو



تسبیح ہوئی اور عبادت الہی میں مشغول ہو گئی۔ جب ہارون کو اطلاع ہوئی تو اس نے بلایا اور کینز سے کہا تو نے اپنا ارادہ پورا کر لیا نہ کیا۔ اس نے کہا اے ایسٹن۔ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے اس کی رائے میں گئی تھی اس لئے کہ اسے اپنی طرف کھینچوں لیکن اس کی روحانیت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کے بعد وہ ہرگز گوسہ نشین ہو گئی اور تمام عمر عبادتِ خدا میں گزار دی۔

## حضرت امام رضا علیہ السلام کی عبادت

امام رضا علیہ السلام بھی بسا اوقات رات دن میں اپنے جدِ رگوار امیر المومنین علیہ السلام کی طرح ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ زوال سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے آخر روز میں اپنی عبادت کو ختم کر دیتے تھے۔ ورنہ اکثر اوقات تکبیر پر تشریف رکھتے تھے اور بہت زیادہ فکر مند اور مفکر دکھائی دیتے تھے نماز صحیح ادا فرما کر تعقیبات میں مشغول ہو جاتے اور ذکر الہی کو اتنا طول دیتے کہ چاشت کا وقت ہو جاتا اس وقت سجدہ سر میں جاتے اور آفتاب بلند ہونے تک برابر سجدہ میں پڑے رہتے اس کے بعد لوگوں کو وعظ و پند فرماتے زوال کے قریب مصلے پر تشریف لے جاتے اور زوال تک نوافل پڑھتے رہتے اس کے بعد نماز ظہر ادا فرماتے پھر تعقیبات کو بہت طول دیتے

اس کے بعد سجدہ شکر بجا لاتے اور سو مرتبہ شکر اللہ کہتے غرض کہ اسی طرح عبادت کا سلسلہ نصف شب تک جاری رہتا۔ تھوڑی دیر سوتے پھر نماز شب پڑھتے۔

مومن نے بہت چاہا کہ آپ کو معالارہ سلطانیت میں الجھا کر کثرت عبادت سے باز رکھے مگر حضرت کیسے رک سکے تھے۔

ایک روز مومن نے کہا یا بن رسول اللہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کثرت عبادت کی بنا پر ہلاک نہ ہو جائیں فرمایا ایسی موت سعادت الہی ہے۔ مومن نے کہا آپ نے کون ایسے عمامہ کئے ہیں جن کے بخشنا سے کئے آپ رات دن عبادت کرتے ہیں۔ فرمایا یہ گناہ بخشنا سے کئے گئے ہیں بلکہ اس کی نعمات کا شکر ہے۔ میری بندگی کا تقاضا ہے۔

## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عبادت

امام محمد تقی علیہ السلام کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کوئی اگر آپ کا ذکر الہی سے خالی نہ تھا۔ ایک بار آپ حج کرنے تشریف لے گئے۔ آپ کی کثرت عبادت کو دیکھ کر تمام حاجیوں نے دانتوں میں انگلی ڈال لی۔ فقیر بھی حج کرنے کے لئے آیا ہوا تھا اس کے ارکان سلطنت نے امام محمد تقی علیہ السلام کی عبادت اور کمالِ خضوع و خشوع کا ذکر کیا۔ اور کہا ہم نے خدا کا ایسا عبادت گزار دیکھا کہ آج تک ہمیں دیکھا آپ تمام رات یاد الہی میں روتے تھے اور جب لوگ نماز کرتے تھے



آپ پر اور زیادہ رقت طاری ہوتی تھی اور آپ فرماتے میں نے اس خالق جلیل کی شان شایاں کب عبادت کی ہے جو مجھ سے کم کرنے کے خواہشمند ہو۔

ایک بڑا ثبوت آپ کی کثرت عبادت کا یہ ہے کہ آپ کی زوجہ ام الفضل و خیر خلیفہ مامون نے ایک شہر کا سنی خط میں اپنے باپ کو لکھا تھا آپ نے میرا عقد ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو رات بھر محراب عبادت میں کھڑا رہتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے نہ اسے ذیب و زینت کا شوق نہ اس کے گھر میں کوئی عیش و راحت کا سامان۔ سلاطین کی لڑکیاں ایسے فقیر پسندوں کے ساتھ اپنی زندگی بسر نہیں کر سکتیں۔

### حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی عبادت

امام علی نقی علیہ السلام نے بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح ذکر الہی کے عاشق تھے جس زمانہ میں متوکل نے آپ کو مدینہ سے اپنے دار السلطنت میں بلا کر حضرت کو قید کیا ہے۔ اس نے زندان کا محافظ زرقانی نامے ایک ایسے سنگدل انسان کو سین کیا تھا جو کسی رحم کرنا جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن وہ بھی آپ کے مکارم اخلاق اور شب و روز کی عبادت گزاری دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور رفته رفته آپ کا حد درجہ معتقد اور سبی خواہ بن گیا۔ متوکل نے جب

اس کی عقیدت کا حال معلوم کیا تو ایک روز بلا کر کہنے لگا میں نے تجھے اس لئے معین نہیں کیا تھا کہ تو اپنے قیدی سے بخلی و مہاراً پیش آئے۔ اس نے کہلائے امیر یہ شخص روحانی عظمت میں مجھے فرشتہ سے بھی بالاتر نظر آ رہا ہے جب سے میری حراست میں ہے میں نے کبھی دن میں کھانا کھاتے نہیں دیکھا اور نہ کسی شب کو پوری رات سوئے پایا۔ جو شخص تمام رات عبادت خدا کرتا ہو اور ہر روز روزہ رکھتا ہو کسی امر کا طالب نہ ہو، کسی کی برائی نہ کرتا ہو۔ ذکر خدا جس کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہو تا میں اس پر کس دل سے ظلم کروں اور ظلم کر کے کس طرح اپنی عاقبت برباد کروں اے امیر وہ خوف خدا میں اس قدر گڑ گڑاتا اور اتنا زیادہ روتا ہے کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ قرآن اس خوش اسحانی سے پڑھتا ہے کہ سننے والے کا دل بچ کر کانوں کو موم ہو جائے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آدمی نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہے جسے تو نے میری حفاظت میں دے دیا ہے۔ میں نے بہت سے عبادت گزار بندے دیکھے مگر ایسا عبادت کرنے والا کوئی نہیں پایا۔

### حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عبادت

امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی عبادت الہی کا حد درجہ شوق تھا۔ اس قید خانہ میں جہاں طرح طرح کی تکلیفیں لگائی جاتی تھیں۔



جہاں نازہ ہوا میسر نہ تھی جہاں دو سال متواتر آپ کو ٹھنڈا پانی اور  
دور دلی سے زیادہ کھانے کو نہ ملا۔ وہاں آپ کی عبادت کا یہ حال تھا  
کہ تمام تمام رات عبادت الہی میں گزار دیتے تھے۔ انہیں ایام میں  
آپ روزہ سے ہوتے تھے معتبر کے غلام آپ کی کثرت عبادت کو  
دیکھ کر سکتہ میں رہ جاتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کاش  
ہمیں اس برگزیدہ باریکی کی خدمت کرنے کا آزادی سے موقع مل  
جاتا۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل علوی کہتے ہیں کہ نبی عباس میں سے کچھ  
لوگ صالح بن وصف کے پاس گئے۔ جس کے یہاں امام علیہ السلام  
قید تھے اور کہتے تھے اس کے ساتھ یہ سختی پیش آنا اور ذرا رحم  
نہ کرنا۔ وہ کہنے لگا میں نے تو ایسے دو شخص کو مقرر کیا تھا جو  
نہایت بے رحم تھے مگر اس قیدی کی کثرت عبادت، خدا پرستی اور  
روحانی قوت کو دیکھ کر وہ اس کے ایسے **مطلب** ہو گئے کہ قدم چومنے  
لگے۔ اور رات کو اس کے ساتھ عبادت میں مصروف رہنے لگے۔  
اس کے بعد صالح نے ان دونوں غلاموں کو قید خانہ سے بلایا  
اور کہنے لگا تمہاری یہ کیا حالت ہے انھوں نے کہا ہم کس  
حالت کو بیان کریں اپنی یا اس شخص کی جو دن کو روزہ رکھتا ہے  
اور تمام رات عبادت خدا میں بسر کرتا ہے۔ سوائے عبادت کے  
بے دوسرا کام ہی نہیں۔ جب لوگ اس کے نورانی چہرہ کو  
دیکھتے ہیں تو ایسا رعب طاری ہوتا ہے کہ ہم کوئی بے ادبی

کر ہی نہیں سکتے وہ ایسا عابد ہے کہ اس نے ہم جیسے سیدہ کاروں  
کو عابد بنا دیا۔

## حضرت امام مہدی علیہ السلام کی عبادت

آپ کا سن جب پانچ سال کا تھا اسی وقت سے عبادت الہی کرتے تھے۔  
غیبت صغریٰ کے زمانہ میں جب حضرت کے نواب آپ کی خدمت میں  
باریابی کا شرف حاصل کرتے تھے تو ہمیشہ آپ کو عبادت میں مشغول  
پاتے تھے۔ ابو الحسن علی بن محمد سمری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز  
حضرت حجت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی فرزند رسول میں جب  
حاضر خدمت ہوتا ہوں مشغول عبادت پاتا ہوں، فرمایا پھر تم مجھ سے  
کیا امید رکھتے ہو۔ اے ابو الحسن ہم لوگ اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں  
کہ اپنی زندگی ذکر الہی میں بسر کریں۔

ہم نے اپنے ائمہ کی عبادت کے متعلق نہایت ہی اختصار سے  
کام لیا ہے۔ ورنہ ان حضرات کی ہر حرکت اور ہر سکون عبادت تھا  
احکام الہی میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر ان حضرات نے عمل  
نہ کیا ہو، چونکہ نماز و روزہ بہترین عبادات میں سے ہیں اس لئے  
ہم نے خصوصیت سے ان کا تذکرہ کر دیا ہے ورنہ کس کی  
طاقت ہے کہ ان کا تذکرہ کر سکے۔



شاید کوئی اس مقام پر کہے کہ بہت سے ادبیار ائمہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے عبادت الہی میں اپنی عمریں گزار دی ہیں۔ پھر ائمہ اہلبیت کو اس معاملہ میں دوسروں پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت میں وجہ فضیلت چند طریق سے پیدا ہوتی ہے۔

(۱) کمیت۔ یعنی عبادت کی مقدار یعنی دس روزہ رکھنے والا ایک روزہ رکھنے والے سے افضل ہے۔ سو رکعت پڑھنے والا یکاس رکعت پڑھنے والے سے افضل ہے۔ اس کمیت کے لحاظ سے کوئی شخص بھی ائمہ اہلبیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی نمازوں کی ان کے روزوں کی ان کے حجوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اسلام میں آج تک کوئی خدا رسیدہ انسان اس کا معی نہیں ہوا کہ اس کی ایک وقت کی نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔ نہ کوئی یہ دعویٰ کرے والا نظر آتا ہے کہ مدت العمر میں نے تمام تمام رات نماز پڑھی ہے اور ہر روز روزہ رکھا ہے۔

(۲) کیفیت عبادت یعنی ایک عمل کو اس کے پورے آداب کے ساتھ بجالائے اور دوسرا شخص اس کے بجالانے میں بے پردائی کرے گو یہ دونوں شخص ایک ہی عمل میں شریک ہیں لیکن پہلے شخص کو فضیلت حاصل ہے۔ اس اعتبار سے بھی ہمارے ائمہ کی عبادت سب سے بہتر تھی کیونکہ پورے آداب کے ساتھ ہر عبادت کو بجالاتے

تھے آج تک کسی نے بھولے سے بھی ان کی کسی عبادت پر انگشت نہائی نہیں کی۔ اگر ان کے کیفیت عمل میں کوئی کوتاہی ہوتی تو خدا و رسول کی طرف سے ان کو پر عمل پر فوقیت کی سند حاصل نہ ہوتی۔

(۳) ماہیت عمل یعنی ایک شخص کے عمل کی ذات دوسرے شخص کے عمل کی ذات سے افضل ہو جیسے فرائض کے ادا کرنے والے کے عمل نوافل ادا کرنے والے کے عمل پر فضیلت ہے۔ اس لحاظ سے بھی اہلبیت کا عمل سب سے بہتر تھا کیونکہ انہوں نے ترک اوئی تک کو سمجھی اپنے عمل میں راہ نہ دی۔ اور واجب و نوافل میں سے کبھی کسی چیز کو ترک نہ کیا، ہر عمل کو پوری احتیاط سے بجالائے۔

(۴) کمیت عمل یعنی دو شخصوں کا عمل ایک ہی ہو لیکن دونوں کے اغراض مختلف ہوں۔ مثلاً ایک شخص بزم رضائے الہی عمل کرتا ہو اور دوسرا دکھانے کے لئے۔ چونکہ اہلبیت علیہم السلام کے ہر عمل کی غرض اصلی رضائے الہی کا حاصل کرنا تھا۔ کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہوتی تھی محض حباً للہ ہر کام کرتے تھے لہذا ان کے عمل کو ہر صورت میں افضلیت حاصل تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کی تعریف میں آیات قرآنی نازل نہ ہوتیں۔

(۵) تقدیم و تاخیر زماں مثلاً ایک شخص نے بچپن ہی سے عبادت باری تعالیٰ کی ہو اور دوسرے نے عمر کی ایک مدت گزار کر ہمارے ان کے جو نیک عہد طفلی ہی سے برابر عبادت کرتے رہے لہذا اس منزل



پر بھی ان کو دوسروں سے فوقیت حاصل رہی۔

(۶) خضوع و خشوع۔ یعنی ایک شخص پوری توجہ قلب اور یقین کمال کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور دوسرا اس خصوصیت سے محروم رہ کر ظاہر ہے کہ اہلیت کا سا یقین ماجار برہالبنی کے متعلق کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا اور عبادت میں ان کا سا خضوع و خشوع کسی میسر ہی نہ آیا۔

تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ ہمارے ائمہ کرام اپنے علم و فضل اور عبادت و ریاضت میں تمام انبائے روزگار سے افضل و برتر تھے اور کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کسی حالت میں بھی ان سے سرزد نہیں ہوا۔ لہذا ایسی صورت میں ان کی عبادات کا مرتبہ بھی دنیا والوں کی عبادتوں سے ہمیشہ افضل و برتر رہے گا۔

## (۲) شجاعت

ہم ہر اس شخص کو شجاع کہہ دیتے ہیں جو اپنے کو کسی خطر میں ڈال کر اپنی ذات کو یا کسی دوسرے کو اس خطرہ سے بچائے۔ ہر وہ شخص جو اپنے دشمن پر غالب آتا ہے ہم اس کو شجاع کہتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو فتوحات ملکی کا میاب ہوتا ہے ہم اس کو بہادر کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شجاع کی فضیلت اپنی خصوصیات

کے لحاظ سے کچھ اور ہی چیز ہے وہ ایک سطحی خطہ ہے بال سے باریک اور تنواری دھار سے زیادہ تیز انسان کے قدم کی دُراسی نغزیش اس کو جادہ اعتدال سے ہٹا دیتی ہے اور بجائے فضیلت کے اس میں رذیلیت پیدا ہو جاتی ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فضا سے رشا بہ ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقتاً ان کا شمار فضائل میں نہیں بلکہ شجاعت فضیلت ہے لیکن اس سے اوپر کا ہنور ہے جس کو اجڑیں کہتے ہیں یعنی بے سوچے سمجھے خطرات کی طرف اقدام کرنا یا اقدام جس قدر اوپر کو زیادہ بڑھتا جائے گا۔ اسی قدر جادہ فضیلت سے ہٹتا جائے گا۔ دوسرا خطہ نیچے کا ہے جو بزدلی کہلاتا ہے یہ بھی جس قدر بڑھتا جائے گا فضیلت شجاعت سے دوری ہوتی جائے گی اصلی شجاعت وہی کہلاتا ہے گی جس میں نہ ہنور ہو نہ جس ہمارے ائمہ نے جن جن مواقع پر اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرایا وہ افراط و تفریط دونوں سے پاک دھان تھی۔ دنیا کے زیادہ تر دلیر ایسے ہی پائے جاتے ہیں جو ہنور سے کام لیتے ہیں اور جنگ وغیرہ کے صحیح نتائج پر ان کی نظر نہیں ہوتی لہذا وہ اپنے اقدام میں اس فضیلت شجاعت سے دور ہو جاتے ہیں شجاعت کے یہ معنی نہیں کہ انسان ہر نامناسب طبع موقع پر سہیہ زور دی ہی دکھائے اور تنوار لے کر خطر اہری ہو جائے بلکہ واقعات کے نتائج پر غور کر کے اپنے کو آئندہ خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے اگر تنوار کو قیام میں کر لے تو یہ بھی صفت



شجاعت ہوگی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تو ال تا خشن  
کہ جانا سپر باید انداختن

ہمارے امیر چونکہ شجاعت کا مفہوم جاننے والے تھے لہذا انھوں نے جہاں شمشیر زنی کا موقع سمجھا وہاں نبرد آزما کی اور جہاں صبر و سکون سے کام کرنے کا محل پایا وہاں تیغ کو نیام میں رکھ کر اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرایا اس کو ہم صبر یا بردی نہیں کہہ سکتے تھیں کہ بردل وہ کہلاتا ہے جو شخص کمزوری قلب کی بنا پر اپنے دشمن کا ظلم اپنے اوپر برداشت کرتا ہے نہ کہ وہ کسی شخص جو مقابلہ کے لئے اپنی قوتوں کو آمادہ پاتا ہے۔ لیکن عواقب امور پر نظر کر کے مبصحت وقتی مقابلہ سے رک جاتا ہے یہ ایسے باریک فرق ہیں کہ عوام الناس کے اذہان کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی۔

ملکی فتوحات کی طمع میں مال و زر کی ہوس میں بے گناہوں کی گردنیں کاٹنے والا۔ لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے والا۔ کمزوروں کو ڈرا دھمکا کر اپنی اطاعت کا اقرار کر لینے والا۔ اسلامی زاویہ نظر سے شجاع نہیں کہلاتا بلکہ مہمور کہلاتا ہے۔ اسلام کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے اسلامی تمدن میں امن برقرار رکھنے کے لئے بے قصوروں کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے

محارم دین کی نگہداشت کے لئے جو اپنی عسکری قوت کو کام میں نہیں لاتا۔ جنگ کی طرف اقدام نہیں کرتا وہ اخلاق اسلامی کی رو سے بہادر ہے شجاع ہے بردل نہیں، بہر حال اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم اپنے امیر کی شجاعت کو بیان کرتے ہیں۔

### امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت

امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت کا حال اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ تمام مسلمان مومنین کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ علیؑ جیسا بہادر آج تک مادر گیتی نے پیدا ہی نہیں کیا۔ روزِ احد ما بین زمین و آسمان کسی ہاتھ غیبی کا یہ کہنا لا فتی لا علی لا سیف الا ذوالفقار۔

جنگِ خیبر میں رسول کا ان کو کرار غیر فرار کا لقب دینا قرآن میں کا انھم بنیان موصوص ان کی تعریف میں آنا اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ علیؑ سلام بے مثل بہادر تھے آپ کی شجاعت کے مظاہرے ایک بار نہیں سیکڑوں بار ہوئے اور ہر مرتبہ اپنی نظیر آپ ہی رہے۔ مستطرف میں مصعب بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ لڑائیوں میں بڑے چوکنا رہتے تھے اور اس کی گھائیں خوب جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ کوئی آپ پر چوٹ لگا سکے۔ آپ کی زہر صرغ سینہ پر ہوتی تھی لشت پر نہیں کہیں نہ کیا



کیا آپ کو اس کا خوف نہیں کہ دشمن پیچھے سے حملہ کر دے۔ فرمایا  
اگر میں دشمن کو پیچھے سے آنے دوں تو خراجے باقی نہ رکھے۔  
خزانہ الادب میں ہے کہ جب عدی بن حاتم آنحضرت کی خدمت میں  
شرقیاب ہوا تو باتوں باتوں میں کہنے لگا یا رسول اللہ ہم لوگوں  
میں ایک بڑا شاعر اور ایک بڑا سخی اور ایک بڑا شہسوار اور بہادر  
گزر رہا ہے۔ حضرت نے پوچھا وہ کون ہیں۔ اس نے کہا ہمارا اشعر الناس  
امیر القیس بن حجر ہے اور بڑا سخی حاتم بن سعد یعنی میرا باپ اور  
بڑا بہادر عمرو بن معدیکرب ہے۔ حضرت نے فرمایا ایسا نہیں ہے  
اشعر الناس خنساء بن عمرو کی بیٹی ہے اور اسخی الناس محمد رسول اللہ  
ہے اور اسخج الناس علی بن ابی طالب ہے۔

فتیہ نے مہاروف میں لکھا ہے کہ جب صفین کا جھگڑا بڑھ گیا تو  
حضرت علیؑ نے معاویہ کو اپنے سے لڑنے کے لئے بلایا اور فرمایا آؤ  
ہم دونوں مقابلہ کریں تاکہ ایک کے قتل ہو جانے کے بعد مسلمان  
محفوظ ہو جائیں۔ عمرو غاص نے کہا علیؑ نے انصاف کی بات کہی ہے  
معاویہ نے کہا تو مجھے ابوالحسن سے لڑنے کے لئے کہتا ہے حالانکہ  
تو جانتا ہے کہ وہ کھٹو کھٹو والا بہادر ہے اس کا مقابل اس کے  
سامنے سے کیج کر جا ہی نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے تو میرے  
بعد شام کا وژیر ہونا چاہتا ہے۔

ریاض النضرہ میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک شخص نے

ان سے پوچھا کیا جناب امیر علیہ السلام جنگ صفین میں بطور خود بھی  
لڑے تھے۔ ابن عباس نے کہا میں نے ان کی مانند کسی کو اپنی  
جان جو کھوں میں ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا میں ان کو دیکھا کرتا  
تھا کہ لڑائی میں ننگے سر نکلا کرتے تھے ایک ہاتھ میں عمامہ ہوتا تھا  
اور دوسرے میں تلوار۔ ان کو اپنی شجاعت پر اتنا ناز تھا کہ ان  
کے دل میں یہ خیال بھی نہ آتا کہ دشمن ان کے سر پر وار کر سکے گا۔

حیوة السیوان میں جناب امیر علیہ السلام کی تلوار کی کاٹ کے  
معلق لکھا ہے کہ ان کی ضرب میں ایک باری یوراکاٹ ڈالنے  
والی تھیں۔ اگر سر پر پڑتی تھیں تو تیغے لگاتے نہ کھتی تھیں  
اور اگر گردے پر پڑتی تھیں تو دوسری گردے تک اڑا دیتی تھیں۔

جنگ جمل میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند  
محمد ضنیہ کو جنگ کرنے کی جو ہدایت فرمائی تھی اس سے ان کی  
شجاعت اور ان کے طریقہ جنگ پر زبردست روشنی پڑتی ہے  
آپ نے فرمایا بیٹا پہاڑ جگہ سے ہٹ جائے مگر مجھ سے قدم  
جگہ سے نہ ہٹیں دانت پر دانت جھا کر لڑنا اور راہ خدا میں  
سردینے کی پروا نہ کرنا۔ دشمن کی آخری صف پر جا پڑنے کے  
لئے نگاہ جائے رہنا۔ زمین پر بیخ کی طرح اپنے قدم گاڑ دینا۔

شب ہجرت جس شجاعت کا مظاہرہ جناب امیر علیہ السلام نے  
کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خون کے پیا سے دشمنوں کے محاصرہ میں



فرش رسول پر بڑے اطمینان سے سو رہا انہی خباب کا کام تھا  
ہجرت کے بعد جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو کوئی غزوہ  
ایسا نہیں ملا جس کے علمدار خباب امیر نہ ہوں اور جس کی فتح کا  
سمہر آپ کے سر نہ بندھا ہو۔ اگر ہم تفصیلاً ہر غزوہ کا بیان  
کریں تو بہت طول ہو جائے گا۔ جس سے ہم کو جس سے ہم کو  
اپنے مقصد تالیف کے قوت ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ  
باب امیر علیہ السلام سے جہاں کہیں اپنی بے نیاز شجاعت کا مظاہرہ  
کیا وہ محض حمایتِ اسلام کے لئے تھا اپنی ذاتی غرض کے لئے کبھی  
آپ نے کسی کو نہیں مارا۔ جو لوگ کافر تھے اور مسلمانوں کو ستاتے تھے  
یا جن مسلمانوں نے فتنہ و فساد کی بنیاد ڈالی تھی اور بے گناہ  
مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا خباب امیر نے انہی کے مقابل  
تبع آزمائی کی۔ کبھی آپ نے کسی بے گناہ کو قتل کیا نہ کسی عورت  
اور بچہ پر ہاتھ اٹھایا نہ کسی لبتی کو جلایا یا تاراج کیا۔  
جب تک اسلام کی فلاح و بہبود جنگ میں دیکھی وہ بے مثل جنگ  
کی کہ دنیا حیرت میں آگئی اور جب اسلام کی بہبودی تتبع کو نیام میں  
کر لینے میں دیکھی تو سب سے کام لیا۔ پس ایک بنیاد کی صفت ہی ہے  
اسلام کی اصطلاح میں اس کو شجاع کہتے ہیں اور یہی وہ شجاعت  
ہے جو داخلِ فضا کل چہار گنا ہے۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی شجاعت

امام حسن علیہ السلام شیر خدا علی مرتضیٰ کے فرزند تھے شجاعت  
کی صفت بہترین صورت میں آپ کے اندر کیوں نہ پائی جاتی سب  
سے پہلے آپ کو سرکہ جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کا موقع  
جنگِ خیبر میں ملا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا علم امام حسن  
علیہ السلام کو دے کر فرمایا۔ بیٹا جاؤ اور قدم جا کر دشمن سے  
بکار زار کرو۔ چنانچہ آپ گئے اور ایسی دلیری سے لڑے کہ  
دشمن کے حواس باختہ ہو گئے جب بہت سے دشمنوں کو قتل کر کے  
واپس آئے تو حضرت علیؑ نے اپنے بہادر بیٹے کو چھاتی سے  
لگایا اور بڑی تریف کی۔ اس کے بعد آپ جنگِ صفین میں شریک  
ہوئے اور کئی روز برابر اپنی فوج کے ایک دستہ سے شامیوں  
کا مقابلہ کرتے رہے آخر کار دشمن شکست خوردہ ہو کر سامنے سے بھاگا۔  
جنگِ صفین کے بعد آپ نے اپنی شجاعت کا کمال ہنردان میں  
دکھایا اور ایسی دلیری سے لڑے کہ ہنردانی حوائج ہر طرف بھاگتے نظر آئے۔  
امیر معاویہ نے اگرچہ اپنی سازش کا جال نہ بچایا ہوتا  
اور لشکر میں بغاوت کے آثار پیدا نہ ہو گئے ہوتے تو آپ امیر معاویہ  
کو صفین کی طرح پھرنچا دکھاتے لیکن جب لشکر کا ایک ایک سپاہی  
طع زہر میں مبتلا ہو کر آپ کا دشمن جانی بن گیا ہو تو ایسی صورت



میں آپ کیا کر سکتے تھے۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی شجاعت

امام حسین علیہ السلام کی طرح امام حسین علیہ السلام نے بھی امر بالمعروف  
کی زندگی میں جنگ جمل و صفین و نہروان میں شریک ہو کر دایہ تجارت  
دی۔ آپ کی شجاعت کا سب سے بڑا کارنامہ میدان کربلا میں روز  
عاشور جنگ کرنا ہے۔ حمید بن مسلم فوج یزید کا واقعہ نگار کہتا ہے  
میں نے حسینؑ سے زیادہ بہادر دنیا میں کسی کو نہیں پایا۔ تین دن  
کی بھوک پیاس، کربلا کی جلتی تپتی زمین، دوستوں اور عزیزوں  
اور جگر کے ٹکڑوں کے لاشے نظر کے سامنے، اہل حرم کی بے حرمتی کا  
خوف، بدن پر جا بجا زخم ایسی حالت میں سوائے حسینؑ کے دنیا  
میں کوئی اس جواغردی سے جنگ نہیں کر سکتا کہ فوج یزید میں  
حسینؑ کے پہلے ہی حملہ کے بعد تحلیلِ مح گئی تھی اور لوگ اس طرح  
آپ کے سامنے بے ہواگ رہے تھے کہ انھیں جواغرد منتش (جیسے  
ٹڈیاں بھاگتی پھرتی ہیں) آپ نے بے درپے کئی حملے کرے نتیجہ  
یہ ہوا کہ جا بجا لاشوں کے انبار لگ گئے۔ آخری حملہ آپ کا غضب  
کا تھا۔ دشمن ایسا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ کوفہ کے اندر اس  
کا بچھلا حصہ داخل ہو گیا۔ ہر طرف الامان الامان یا بن رسول اللہ  
الامان کا شور مچا ہوا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر رحمتہ للعالمین کے

فرزند کو ان کی حالت پر رحم آیا اور تلوار نیام میں کر لی۔  
اب صبر کے جوہر دکھانے کا وقت تھا۔

## حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شجاعت

امام حسین علیہ السلام کے بعد چونکہ پھر کسی بادشاہ نے ہمارے  
کسی امام سے بیعت کا سوال نہیں کیا نیز یہ کہ سلطنت ظاہری کا  
تعلق کبھی کسی امام سے نہیں رہا لہذا میدانِ رزم میں جہادِ السیف  
کرنے کا موقع کسی امام کو پیش نہیں آیا۔ حمید بن مسلم صاحب  
لکھنوی نے اپنے ایک قصیدہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

زمین العباد جہاد کا عنوان بدل گیا

جاں بازیاں وہی ہیں میدان بدل گیا

امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر امام حسن عسکری  
علیہ السلام تک اخلاقی جرات اور دلیری دکھانے کے بہت سے  
مواقع ہمارے امم کے سامنے آئے ان حضرات نے کبھی سطوت  
سلطنت سے مرعوب ہو کر امر حق کو چھپایا نہیں۔ امر بالمعروف اور  
نہی عن المنکر سے باز نہیں رہے۔

امام زین العابدینؑ پر واقعہ کربلا کے بعد جو مصائب پڑے  
اگر پہاڑوں پر پڑتے تو موسم کی طرح پھل کر بہہ نکلتے۔ دونوں  
پر پڑتے تو راتیں بن جاتے مگر آپ نے پوری قوتِ ایجابی کے



ساتھ ان سب کو جھیل اور اپنی خاندانی شجاعت کو کسی ایک موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

ابن زیاد اور یزید نے اپنے اپنے درباروں میں اپنی اپنی سطوت و جبروت کے غیر معمولی مظاہرے کر کے اہلبیت کو غیب کرنے کی پوری کوشش کی مگر آپ نے بھرے دربار میں دونوں کو وہ مذاں شکن جواب دے کر دانتوں لپیٹنے آ گیا۔ دمشق کی مسجد میں یزید کی موجودگی میں آپ نے منبر پر جا کر بیدھڑاک اپنے اور اپنے ابا سے طاہرین کے فضائل اور بنی امیہ اور یزید کے مائب و مثالب بیان کئے۔ دوسرا ہوتا تو ایسے سخت مواضع پر زبان کھول دسوار ہو جاتا۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شجاعت

ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

ہم خدا کے پسندیدہ اور منتخب بندے ہیں اور روئے زمین پر اس کے خلیفہ ہیں جو شخص ہماری اطاعت کرے گا وہ سعید ہے۔ اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی و بدبخت ہے۔

یہ کلمات کسی نے ہشام بادشاہ شام تک پہنچا دیے اس نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو دمشق میں

طلب کیا جب دونوں امام دربار ہشام میں پہنچے تو وہ اس وقت اپنے ارکان سلطنت کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے کہنے لگا آپ بھی نشانہ پر تیر لگائیے فرمایا میں ضعیف ہو گیا ہوں، مجھ سے تیر اندازی نہیں کی جاتی۔ اس نے طنزاً کہا آپ تو خدا کے منتخب بندے ہیں آپ لوگوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جامع کمالات ہیں خصوصاً قوتوں کے مالک ہیں آپ کے لئے تیر اندازی کیا مشکل ہے یہ کہہ کر اپنے ایک سردار کو اشارہ کیا کہ بڑھ کر تیر کمان ہاتھ میں دے دے آپ نے لے لیا اور کمان میں تیر جوڑ کر نشانہ پر لگایا تیر سیدھا پنج میں جا کر بیٹھا پھر دوسرا تیر جوڑ کر پہلے تیر کے آخر حصہ پر مارا اس کے بعد یکے بعد دیگرے نو تیر مارے ہر تیر اپنے سے پہلے کے آخری حصہ کو چھید دیتا تھا۔ یکمال دیکھ کر ہشام کھسیانہ سا ہو گیا۔

دیر تک کوئی کلام نہ کیا اور امین علیہما السلام اس کے سامنے کچھ دیر تو خاموش کھڑے رہے۔ آخر امام محمد باقر علیہ السلام کو طیش آیا۔ ہشام آپ کے تیوروں سے تار لگیا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام کو داہنی طرف اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو بائیں جانب جگہ دی۔ پھر کہنے لگا معلوم ہوتا ہے آپ کو تیر اندازی کی بڑی مشقت ہے آپ نے یکمال کس سے حاصل کیا۔ حضرت نے فرمایا ہم اہلبیت رسول ہیں ہمارے علم و کمال کا قیاس دوسروں پر نہ کر ہم تمام



کلمات میراث میں پاتے ہیں۔ دنیا کبھی ہمارے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ہم ہر امر میں کامل ہیں اور دوسرے لوگ ہمارے مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر۔ ہشام یہ سن کر غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ کی اطاعت اہل زمانہ پر فرض ہے حضرت نے بے خوف و خطر فرمایا ہے شک ہم اولی الامر میں سے ہیں اس نے کہا مگر آپ کا حکم تو کہیں بھی نہیں چلتا۔ فرمایا جو ہم کو اولی الامر نہیں مانتے وہ گنہگار ہوتے ہیں۔ ہشام کا غصہ اور بڑھا کہنے لگا تو کیا میں اولی الامر میں سے نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم بادشاہو بندوں کے بنائے ہوئے اور ہم اولی الامر ہیں۔ خدا کے بنائے ہوئے۔ ہشام نے درباریوں کے سامنے زیادہ بحث مناسب نہ سمجھی اور حکم دیا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو فلاں مقام پر حراست میں رکھو۔ جب حضرت وہاں سے نکلے تو کسی نے کہا آپ نے بڑی جرات کی کہ بادشاہ کے سامنے ایسی گفتگو کی خیریت ہو گئی ورنہ وہ آپ کو قتل کر ادیتا۔ فرمایا ہم اہلبیت اعلان کلمۃ اللہ اور اظہار الحق میں کبھی پس و پیش نہیں کیا کرتے اور موت سے ڈرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شجاعت  
امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ منصور و والی کا تھا جس نے

حسنى سادات کو تباہ کیا تھا وہ چاہتا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالے اور جناب امام علیہ السلام اس کی اقتدا کرنے لگیں مگر امام علیہ السلام کے مقابل اس کو اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت کسی طرح اس کے قابو میں نہیں آتے تو اس کا غصہ بڑھنا شروع ہوا۔ ایک روز حضرت سے کہنے لگا میرے لئے آپ کی مثال اس بڑی کی سی ہے جو گلے میں اٹا جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تیری بدگمانی فضول ہے میں تیرے امور سلطنت میں کوئی دخل نہیں دیتا تو میری ہدایت و تعلیم کو کیوں برا سمجھتا ہے اور کیوں میرے درپے آزار ہے۔ اس نے کہا میں آپ کی تعلیم کو امور ملکی کے خلاف جانتا ہوں لہذا میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آئندہ آپ اس درس و تدریس کا سلسلہ بند کریں۔ آپ نے فرمایا استغفر اللہ کس کی طاقت ہے کہ مجھے امر حق کا تبلیغ سے روکے۔ اسی نے کہا اگر آپ باز نہ رہیں گے تو میں آپ کو قتل کرادوں گا۔ آپ نے فرمایا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے حالانکہ ہم اہلبیت ہمیشہ امر حق کی تبلیغ میں قتل اور قید ہوتے آئے ہیں۔ منصور نے کہا میں خلیفہ وقت ہوں آپ پر میری اطاعت فرض ہے۔ آپ نے فرمایا ہم اہلبیت پر کسی کی اطاعت فرض نہیں بلکہ ہماری اطاعت سب پر فرض ہے۔ منصور اسی روز سے آپ کے قتل کی فکر کرنے لگا۔



یہ ہے اخلاقی شجاعت۔ جب خراسان اور عین وغیرہ کے شیعوں کو معلوم ہوا کہ منصور امام علیہ السلام کے درپے آزار ہے تو ان کے وفد امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اگر حضور حکم دیں تو ہم شیعوں سے میدانوں کو بھردیں اور منصور کی فوجوں کا دھڑ کر مقابلہ کریں۔ آپ نے فرمایا میں جنگ کرنا مصلحت نہیں سمجھتا۔ اگر اس نے مجھے اطاعت پر مجبور کیا اور میری ہدایت و تبلیغ کو روکا تو البتہ میں اس سے جہاد کروں گا۔ یہ ہے شجاعت اگر بے سوچے سمجھے کوئی اقدام کر بیٹھے اور فتنہ و فسادات کی آگ بھڑکا دے تو یہ ہتور ہو گا نہ شجاعت۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شجاعت

مہدی خلیفہ عباسی کو چند روز سلطنت کرنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ خاندان رسالت کی موجودگی میں ہمارا روحانی وقار خاندانی اقتدار لوگوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اس فکر میں رہے لگا کہ امام علیہ السلام کو کوئی بہانہ کر کے گرفتار کرے۔ اس کے بعد آخری میں وہ بڑے تزک احتشام سے حج کرنے کے لئے آیا امام علیہ السلام بھی حج کرنے کے لئے تشریف لائے تھے عین ایام حج میں مہدی نے ایک روز امام علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں آپ فوراً میرے پاس آئیے۔ جب مہدی کا گناہ شدہ امام کی خدمت

میں پہنچا۔ آپ ناز میں مشغول تھے جب فارغ ہوئے تو مہدی کے غلام نے اس کا پیغام دیا۔ آپ نے فرمایا مہدی سے کہہ دو کہ میں اس زمانہ میں اس جلیل القدر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوں جو تمام عالموں کا خالق اور مالک ہے مجھے فرصت نہیں کہ تم سے ملنے کے لئے آؤں بعد فراغ حج دیکھا جائے گا۔ مہدی کو یہ جواب بہت ناگوار ہوا۔ اس کے ارکان سلطنت نے موقع پا کر کتنا شروع کیا کہ موسیٰ بن جعفر تجھ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں انھوں نے اپنے شیعوں کا ایک گروہ تجھ سے لڑنے کے لئے تیار کیا ہے جس و زکوٰۃ کا مال جمع کر رہے ہیں تاکہ مصارف جنگ میں خرچ کریں۔ مہدی یہ سن کر اور زیادہ آفرختہ ہو گیا۔ بعد ایام حج اس نے امام علیہ السلام کو پھر بلایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ اس نے امام علیہ السلام کی کوئی تعظیم نہ کی اور آپ سے بیٹھنے کے لئے بھی نہ کہا آپ کو اس کی یہ بد اخلاقی ناگوار گذری آپ بغیر اس کی اجازت کے اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس نے ترش رو ہو کر کہا۔ میں نے آپ کو بلایا تھا مگر آپ نہ آئے کیا خاندان اہلبیت کا اخلاق یہی ہے۔ آپ نے نہایت دلیری سے جواب دیا۔ میرے نزدیک خدا کا حکم تیرے حکم سے بالا تر تھا۔ یہ حرم خدا ہے۔ اس میں امیر و عزیز حاکم و محکوم سب یکساں ہیں۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ کوئی فوج میرے خلاف جمع کر رہے ہیں۔ فرمایا نہیں جس نے تجھے خبر دی ہے وہ جھوٹا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ میں تم سے



بحکم المیت کبھی فوتہ و فساد کر پسند نہیں کرتے۔ اس نے کہا کیا آپ  
پر میری اطاعت فرض نہیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، اللہ نے ہماری  
اطاعت بہ حیثیت اولی الامر سب پر فرض کی ہے۔ مہدی نے کہا  
میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے پاس بغداد میں رکھوں تاکہ آپ کے  
علمی فیوض سے وہاں کے لوگ بھی فیضیاب ہوں۔ حضرت نے فرمایا  
حرم رسول کو چھوڑنا میرے اوپر شاق ہو گا۔ الغرض مہدی نہ مانا  
اور آپ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور قید کر دیا۔ اس واقعہ سے  
امام علیہ السلام کی شجاعت اور اخلاقی دلیری کا حال روشن ہوتا ہے۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کی شجاعت

امام رضا علیہ السلام کی اخلاقی دلیری کے بہت سے واقعات تاریخ  
میں درج ہیں ہم ان میں سے ایک دو واقعہ مختصراً لکھتے ہیں۔

مامون نے اپنے دار السلطنت میں امام رضا علیہ السلام کو بلا کر  
ای و لیمعدی پر زور دیا مگر آپ برابر انکار کرتے رہے اور اپنے  
صاف لفظوں میں فرمادیا کہ تمہاری ولی عہدی مجھ تک نہ پہنچے گی۔  
اور میں تم سے پہلے ہی زہر دے کر قتل کر دیا جاؤں گا۔ اور تم سے  
باپ ہارون کی قبر کے پاس دفن کیا جاؤں گا۔ مامون نے کہا کس  
کی طاقت ہے کہ میری زندگی میں آپ کو قتل کر سکے۔ آپ نے فرمایا  
اگر مصلحت ماننے نہ ہوتی تو میں اپنے قاتل کا نام بھی بتا دیتا۔ جب

مامون نے دیکھا کہ آپ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تو غصہ میں بکھر کر کہنے  
لگا کہ اس انکار سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے زہد و توکل کی  
دنیا میں شہرت ہو اور میری عاجزی اور کمزوری دنیا پر ثابت ہو جائے  
آپ نے فرمایا میں نے تمام عمر جھوٹ نہیں بولا۔ حصول دنیا کے لئے غرض  
ظاہری طور پر دنیا سے نفرت کرنا میرا شیوہ نہیں۔ لیکن غالباً آپ  
کا منشا بار بار کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیا پر وثاقت کر دیں  
کہ علی بن موسیٰ حقیقت میں تارک دنیا نہ تھے بلکہ خود دنیا نے  
ان کو مدت تک چھوڑ رکھا تھا جب دنیا نے ان کی طرف رجوع  
کی تو کج حال رغبت و خواہش وہ اس میں آلودہ ہو گئے۔

یہ جو اس سن کر مامون اور زیادہ برہم ہوا اور اپنی شاہانہ  
شان دیکھا کر کہنے لگا اگر آپ میری ولی عہدی کو قبول نہ کریں گے  
اور برابر یوں ہی انکار رکھنے جائیں گے تو میں آپ کو قتل کر دوں گا  
حضرت نے فرمایا جب معاملہ اس حد تک آ گیا تو میں قبول کرتا ہوں  
مگر اس شرط سے کہ کاروبار سلطنت میں کوئی دخل نہ دوں گا۔  
امرا بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہ رہوں گا کسی خلاف  
شرح امر میں تمہاری موافقت نہ کروں گا۔

عیون اخبار الرضا میں ہے کہ جب مامون نے آپ کی ولی عہدی  
کا جلسہ کیا تو امام علیہ السلام سے ایک خطبہ کی خواہش کی۔ آپ منبر  
پر تشریف لے گئے اور بعد حمد و ثناء فرمایا۔



لوگو! باعتبار قربت رسول ہمارا ایک حق تم پر ہے اور اسی طرح تمہارا حق بھی ہم پر ہے جب تم نے ہمارا حق ادا کیا ہے تو ہم پر بھی لازم ہے کہ تمہارے حقوق کی نگہداشت کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے ان حقوق کی حفاظت کی جن کو لوگ ضائع کر چکے تھے اور ہمارے ان امور کو بلند کیا جن کو لوگ گرا چکے تھے۔ اسی برس تک اہل کفر و عصیان بنزدوں پر بیٹھ بیٹھ کر ہمارے اوپر لعنت کرتے رہے اور ہمارے فضائل کو چھپاتے رہے ہم پر جو بڑے الزام لگاتے رہے۔ مگر خدا کی مرضی یہی تھی کہ ہمارا ذکر بلند ہو۔

یا یہاں اس میں نے ولی میری کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ میں جاہ و منصب کا مستحق اور حکمرانی کا خواہاں ہوں بلکہ اس وجہ سے منظور کیا ہے کہ تم کو جس امر میں غلط راستہ پر چلتا دیکھوں تو روک دوں خواہ تم مانویا نہ مانو۔ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ مجھے امر حق کے اظہار میں کبھی باک نہ ہوگا اگرچہ میں اس صداقت کی حمایت میں قتل بھی کر دیا جاؤں۔ ہم اہلبیت کا وجود ہی دنیا میں اس لئے ہے کہ حق کی حمایت بلا خوف و تامل کر کے رہیں۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شجاعت

جس زمانہ میں امام محمد تقی علیہ السلام ماموں کے خواہش کی بنا پر

بغداد میں قیام فرماتے تھے اور ماموں اپنی بیٹی ام الفضل سے آپ کا عقد کرنا چاہتا تھا۔ عباسیوں کو آپ سے سخت مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک بار آپ نے مسجد بغداد میں ایک موعظ فرمایا اور اس میں بنی امیہ اور بنی عباس کے ان مظالم کا اظہار کیا جو سادات کرام پر ہو چکے تھے۔ اس پر عباسی اور زیادہ چراغ پا ہوئے اور حضرت کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ کسی نے یہ خبر امام علیہ السلام سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا ان سے جا کر کہہ دو کہ میں ان مظالم سے قطعاً نہیں ڈرتا کیا وہ حق گوئی سے میری زبان ڈرا دھمکا کر بند کرنا چاہتے ہیں ہم اہلبیت ایسی باتوں سے کبھی نہیں ڈرے۔ جب مامون کو بایسولیا کے اس ارادہ کا پتہ چلا تو اس نے سختی سے ان کو روکا۔

### حضرت امام علی تقی علیہ السلام کی شجاعت

متوکل نے اپنے قعر کے سامنے والے میدان میں بہت سے خونخوار درندے مثلاً شیر، چیتے، تیندوے اور بچہ وغیرہ پال رکھے تھے اور اس میدان کے چاروں طرف بہت اونچی دیوار تھی۔ اس میدان کو برکت السباع کہتے تھے۔ جب متوکل کسی مجرم سے حد درجہ ناراض ہوتا تھا تو اس کو اسی احاطہ کے اندر دھکیل دیا جاتا تھا۔ وہ درندے اس پر لوٹ پلوٹ کر تھکتے تھے کہ باٹھ کر



ایک دن متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو بلایا اور ان سے کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ آپ میرے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اُکسا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس نے مجھے یہ خبر دی ہے بالکل غلط ہے۔ میں نے آج تک کسی سیاسی معاملہ میں حصہ نہیں لیا۔ اس نے کہا آپ مجھے دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یمن کراہم کو غیظ آگیا اور فرمایا تو مجھے بھی اپنا ہی جیسا سمجھتا ہے ہم اہلبیت رسول ہیں۔ دھوکہ دینا ہمارا کام نہیں۔ متوکل نے حکم دیا کہ ان برکتہ السباع میں ڈال دیا جائے اور خود تاشہ دیکھنے کے لئے اپنے محل کی چھت پر جا بیٹھا۔ غلاموں نے چاہا کہ حضرت کو پکڑ کر زبردستی برکتہ السباع میں داخل کریں۔ آپ نے فرمایا جر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں خود چلا جاؤں گا۔ حضرت نہایت سیکند و وقار سے تشریف لے چلے اور اس احاطہ کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہو گئے۔ سب لوگ آپ کی یہ جرات دیکھ کر سکتہ میں آ گئے۔ جوں ہی آپ اندر پہنچے تمام درندے آپ کے گرد جمع ہو گئے دم ہلا ہلا کر آپ کے قدموں پر لوٹنے لگے آپ شفقت سے اپنا ہاتھ ان کے سر اور پشت پر پھیرتے جاتے تھے اس کے بعد بڑے اطمینان سے آپ نے اپنا سجادہ بکھا کر نماز پڑھی وہ سب درندے آپ کے گرد حلقہ باندھے ٹان ٹان عبادت دیکھتے رہے۔ یہ صورت دیکھتے ہی متوکل کے جو اس جاتے رہے۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شجاعت

مستقین باللہ بادشاہ عباسی کے پاس ایک بڑا سرکش گھوڑا تھا جو سوار ہوتا اس کو پٹک دیتا اور پامال کر ڈالتا۔ مستقین سے کسی نے کہا شاید اپنے امیر کی کرامت کے بڑے افسانے سناتے ہیں اس گھوڑے پر ان کو سوار کیجئے۔ اگر چل ڈالا تو خلیفہ کا کھٹکا مٹ جائے گا۔ ورد قابو میں آگیا تو گھوڑا اٹھک ہو جائے گا۔ مستقین نے امام علیہ السلام کو بلایا اور کہا آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اس گھوڑے پر سوار ہوں۔ آپ اس گھوڑے کی سرکشی کا حال سن چکے تھے مگر ذرا خوف و ہراس پیدا نہ ہوا۔ اور بے تامل اس کی طرف بڑھے اور بے خوف و خطر اس پر سوار ہو گئے۔ مستقین حیرت میں رہ گیا اور کہنے لگا جس گھوڑے پر سواری کرنے کی ہمت بڑے بڑے دلوں کو نہ ہوتی تھی آپ نے اسے کیسے قابو میں کر لیا۔ آپ نے فرمایا ہم اہلبیت رسول ہیں۔ ہمارے کمالات کا قیاس عام لوگوں پر نہیں کیا جاسکتا۔

## (۳) امیر کرام کی عدالت

عدالت کا شمار بھی فضائل چارگانہ سے ہے۔ یہ بھی



ایک وسطی خط ہے اگر اس سے ذرا سا قدم اوپر کو ہو گیا تو ظلم  
 کرنے کی حد میں آ گیا اور اگر ایک بال برابر نیچے کو ہٹ گیا  
 تو ان ظلام ہو گیا یعنی ذلت کے ساتھ کسی کو اپنے اوپر بغیر  
 استحقاق لوٹ مار کی قدرت دے دینا یہ دونوں طریقین مذموم  
 ہیں ہمارے ائمہ میں سے ہر ایک میں صفت عدالت بدرجہ  
 اتم موجود تھی نہ انھوں نے کبھی کسی پر ذرہ برابر ظلم کیا  
 اور نہ ذلت کے ساتھ کسی کا ظلم اٹھایا۔ ان کا مقولہ ہمیشہ  
 یہ رہا الموت اولیٰ من سرکوب العاسر (ذلت کی زندگی  
 سے عزت کی موت بہتر ہے) بلکہ عدالت حقوق الناس کی  
 ادائیگی اور فریقین کے قضایا فیصلہ کرنے میں جانچی جاتی ہے  
 ہر شخص کو اپنی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے پیش آتے  
 رہتے ہیں کہ عدالت کرنا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مگر  
 بہت کم افراد دنیا میں ایسے پائے جاتے ہیں جنھوں نے اس  
 فضیلت کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا ہو۔ حکمرانوں کو فضل  
 قضایا میں اس ملکہ کا فضلہ کے استمال کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے  
 اور ادا سے حقوق کا تعلق کم و بیش ہر انسان سے رہتا ہے۔  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام  
 سے بہتر کوئی قضایا کا فیصلہ کرنے والا نہ تھا۔ آپ کا کوئی فیصلہ  
 حدود عدل و انصاف سے باہر نہ ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ عرب میں

مشہور ہو گیا تھا کہ قضیہ ولا ابالحسن لہا یعنی قضیہ تو ہے  
 مگر اس کے فیصلہ کرنے والے علی موجود نہیں۔ حضرت علیؑ کے اسی فیصلے  
 پر نظر رکھتے ہوئے حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا انصاف علی تم میں بنی  
 برانصاف فیصلہ کرنے والا علیؑ سے زیادہ کوئی نہیں۔ خلفائے ثلاثہ کا  
 یہ دستور تھا کہ جب کوئی مشکل قضیہ ان کے سامنے آتا اور اس کا فیصلہ  
 کرنے سے وہ لوگ عاجز ہوتے تو حضرت علیؑ علیہ السلام کی طرف رجوع  
 کرتے اور آپ سے فیصلہ کراتے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دو بار نہیں  
 ستر بار حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف ان نقطوں میں کیا اور علیؑ  
 ایک عمر (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔)

امیر المومنین علیہ السلام کا عہد سلطنت عدل و انصاف کا گہوارہ  
 تھا تمام حکام سلطنت اور قاضیوں کے نام حضرت کے فرامین  
 جاری ہوئے تھے کہ کوئی ہرگز کسی پر ظلم نہ کرے۔ کسی کی رورعایت  
 نہ ہو۔ ہر فیصلہ حق بجانب ہو۔ امیر و غریب سب یکساں ہوں۔  
 ادا سے حقوق کے متعلق امیر المومنین کا یہ حال تھا کہ جب  
 تک اہل حق کا حق آپ پہنچا نہ دیتے تھے نہ آتا۔ کوئی کسی کا حق  
 غصب کر لیتا یا ناجائز فائدہ حاصل کرتا تو آپ کا غضب اس پر  
 نازل ہوتا۔ ظلم اور زبردستی جو بیعت سے نکٹ کیا اس کا خاص  
 سبب یہی تھا کہ وہ اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے کہ علیؑ کی حکومت  
 میں ہماری حرص و ہوا کو پاؤں پھیلانے کا موقع نہ ملے گا جس



علیؑ نے اپنے جتنی بھائی عقیل کو غنی سے زیادہ چند درہم دینے کو ارا  
 نہ کئے جس نے اپنے بیٹے کو چند چھ شہر قبل از وقت ان مسیبن  
 میں سے نہ لینے دیا وہ بھلا طلحہ و زبیر کو ہوس رانی کی کہان  
 اجازت دینے والا تھا۔

حضرت علیؑ کے سوائے امام حسن علیہ السلام اور ہمارے کسی امام  
 کو حکومت ظاہری سے تعلق ہی نہ رہا جو دنیا کے سامنے ان کی عدا  
 کے نمونے آتے اب رہی حقوق الناس کی حفاظت تو وہ بقدر  
 امکان برابر کرتے رہے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دیا کہ  
 امام نے ہمارا حق غصب کر لیا ہے۔ ان کے دشمنوں نے لاکھ لاکھ  
 بدنام کرنے کی کوشش کی مگر کسی کی ایک کی نہیں۔ انرا یرداری  
 کی قسمی چند روز بعد ہی کھل گئی اور ان مفسرین کو ذلیل و خوار ہونا پڑا۔

## (۴) عفت

عفت کے معنی یہ ہیں کہ قوائے شہوانی نفس ناطقہ کی مطیع ہوں  
 یعنی نہ تو افراط میں پڑ کر آدمی خواہشات کا بندہ بن جائے اور  
 نہ تقریباً کی طرف آکر اپنی جائز خواہشات کو بالکل فنا کر دے یہ  
 دونوں طریقوں میں داخل ہیں۔

اور گناہکاری کا بہت بڑا سرچشمہ ہیں ہمارے ائمہ کرام  
 نے اپنے قوائے شہوانیہ پر ایسا مکمل کنٹرول کیا تھا کہ نہ افراط کی

طرح قدم جاتا تھا نہ تقریباً کی من المہدائی الحد ان حضرات سے  
 کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہی نہیں۔ اسوجہ سے ہمیں کہ ان کو گناہ  
 کرنے پر قدرت نہ تھی یا ان کے اندر وہ قوتیں نہ تھیں جو اسے صدور  
 گناہ ممکن ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ ان کا علم و یقین کمال کا درجہ  
 تھا گناہ کا سبب وہی چیزیں ہیں علم کی کمی اور یقین کا نقصان۔  
 جو جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ اس کا اجر کیا ہے اس  
 کی سزا کیا۔ اس کا نفع کیا ہے اس کا نقصان کیا اور جس کو اس کا  
 یقین ہے کہ خدا قادر و قادر تو انہما ہے عادل ہے ظہار و جبار ہے وہ  
 بدی کی سزا اور نیکی کی جزا پر قدرت رکھتا ہے تو اس سے گناہ  
 صادر ہی نہ ہوگا۔ معصوم اسی وجہ سے معصوم ہے کہ نہ اس کے  
 علم میں کوئی نقصان ہوتا ہے نہ یقین میں۔ ہمارے تمام ائمہ معصوم  
 ہیں۔ اس لئے صدور ذنوب کا تعلق ان کی ذات سے ہو ہی نہیں  
 سکتا۔ آیت تطہیر ان کے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی تین دلیل  
 ہے کسی قسم کا جس بھی موطا ہری ہو یا باطنی اس سے ان کی ذات  
 شہرہوں دور تھی یہ تھے فضائل چہارگانہ جن کے متعلق ہم انھیں  
 کچھ بیان کیا اب ان کے تحت جو انواع ہیں ان میں بعض خاص خاص  
 فضیلتوں کا ہم بیان کرتے ہیں۔



## (۵) ائمہ علیہم السلام کا زہد

اسلام کا زہد دیگر ادیان کے زہد سے اپنی خصوصیات میں بالکل ایک الگ چیز ہے۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی رہبانیت ہندوؤں کا سنیا سنی اسلام کی نظر میں بنی نوع اسلام پر کھلا ظلم اور تمدن کا پکا دشمن ہے اسلام کی تعلیم کھلے لفظوں میں یہ ہے لا رہبانیت فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں) رہبانیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان جملہ تعلقات دنیا سے کنارہ کش ہو کر کسی پہاڑ کے غار میں کوہستان کے دامن میں دریا کے کنارے تپسیا کرنے کے لئے جا بیٹھے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائے نہ عزیزوں سے صلہ رحمی بجالائے نہ درویشوں کی زیادتی سے نہ محتاجوں کی امداد کرے نہ معاشرتی اور تمدنی اصول سے تعلق رکھے کیسی جو رو کہاں کے بچے کون ماں باپ کون عزیز و اقارب سب سے الگ بھیک کے ٹکڑے مل گئے تو کھالے ورنہ گھٹنوں پر گردن دے بیٹھے رہے۔ ایسا انسان تمدن انسانی کا پکا دشمن ہے۔ اگر سب اسی کے ہم خیال ہو جائیں تو پھر تو والد و نواسل کا سلسلہ ختم۔ ایک دوسرے کی اعانت و ہمدردی رخصت، ایسی ناکارہ زندگی کو اسلام نے حقارت کی نظر سے دیکھا۔ رہبانوں، تپسیوں، موبدوں اور بادھو سنیاویوں

کو ترک دنیا کا پہلا بھڑکا بے شک سخت ہوتا ہے اس کے بعد قصہ ختم جب کوئی تعلق دامن دل کھینچنے والا ہی نہیں تو پھر انسان عبادت نہ کرے گا تو کیا کرے گا عصمت بی بی از بے جا درمی تنہائی کے گوشہ میں تو تجھو را اندھی کرنا ہوگی۔ لہذا اسلام کی نظر میں یہ کوئی قابل تعریف بات نہ ہوئی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے بس صبا من ترک الدنيا للاخرة والاخرة للدنيا (ہم میں سے نہیں وہ شخص جس نے دنیا کو دین کے لئے چھوڑا یا دنیا کو دین کے لئے ترک کیا) عبادت وہی قابل تعریف ہے جو انسان تعلقات دنیا کے درمیان رہ کر انجام دے۔

اسلام میں زہد کے معنی یہ ہیں کہ بنی نوع انسان کے درمیان رہ کر ان کے حقوق کی نگہداشت بھی کرو اپنی فطری ضروریات بھی بقدر جائز پوری کرو اور پھر دنیا سے الگ رہو۔ حرص و آرز کے پر توڑ دو۔ ہوس رانی کا بازار کھٹکا کر دو۔ ہر شے کا استعمال اتنا کم کرو کہ اس سے اور زیادہ کم کرنے میں زندگی خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ ہمارے ائمہ طاہرین نے اس منزل کو نہایت خوبی سے طے کیا۔ کھانا کھایا مگر بقدر قوت لایوت اور اس نوعیت کا کھانا کہ اس سے کمتر درجہ غذا کا کوئی نہیں۔ لباس پہنا تو ایسا کہ اس سے کم قیمت لباس کوئی نہ ہو۔ صرف سردی گرمی سے بدن محفوظ



رہ سکے۔ گھر میں سامان رکھا تو اتنا مختصر کہ اس سے کم ہو تو زندگی  
دوبال ہو جائے۔ گھر بنایا تو ایسا کہ غریب سے غریب آدمی کو اس پر  
غبط نہ ہو، ضروریات زندگی کو اتنا مختصر بنایا کہ اس سے کم کا  
دوسرا نام موت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسی زندگی ہمارے ائمہ  
نے بسر کی اس کے لئے بڑا حیرانہ اور حوصلہ درکار ہے اس کے لئے  
بڑے ایمان کامل کی ضرورت ہے۔

### امیر المومنین علیہ السلام کا زہد

امام فخر الدین رازی نے اربعین میں لکھا ہے کہ آنحضرت  
کے عہد میں ایک گروہ صحابہ کا زہد و ورع میں مشہور تھا۔ جسے  
ابو ذر غفاری، سلمان فارسی، ابوذر داؤد وغیرہ یہ سب بزرگوار  
ترک و تجرید میں مولا علی علیہ السلام کے مقلد تھے۔  
مجمع الاحباب فی المناقب المصاحب میں قبضہ سے منقول  
ہے کہ ہم نے لوگوں میں علی بن ابی طالب سے زیادہ زہد کوئی  
نہیں دیکھا۔

ابن اثیر نے تاریخ کامل میں حسن بن صالح سے روایت کی  
ہے کہ عمرو بن عبد العزیز کے سامنے زہدوں کا تذکرہ ہو رہا تھا وہ  
کہنے لگے دنیا کے لوگوں میں علی بن ابی طالب سب سے زیادہ زہد تھے۔  
اسناد الثواب میں ہے کہ جناب عمار یا سررخی ائمہ عنہ سے روایت

ہے حضرت رسول خداؐ نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا اے علی خدا نے  
تم کو ایسی زندگی سے مزین کیا ہے کہ دنیا میں کسی کو کہیں کیا اور  
وہ زہد فی الدنیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک بندوں کی  
زندگی ہے تم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ تم سے دنیا کو اور دنیا سے  
تم کو کوئی چیز نہ ملی۔ تم کو مسکینوں کی محبت دی گئی اور تم کو ان کے  
پیرو ہونے سے راہی کیا اور ان کو تمہارے امام ہونے سے  
امیر المومنین سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت رسول خداؐ نے  
فرمایا اے علی جب لوگ دنیا میں رغبت کریں گے اور آخرت کو  
چھوڑ دیں گے۔ لوگوں کی میراث کھا جائیں گے دین کو خراب  
کر دیں گے اللہ کا مال لوٹیں گے تو تمہارا کیا حال ہو گا۔ میں نے  
عرض کی میں ان کو چھوڑ دوں گا اور جس کو وہ اختیار کریں گے میں  
اس کو ترک کر دوں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسول اور آخرت  
کے گھر کو اختیار کر دوں گا۔ دنیا کی معیبتوں اور سختیوں پر صبر  
کروں گا۔ یہاں تک کہ میں آپ سے ملاقات کروں۔ فرمایا کج  
ہے تم ایسا ہی کرو گے۔

احمد حنبلی نے اپنی مناقب میں لکھا ہے کہ ابن النبی حضرت  
علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ آپ بیت المال کو  
اثرنی اور روپیہ سے بھرار کھیں۔ پس کہ حضرت بیت المال  
میں آئے اور لوگوں کو بلانے کا حکم دیا اور کچھ بیت المال میں



موجود تھا۔ سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر فرمایا اے سونے اے چاندی میرے غیر کو دھوکہ دے۔ جب بیت المال خالی ہو گیا تو آپ نے پانی چھڑا کئے کا حکم دیا اور دو رکعت نماز شکر ادا کی۔ اسد الغابہ میں ہے کہ جناب امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے پدر بزرگوار نے نہ مال کو جمع کیا اور نہ پیچھے چھوڑا۔ سوائے چھ سو درہم کے کہ اس سے غلام مول لے کر آزاد کرنا چاہتے تھے اور اسی کتاب میں ابو نعیم سے مروی ہے کہ میں نے سفیان کو کہتے ہوئے سنا کہ جناب امیر نے نہ کبھی اینٹ پڑائی گھر بنانے کو نہ کبھی نہ بانس پر بانس، اگر وہ چاہتے تو مدینہ سے جراب تک آباد کر دیتے۔

ابن اثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے ہارون ابن غنترہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں جناب امیر علیہ السلام کے پاس فقر خورق میں گیا۔ سردی کا موسم تھا آپ کا نب رہے تھے ایک پرانا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے میں نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لئے اس بیت المال میں حصہ مقرر کیا ہے اور آپ اپنے لئے کچھ نہیں کرتے فرمایا وافتد میں مختارے مالوں میں سے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ وافتد میرا وہی تھیں ہے جو میں مدینہ سے لایا ہوں۔

زید بن ابی وہب سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت علیؑ

جو گھر سے باہر نکلے تو آپ کے تہ بند میں جا بجا پوند لگے ہوئے تھے ابن نعجم خارجی غصہ میں کہنے لگا آپ امیر المؤمنین ہیں آپ کو یہ لباس زیبائیں نہیں۔ فرمایا تم کو میرے لباس سے کیا سروکار یہ میرا لباس غرور سے دور ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کریں۔

احمد حنبل نے اپنی مناقب میں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام جس زمانہ میں حکومت کرتے تھے آپ نے بازار سے تین درہم قیمت کا کمرتا خریدا۔ اس کی آستینیں کچھ لمبی تھیں ان کو آپ نے کٹوا دیا۔ اور فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے ایسا اچھا لباس عطا فرمایا ایک روز بازار کو نہ میں آپ کھڑے ہوئے تو اور فرشتہ کر رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے وائے اگر میرے پاس تہ بند خریدنے کے لئے دام ہوتے تو میں اپنی تلوار نہ بیچتا۔

احمد حنبل نے اپنی سند میں لکھا ہے کہ سوید بن غفہ راوی ہیں میں ایک روز جناب امیر کی خدمت میں گیا دیکھا کہ آپ ایک پرانے بورے پر بیٹھے ہیں میں نے عرض کی آپ مسلمانوں کے بادشاہ اور بیت المال کے مالک ہیں اور ایک پرانے بورے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دوسری قوموں کے سفراء آپ کے پاس آتے ہیں لیکن آپ کے گھر میں اس پرانے بورے کے سوا کچھ نہیں فرمایا لے سوید عقلمند آدمی ایسے گھر سے انس نہیں کرتا جس کو



چھوڑنا ضروری ہے۔ ہماری نظر کے سامنے ہمیشگی کا گھر ہے جس کی طرف ہم بہت جلد جانے والے ہیں۔ غذا حضرت کی جو کی سوکھی روٹی یا ورد جو ہوتا تھا جس میں آدھے سے زیادہ بھوسی ہوتی تھی۔ ایک دن آپ کے سامنے فالودہ رکھا گیا آپ نے تناول نہ فرمایا کسی نے کہا کیا یہ حرام ہے فرمایا حرام تو نہیں مگر میں اپنے نفس کو ایسی چیز کا خوگر کرنا برا جانتا ہوں جس کو جناب رسول خدا نے نہ کھایا ہو۔ ایک بار کسی نے کہا امیر المومنین ائمہ نے آپ کو بڑی سلطنت کا مالک کیا ہے آپ عہدہ غذا کیوں نہیں کھاتے فرمایا میں نے حضرت رسول خدا سے سنا ہے کہ خلیفہ کے لئے دو پیمانوں کے سوا خدا کے مال سے لینا حلال نہیں۔ ایک پیالہ اپنے لئے دوسرا اپنے ہمان کے لئے۔

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ میں ایک روز حضرت کے پاس دو سالارہ میں گیا اس وقت آپ کے سامنے جو کی روٹی اور ایک پیالہ دو طرح رکھا ہوا تھا۔ روٹی ایسی خشک تھی کہ کبھی آپ ہاتھوں سے اور کبھی زانو سے دبا کر توڑتے تھے یہ حالت دیکھ کر مجھے بڑا الال ہوا میں نے آپ کی لونڈی فضلہ سے کہا تم بھی امیر المومنین پر ترس نہیں کرتیں۔ کم سے کم جھان کر ہی آٹا پکایا کرو۔ تم نہیں دیکھتیں کہ اس میں کس قدر بھوسی ہے۔ فضلہ نے کہا میں کی سرور حضرت نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ کبھی جھان کر آٹا

روٹی نہ پکاؤں۔ حضرت نے فرمایا اے سوید حضرت رسول خدا نے اور ان کے اہلبیت نے کبھی تین دن برابر گہیوں کی روٹی شکم میں نہ رکھی اور کبھی ان کے لئے جھان کر آٹا نہیں پکایا گی ایک مرتبہ میں مدینہ میں بھوکا تھا۔ مزدوری کرنے کو نکلا دیکھا۔ ایک عورت مٹی جمع کر کے اس کو بھگونا چاہتی ہے میں نے اس سے فی ڈول ایک کھجور اجرت طے کی اور رسولہ ڈول کھینچ کر اس مٹی کو بھگونا میرے ہاتھوں میں چھانے پر لگے۔ وہ کھجوریں لے کر میں حضرت رسول خدا کی خدمت میں آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ میرے ساتھ حضرت رسول خدا نے بھی ان کھجوروں کو نوش فرمایا۔

زیادہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین کی خدمت میں گیا دیکھا کہ آپ کے پاس پانی کا ایک لوٹا مار کھا ہوا ہے اور ایک طرف سر بستہ ہے جس پر مہر لگی ہوئی ہے۔ میں نے دل میں کہا غالباً ان میں سے جو اہرات نکال کر مجھے دیں گے جب حضرت نے اس مہر کو توڑا اور اس کو کھولا تو دیکھا اس میں ستویں ہیں ان میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت نے پیالہ میں ڈالے اور پانی میں کھول کر مجھے بھی پیلائے اور آپ بھی پیے۔ میں صبر نہ کر سکا عرض کی حضور آپ عراقی میں رہ کر یہ غذا کھاتے ہیں حالانکہ یہاں قسم قسم کے کھانے ہیں۔ فرمایا زندگی کے لئے یہ کافی ہے میں نے کہا



حضور ہر کیوں لگاتے ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ میرے گھر والے اس میں از قسم روغن زیت کوئی چیز نہ ملا دیں۔ میں نہیں چاہتا کہ سقو کے سوا اور کوئی چیز میری غذا ہے۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت ہمیشہ سرکہ اور نمک سے کھانا کھایا کرتے تھے جب اس پر زیاتی کرتے تو ترکاری استعمال کرتے اور اگر اس سے بڑھتے تو تھوڑا سا اونٹ کا دودھ پی لیتے اور گوشت بہت کم کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اپنے پیٹ کو حیدانوں کا مقبرہ نہ بناؤ۔

### حضرت امام حسن علیہ السلام کا زہد

حضرت امام حسن علیہ السلام نے تین مرتبہ اپنا کل مال راہ خدا میں لٹایا اور دو دفعہ آدھا مال اپنے پدر بزرگوار کی طرح آپ بھی فقیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کا دشمن خوان بہت وسیع تھا۔ مہمانوں کے لئے طرح طرح کے کھانے تیار ہوتے تھے مگر خود جو کی روٹی تناول فرماتے تھے نمک اور سرکہ کے ساتھ۔ آپ کی عبا میں جا بجا پیوند لگے رہتے تھے۔ راوی کہتا ہے آپ کے عہد سلطنت میں میں ایک روز امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ایک لٹے ٹھوڑے بورے پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے اپنی چادر اس پر پھیلا دی میں نے دیکھا کہ جا بجا اس میں پیوند

لگے ہیں اور بہت ہی موٹے کپڑے کی ہے۔ میں نے عرض کی امیر المؤمنین آپ تو بورے پر تشریف فرما ہیں کیسے ممکن ہے کہ میں اس مبارک چادر پر اپنے قدم رکھوں۔ فرمایا اے ابوصالح بیٹھ جاؤ۔ حضرت کے حکم کے مطابق میں بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ آپ بادشاہ ہیں کیا سلطنت میں آپ کا اتنا حصہ بھی نہیں کہ آپ ایک اچھی چادر خرید کر کے استعمال فرمائیں۔ حضرت یسینؑ کہ آبدیدہ ہوئے اور مجھ سے فرمایا اے ابوصالح ہم اہلبیت راحت گزینی اور تن آسانی کے لئے پیدا نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کو راحت پہنچانے اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہیں۔ میری اس چادر سے وہ تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں جو ایک بیش قیمت چادر سے ہوتیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ میں نئی چادر خریدوں۔ اے ابوصالح جو روپیہ میں چادر خریدنے میں صرف کروں اگر وہ فقرا و مساکین کی حاجت براری میں خرچ کروں تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا۔ میں نے یسینؑ کو کہا امیر المؤمنین بجا فرماتے ہیں حتیٰ یہ ہے کہ اہلبیت رسول کے سوا دوسرا اس منصب کے لئے شایاں نہیں۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کا زہد

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے باپ اور نانا کی



طرح ہمیشہ زائدانہ زندگی بسر کی نہ کبھی آپ کو قیمتی لباس پہننے کی خواہش ہوئی اور نہ لذت غذا کھانے کی جہاں کہیں سے جو ہاتھ آتا تھا مسکینوں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک دن بیت المال سے آپ کو ایک رقم ملی تھی اسے سامنے رکھے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ محتاج لوگ آجائیں تو ان پر تقسیم فرما دیں کسی نے عرض کی یا بن رسول آپ کی عبا میں جا بجا بوند لگے ہوئے ہیں آپ اس رقم میں سے ایک نئی عبا کیوں نہیں بنا لیتے۔ فرمایا میرے لئے یہی کافی ہے اکثر لوگ سختے محتاج آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے ان کو آپ میتیوں، بیوؤں اور مسکینوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا زہد

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک روز گھر سے اس حالت میں نکلے دیکھا کہ آپ کی نعلین مبارک کے لٹے ٹوٹے ہوئے تھے جن کی وجہ سے آپ کو راستہ چلنا دشوار تھا میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ آپ نئی نعلین کیوں نہیں خرید فرماتے فرمایا جو رقم اس کے لئے رکھتا ہوں کوئی سائل آجاتا ہے اس کو دے دیتا ہوں۔ میں نے عرض کی اجازت دیجئے کہ میں خرید کر حاضر کروں۔ ابھی میں امام سے یہی گفتگو کر رہا

تھا کہ ایک سائل نے اگر کچھ سوال کیا آپ نے مجھ سے فرمایا جو رقم میری نعلین پر خرچ کرنا چاہتے تھے وہ اس کو دے دو۔ مجھ سے زیادہ یہ اس کا مستحق ہے اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو خود اس کی حاجت پوری کر دیتا۔

عبد اللہ دمشقی کہتا ہے کہ میں ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنی قمیص میں بیٹھے پیوند لگا رہے ہیں۔ میں پانچ ہزار درہم رقم خمس لے کر حاضر ہوا تھا میں نے وہ رقم امام کی خدمت میں پیش کی۔ اور عرض کی مولا میری خواہش ہے کہ آپ اس رقم میں ایک عبا تیار کرالیں آپ کی یہ عبا بہت بوسیدہ ہو گئی ہے فرمایا تم اس رقم کو یہاں رکھ دو اور مدینہ میں ندا کرو کہ جو ارباب حاجت ہوں وہ مسجد رسول میں میرے پاس آئیں میں حسب الحکم یہ ندا کی۔ بہت سے ارباب حاجت ٹوٹ پڑے اور حضرت نے وہ ساری رقم ان پر تقسیم کر دی۔ میں یہ حال دیکھ کر سکتہ میں رہ گیا۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا زہد

آپ نے بھی ہمیشہ زائدانہ زندگی بسر کی مال دنیا کی کوئی وقعت آپ کی نظر میں نہ تھی ہمیشہ پیوند دار لباس پہنتے تھے اور ایک بورے پر بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا کرتے اکثر اوقات



خود فاقہ سے رہتے تھے اور اپنی غذا محتاجوں کو دے دیتے تھے  
 سعید بن عبد اللہ کہتا ہے میں ایک روز امام علیہ السلام کی خدمت  
 میں حاضر ہوا دیکھا آپ کے جسم اقدس پر بہت بوسیدہ لباس  
 ہے۔ آپ نے فرمایا اے سعید میں چاہتا ہوں کہ ایک قمیض خرید  
 کروں۔ میں نے عرض کی مولا آپ قمیضوں زحمت فرمائیں میں  
 خریدے لاتا ہوں۔ فرمایا نہیں اپنے حسب حال میں ہی خریدو لگا  
 الغرض حضرت بازار کی طرف پہلے میں بھی ساتھ ساتھ چلا  
 آپ نے ایک دوکان سے چار درہم میں ایک لباس خریدا جو  
 بہت موٹے کپڑے کا تھا میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ  
 یہ تو حضور کے پیشانیہ نشان نہیں۔ میرے پاس روپیہ ہے  
 آپ کوئی اچھی قمیض خرید لیجئے۔ قیمت میں ادا کر دوں گا۔  
 فرمایا کیا خوب اے سعید میرا بازو اٹھانا چاہتے ہو کیا روز  
 قیامت بھی تم میرا بازو اٹھانے کے لئے تیار ہو گے۔ میں خاموش ہو گیا  
 آپ وہ قمیض لے کر چلے راہ میں آپ نے ایک برہمنہ مسلمان کو دیکھا  
 فوراً اس کی طرف تیزی سے بڑھ گئے اور فرمایا اے شخص تو برہمنہ  
 کیوں ہے اس نے کہا یا بن رسول اللہ کیا کروں عیال دار  
 آدمی ہوں جو کچھ کماتا ہوں وہ اہل و عیال کے لفافے میں خرچ کر دیتا  
 ہوں۔ اتنا لباس انداز نہیں ہوتا کہ تن پوشی کروں۔ آپ نے  
 فوراً وہ قمیض اس کو دے دی۔ میں نے دیکھا کہ حضور پہلے سے ہمیں

زیادہ مناشا لبشاش تھے۔ جب حضرت آگے بڑھے تو میں  
 نے عرض کی یا بن رسول اللہ ایسی حالت میں جبکہ آپ کو  
 خود اس قمیض کی حاجت تھی آپ نے اس کو کیوں دے دی  
 فرمایا وہ فحش سے زیادہ اس کا مستحق تھا۔ میرے بدن پر لباس  
 ہے اگرچہ بوسیدہ سہی اور وہ بالکل برہمنہ تھا۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زہد

آپ کا لباس اکثر اوقات موٹے کپڑے یا کپڑے کا ہوتا تھا جس  
 سے آپ کے بدن مبارک کو سخت اذیت پہنچتی تھی۔ اس کپڑے کے  
 لباس میں بھی پوند لگے رہتے تھے آپ کے ایک صحابی یہ لباس  
 دیکھ کر کڑاٹھنے لگے۔ فرمایا یاد رکھو جو عیال دار نہیں اس کے  
 پاس ایمان نہیں جو اندازہ آمد و خرچ نہیں رکھتا وہ  
 فارغ البالی نہیں ہو سکتا۔ جو پرانا نہیں پہنتا وہ اپنے  
 غرور کو راہ دیتا ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کو خاک  
 پر بیٹھے ہوئے دیکھا عرض کی یا بن رسول اللہ وہ فرش  
 آپ کا کیا ہو جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے فرمایا ایک شخص کو  
 میں نے سردی میں ٹھٹھرتے دیکھا اس سے پوچھا اگر فرش تھے سردی



سے بچا سکتا ہو تو حاضر ہے۔ اس نے کہا بے شک میں نے  
اسی وقت وہ فرشتے اس کو دے دیا۔ میں نے عرض کی  
مولا پھر آپ کب تک زمین پر بیٹھیں گے۔ فرمایا اگر  
عمر بھر مجھے زمین پر بیٹھنا پڑے تو میں نہ اُکتاؤں گا  
اے شخص! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مع اصحاب زمین  
پر بیٹھا کرتے تھے۔ اگر میں بیٹھا ہوں تو تم کو کیوں تعجب  
ہوتا ہے۔

## حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کا زہد

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا مرتبہ زہد میں بہت زیادہ تھا  
بارہون رشید کہا کرتا تھا کہ بنی ہاشم میں میں نے موسیٰ بن جعفر  
سے زیادہ کسی کو زہد نہیں پایا۔ آپ کا لباس، طعام اور سارا  
زندگی سب زہدانہ تھا۔ آپ کی عمر کا بیشتر حصہ یعنی پندرہ سا  
زندگیاں میں گزرا۔ زندان رکے محافظ آپ کی زہدانہ زندگی دیکھ  
کر حیرت میں آ گئے۔

## حضرت امام رضا علیہ السلام کا زہد

موسم گرمیاں آپ کے بیٹھنے کا فرش بوریا ہوتا تھا۔ اور  
سردی کے زمانہ میں کمبل۔ گھر میں پہنے کا لباس بہت موٹا  
کھرا اور بھاری ہوتا تھا۔ اس سے بدن کو سخت تکلیف پہنچتی  
تھی۔ لیکن جب باہر نکلتے تو اس خیال سے کہ لوگ نخل کا طعنہ  
نہ دیں اچھا لباس پہن لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینے کے ایک  
عالم نے آپ کو ریشمی لباس پہنے دیکھا اعتراض کیا آپ نے  
اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں داخل کیا کہ دیکھو اس کے  
نیچے کمبل کا لباس ہے ریشمی لباس صرف لوگوں کو دکھانے  
کے لئے ہے کہ زہد ریاکار نہ کہیں۔ اور کمبل کا لباس اپنے



نفس کو تعب میں ڈالنے کیلئے ہے۔

جب مامون نے امام علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنایا تو آپ کیلئے اپنے قصر کا ایک حصہ مخصوص کیا۔ آپ نے فرمایا میں اس میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ ایسے قصر سلاطین کے لئے شایاں ہیں۔ نہ کہ ہم اہلبیت کے لئے۔ اس نے پوچھا پھر آپ کیسے مکان کو پسند کرتے ہیں۔ فرمایا بہت معمولی مکان جس میں کوئی تکلف نہ ہو۔ تعیش کا کوئی سامان نہ ہو۔ دروازہ پر چوکیدار نہ ہو کسی کے آنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ زمین پر حصیر کا فرش ہو۔ مامون نے کہا آپ میرے ولی عہد ہیں آپ کیلئے ایسا مکان زیبا نہیں فرمایا میں ایسے مکان کو پسند کرتا ہوں۔ آخر مامون نے مجبور ہو کر کہا جو مکان آپ کو پسند ہو اس میں رہائش اختیار کیجئے آپ نے محل شاہی کے قریب ایک بوسیدہ سا مکان انتخاب کیا اور اسی میں سکونت اختیار کی۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا زہد

بادجو دیکہ آپ مامون رشید جیسے جلیل القدر بادشاہ کے داماد تھے لیکن آپ کو اس رشتہ پر کوئی فخر نہ تھا۔ نہایت سیدھی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جو آپ کا خاندانی طریقہ تھا۔ مدت العمر اسی پر قائم رہے۔ آپ کی بی بی ام الفضل جو

جینر لائی تھی وہ آپ نے علیحدہ ایک مکان میں رکھوا دیا تھا۔ اور ام الفضل سے فرمایا کہ شاہی زندگی بسر کرنا چاہو تو اس مکان میں رہو اور فقیرانہ و زاهدانہ زندگی گزارنا چاہو تو اس مکان میں رہو جہاں میں رہتا ہوں۔ ام الفضل نے آپ کے ساتھ رہ کر فقیرانہ زندگی بسر کرنا پر رضی کی اور اسی لئے وہ اپنے اس رشتہ سے ہمیشہ ناخوش رہی۔

### حضرت امام تقی علیہ السلام کا زہد

ایک بار کسی نے متوکل عباسی سے جھگڑی کھائی کہ امام علی نقی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہت سی دولت اور ہتھیار انھوں نے اپنے گھر میں جمع کر لئے ہیں اور اپنے شیعوں کی ایک فوج خفیہ طور پر تیار کر رہے ہیں۔

متوکل نے ایک فوج بھیج کر آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حکم دیا کہ آپ کے مکان میں جو سامان ہونکال ہو۔ اب جو لوگ مکان کے اندر گئے تو ایک بوریشے اور ایک کبس کے کرتے اور دو تین ظروف گلی کے علاوہ وہاں کچھ بھی نہ پایا متوکل کو جب یہ پتہ چلا تو اس جھگڑے کو سخت سزا دی۔

### حضرت امام حسن عسکری کا زہد



حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار بادشاہ نے بغرض امتحان بہت سے لذیذ کھانے اور بیش قیمت کپڑے آپ کو بھیجے۔ آپ نے وہ سب راہ خدا میں لٹا دیئے کسی دشمن نے بادشاہ سے کہا کہ انھوں نے شاہی عطیات کی کوئی قدر نہ کی اور حقیر سمجھ کر سب لٹا دیئے۔

بادشاہ غضبناک ہوا اور امام علیہ السلام کو طلب کر کے کہنے لگا۔ میں نے جو تحائف بھیجے تھے آپ نے انکو حقیر سمجھ کر نقرہ و مساکین کو دیدیا اور میری توہین کی۔ فرمایا یہ بات نہیں ہم اہل بیت رسول لذات دنیا سے دست کش ہو چکے ہیں ہم جو کھی سوکھی غذا کھانے اور پیوند دار لباس پہننے کے عادی ہیں۔ لہذا جو لوگ مستحق میری نظر میں تھے انکو میں نے دیدی۔

یہ سنکر بادشاہ خاموش ہو گیا۔

### ائمہ علیہم السلام کی سخاوت

سخاوت بھی اخلاقی فضائل میں سے ایک ہے۔ اسکی جانب افراط و اسراف یعنی فضول خرچی ہے اور جانب تفریط و بخل ہے۔ آغاز اسلام میں جبکہ مسلمان انتہائی تنگدست اور پریشا حال تھے اس فضیلت کو زیادہ نمایاں کرنے کی ضرورت تھی۔

اہلبیت علیہم السلام نے اس ضرورت کا پورا احساس کیا اور غریب مسلمانوں کی حاجت براری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اپنے انفوس پر طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں اور دوسروں کی تکالیف کو مٹایا۔ خود فاقے کئے اور دوسروں کا پیٹ بھرا خود پیوند لگائے اور ناداروں کو لباس پہنایا۔ اگر اہلبیت کا دروازہ ارباب حاجت کیلئے کھلا نہ ہوتا تو بہت سے مسلمان فاقے کرتے کرتے مر جاتے یا غیر قوموں کے دست و نگر بن کر اسلام کی بدنامی کا باعث ہوتے۔ اہلبیت کا یہ وہ احسان ہے جسکو دنیا نے اسلام بھلا نہیں سکتی۔

### حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت

واحدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کے پاس چار درہم تھے انکے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک درہم رات کو ایک درہم دن کو ایک پوشیدہ اور ایک ظاہر خیرات کیا پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ الذین ینفقون اموالہم باللیل والنهار سرا وعلانیۃ۔ (جو لوگ اپنے اموال کو خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں خفیہ اور ظاہر ایں ان کیلئے عند اللہ اجر ہے۔ اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ حزن)



ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابو ذر غفاری سے مروی ہے کہ ایک دن میں جناب رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا کسی نے کچھ نہ دیا۔

جناب امیر نماز میں تھے آپ نے داہنے ہاتھ کی چھنگلی سے اشارہ کیا اور انگوٹھی اسکو عطا فرمائی پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تمہارا دلی خدا ہے اور اس کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں ورنہ آخالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کی سخاوت کو ان کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مطالب السؤل میں ہے کہ جب محقق ابن ابی عمیر نے معاویہ سے کہا کہ میں تجھ کو غلام سے تیرے پاس آیا ہوں تو معاویہ نے کہا انوس سے ہے تجھ پر تو علی کو بخیل کہتا ہے۔ اگر انکو ایک سونے کا گھر اور ایک بھس کے گھر کا مالک بنا دیا جائے تو قبل اسکے کہ بھس کا گھر تمام ہو سونے کا گھر پہلے تمام ہو جائے گا۔

شعبی نے لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ایسے سخی تھے اور سخاوت کو اتنا دوست رکھتے تھے کہ آپ نے کبھی کسی سائل سے اپنی زبان مبارک لا (نہیں) نہیں کہا۔ وہ اپنے ہاتھ سے یہودی کے خلتان کو سیراب کرتے تھے۔

یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے اور اجرت کے پیسے خیرات کر دیتے تھے اور اپنے پیٹ پر بھوک دہانے کیلئے پتھر باندھ لیتے تھے۔

علامہ کفوی نے طبقات میں لکھا ہے کہ علیؑ ایک کافر سے لڑ رہے تھے اس نے آپ سے کہا آپ کی یہ تلوار مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے یہ مجھے دکھائیے آپ نے فوراً ہاتھ میں دیدی۔ اس نے کہا اب آپ کی تلوار میرے قبضہ میں ہے اب آپ مجھ سے چکر کہاں جائینگے۔ فرمایا تو نے مجھ سے عاجزانہ سوال کیا میری مروت نے تقاضا کیا کہ تیری بھیک کو رد کر دوں اگرچہ تو کافر ہے اب رہا بچنے کا سوال تو حمایت خدا کی سپر میرے لئے کافی ہے۔ یہ سنکر وہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت فرمایا کرتے تھے مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو اپنے مال سے غلاموں کو خرید کر لے لے ہیں اور اپنے احسان سے آزاد لوگوں کو مول لیکر اپنا غلام نہیں بناتے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام کی سخاوت کا بیان اتنا طولانی ہے کہ اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے لہذا ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔



## حضرت امام حسن علیہ السلام کی سخاوت

ایک بار ایک شخص نے امام حسن علیہ السلام سے پچاس ہزار درہم مانگے آپ نے اسے عطا فرمائے اور کہا حال کو بے آگہ اٹھا کر لے جائے۔ جب جمال آیا تو آپ نے اپنی عبا اسے دیدی اور فرمایا مزدوری بھی ہماری طرف سے ہونی چاہیئے۔

ایک روز اس کا ذکر کسی نے معاویہ کے سامنے کیا انھوں نے امام حسن علیہ السلام کو ایک خط میں لکھا ہے میں نے سنا ہے آپ ایک ایک سائل کو پچاس پچاس ہزار روپے دے رہے ہیں کیا یہ اسراف نہیں۔ آپ نے فرمایا لا اسراف فی الخیر۔ نیک کام میں اسراف نہیں ہوتا۔ مجھے حیا آتی تو کہ کسی سائل کے سوال کو رد کروں۔ خدا نے مجھے سلطنت دی ہے۔ اپنی نعمتوں کو مجھ پر جاری فرمایا ہے۔ پس میں اسکی نعمت کو اسکی مخلوق تک پہنچاتا ہوں۔ اگر میں اس کام کو روک دوں تو مجھے ڈر ہے کہ تمہیں اپنی نعمتوں کو مجھ پر نہ روک لے۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی سخاوت

امام حسین علیہ السلام کی سخاوت زبان زد خاص و عام ہے۔ ایک بار اسامہ بن زید سخت بیمار ہوئے۔ حضرت انکی عیادت کو تشریف لے گئے قریب پہنچے تو یہ کہتے سنا۔ و انماہ (اے کتنا بڑا غم ہے) حضرت نے پوچھا بھائی تم کو کیا غم ہے۔ انھوں نے کہا ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں اور موت سر پر آ پہنچی اس کے ادا نہ ہونے کا صدمہ موت کی تکلیف سے کچھ کم نہیں۔ آپ نے فرمایا تم فکر نہ کرو تمھارا قرضہ میرے ذمہ رہا۔

اسامہ نے کہا کہ اس قرض کے ادا ہونے سے پہلے کہیں میں مرنہ جاؤں۔ حضرت نے فرمایا تم اطمینان رکھو تمھارے مرنے سے پہلے میں یہ قرض چکا دوں گا۔ چنانچہ اب اپنے گھر تشریف لے گئے اور قرض خواہوں کو بلا کر قرضہ چکا دیا۔

مروان حاکم مدینہ ایک بار فرزدق شاعر سے ایسا ناراض ہوا کہ اسکو شہر بدر کرنے کا حکم دیدیا۔ وہ پریشان امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا مجھے چار ہزار درہم کی ضرورت ہے تاکہ جلاوطن ہو کر جہاں میں جاؤں وہاں چین سے رہوں۔ آپ نے اسکی حاجت پوری کر دی۔ کسی نے کہا فرزدق لا ابائی آدمی ہے اور شاعری پیشہ ہے حضور نے اتنی بڑی رقم کیوں اسکے حوالے کر دی۔ فرمایا سب سے بہتر مال وہ



ہے جس سے تم اپنی عزت بچاؤ۔ میرے نانا نے کعب بن زہیر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

ایک اعرابی مدینہ میں آکر پوچھنے لگا اس شہر میں سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بتا دیا۔

وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی تعریف میں تین شعر پڑھے۔ آپ نے اپنے خادم سے پوچھا حجاز کے مال میں سے تیرے پاس کس قدر باقی ہے۔ عرض کی چار ہزار دینار آپ نے وہ رقم ایک کپڑے میں باندھی اور خادم سے کہا اس سائل کو بلالاجب وہ آیا تو آپ نے در کی آڑ کے کردہ رقم عطا کی اور تین شعر اسکے اشعار کے جواب میں فرمائے جن کا مضمون یہ تھا۔ اسکو لے لے اور میں تجھ سے اس قبیل رقم کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔ مگر یقین کر کہ مجھے تیرے حال پر شفقت ضرور ہے۔

اگر حکومت کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہوتی تب تو دیکھتا کہ ہماری بخشش کا بادل کس طرح اوپر برستا۔ مگر حالات زمانہ ہمیشہ بدلتے ہیں۔ میرا ہاتھ اس وقت تنگ ہے۔ اعرابی یہ سنکر رونے لگا۔ فرمایا اب تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ شاید کم دینے پر رورہا ہے۔ اس نے کہا یہ بات نہیں بلکہ

میں اس لئے روتا ہوں کہ ایسے کریم النفس وجود کو ایک دن خاک میں لٹا ہے۔

عبدالرحمن اسلمی آپ کے کسی فرزند کے معلم تھے۔ انھوں نے سورہ حمد زبانی یاد کرا دیا تھا۔ حضرت کی خدمت میں ان صاحبزادے کو لے جا کر تمام سورت سوا دی آپ بہت خوش ہوئے اور معلم کو ایک ہزار دینار اور بیت سے لباس دیئے اور اس کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ کسی نے حضرت سے اس کثیر بخشش کا سبب پوچھا۔ فرمایا میری بخشش انکی بخشش کے برابر نہیں ہو سکتی۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی سخاوت

بارجود تنگ دستی کے امام زین العابدین علیہ السلام اپنے فقر کی برابر امداد کرتے رہتے تھے اور اپنے کندھے پر لاد کر خرموں اور روٹیوں کو لے جاتے اور ان کے گھروں پر پہنچاتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ میں بہت سے غریب لوگ روزانہ کھانا پاتے تھے اور ان کو پتہ نہ چلتا تھا کہ کون دے گا ہے۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے رحلت فرمائی اور غریبوں کو کھانا نہ پہنچا تب پتہ چلا کہ راتوں کو کھانا دے جاتے



دا لے علی بن الحسین تھے۔

لکھا ہے کہ جب حضرت کو غسل میت دینے کے تو ایک سیاہ داغ آپ کی پشت پر نظر آیا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اہلبیت میں سے کسی نے بیان کیا۔ راتوں کو آنے کی پوری اٹھا کر فضا کے دینے کو تقسیم کرنے دیتے تھے۔ ہماری خیرات علی بن الحسین کے مرنے سے جاتی رہی۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی سخاوت

امام محمد باقر علیہ السلام بھی اپنے آباد اجداد کی طرح بڑے سخی تھے۔ ہمیں کسی سائل کو آپ نے ناکام واپس نہ کیا آپ ایک بار پودہ وقت کے فاقہ سے تھے کہ دو ہزار دودھیم قحس کا کہیں سے آیا آپ نے وہ تنگہ ست سادات پر سب تقسیم کر دیا۔ اہلبیت میں سے کسی نے کہا آپ نے اپنے اہل عیال کا بچہ لحاظ نہ کیا۔ ہم فقر و فاقہ کے عادی ہیں۔ ہم کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ برخلاف دوسروں کے کہ وہ تھکا جاتے ہیں اور خدا کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔ میں نے گوارا نہ کیا کہ میرے خالق و معبود کی شکایت کسی متکبر و محتاج کی زبان پر آئے۔ ہمارا شکر اے فضل سے ہر حالت میں برقرار رہتا ہے۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سخاوت

حضرت کے خادم خاص معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو امام علیہ السلام کو میں نے محلہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے دیکھا میں بھی ساتھ ہو لیا۔ راہ میں کوئی چیز حضرت کے پاس سے گری۔ میں اٹھانے کو بڑھا دیکھا تو بہت سی روٹیاں زمین پر بکھری پڑی ہیں میں ان کو اٹھا اٹھا کر دیتا جاتا تھا اور حضرت اس کھیلے میں جواب کے دوش مبارک پر رکھا بھرتے جاتے تھے۔ میں نے عرض کی یھتیکہ مجھے دے دیجئے۔ آپ اس پر راہی نہ ہوئے۔ محلہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر دیکھا کہ کچھ لوگ بڑے سو رہے ہیں۔ آپ نے ایک ایک روٹی ہر ایک کے سر پرانے رکھ دی۔ میں نے پوچھا کیا یہ سب حضور کے شیعوں میں فرمایا اگر شیعوں ہوتے تو روٹیوں کے ساتھ ان کے لئے کچھ تالین بھی لاتا۔ اے معلیٰ یاد رکھو رات کا صدقہ خدا کی آتش غضب کو بجھاتا ہے اور بڑے بڑے گناہ کو مٹاتا ہے۔ حساب و کتاب کو ہلکا کرتا ہے اور دن کی خیرات عمروال کو زیادہ کرتی ہے۔ اے معلیٰ خیرات کو صرف آدمی ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے۔ بلکہ اس کے مستحق جانور بھی ہیں۔ چنانچہ ہر پرنی



ایک بار دریا کے کنارے پہنچے تو آپ نے اپنے کھانے کی روٹیوں میں سے ایک روٹی نکال کر پانی میں پھینک دی کسی نے کہا آپ رزق خف کو یوں ضائع فرماتے ہیں فرمایا اس کو دریائی جانور کھائیں گے۔ اور اس کا ثواب ملے گا۔

ابو جعفر خضعی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک قلیل میں کچھ روپیے دے دیے اور فرمایا فلاں مرد ہاشمی کو دے آؤ اور ایک فرضی نام بتا کر فرمایا کہ اس سے کہہ دینا اس شخص نے بھیتے ہیں۔ میں نے وہ روپیہ پہنچا دیا۔ وہ فرضی نام کا بہت شکر گزار ہوا۔ اور کہنے لگا خدا جزا سے غیر دے کہ وہ ہمیشہ ہیں اتنا مال بھیجتا ہے کہ اگلے سال تک خرچ کیا کرتے ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام باوجود کثرت مال کے ہمارے ساتھ کوئی سلوک نہیں کرتے۔

فضل ابن ابی مرہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک دن دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ردائے مبارک بچھاے ہوئے ہیں اور اس پر روٹیوں کی بہت کھیلیاں رکھنی ہوئی ہیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے ایک ایک کھیلی اٹھاتے جاتے تھے اور خادم کو بے کر کہتے تھے یہ فلاں کو دینا یہ فلاں کو اور یہ کہہ دینا یہ مال تمہارے لئے عراق سے

آیا ہے۔ جب وہ خادم تقسیم کر کے واپس آئے تو کہنے لگے وہ سب لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں یہ سن کر آپ سجدہ میں گئے اور فرمایا نے لگا خداوند میری گردن کو میرے باپ کی اولاد کے لئے جھکا دے کہ ان کی زبان سے اپنی مذمت سنوں اور دم نہ ماروں۔

بحار الانوار میں ہے کہ معنی میں آپ انگور بنا دیے فرماتے تھے کہ ایک سائل آیا آپ نے انگور کا ایک خوشہ اسے دیا اس بد بخت نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ آپ نے واپس لے لیا اسی وقت ایک اور سائل آیا آپ نے صرف تین دانے اس کو دے دیے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

آپ نے پھر دونوں ہاتھ بھر کر انگور دے دیے۔ اس نے پھر خدا کا شکر ادا کیا۔ آپ نے تیس درہم بھی دے دیے۔ وہ پھر خدا کا شکر بجا لایا۔ آپ نے اس مرتبہ اپنا لباس اتار کر اسے دے دیا۔ اب اس نے کہا جزاک اللہ۔ راوی کہتا ہے اگر وہ پھر شکر خدا بجا لاتا اور حضرت کو دعائے دیتا تو آپ اسے کچھ اور بھی عطا فرماتے۔

ایک بار ایک فقیر نے آپ سے سوال کیا۔ غلام سے فرمایا چار سو درہم اسے دیدو۔ وہ سائل شکر ادا کرتا ہوا چلا آپ نے غلام سے فرمایا۔ اسے بلا لے۔ فقیر ڈرا کر شاید



عطیہ واپس لے لیں۔ لیکن جب حضرت کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا بہترین خیرات یہ ہے کہ مرد مستحق کو غنی کر دیا جائے جو کچھ بچھے دیا گیا ہے وہ میرے خیالی میں کم ہے لہذا یہ انکو ملے گی بچھے اور دیتا ہوں۔ اس کی قیمت دس ہزار درہم ہے۔ وقت ضرورت اسے فروخت کر ڈالنا۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی سخاوت

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنی اس نصیبت کے زیادہ نمایاں کرنے کا موقع بہت ہی کم ملا کیونکہ تقریباً پندرہ سال آپ قید خانوں میں رہے۔

مولا بہ انتہائے اسیری گذر گئی  
زندانی میں جوانی و پیری گذر گئی

تاہم آپ برابر نادر مومنین کی مدد کرتے رہتے تھے ایک بار ایک سائل آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا میں مفروض ہوں چار سو درہم کا۔ آپ نے وہ اس کو عطا فرمائے اس نے کہا میرا لباس بوسیدہ ہو گیا ہے آپ نے اپنا ملبوس عنایت کیا۔ اس نے کہا میرے پاس سواری نہیں۔ آپ نے ایک گھوڑا اس کو دیا۔ اس نے کہا مجھے راستہ معلوم نہیں آپ نے اپنا غلام ساتھ کیا۔ حضرت کی یہ سخاوت

بکھ کر اس نے کہا مولا۔ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے تو صرف اہل بیت کے احسانات کی جامع کرنے آیا تھا۔ ایک دولت مند انسان ہوں۔ یہ پانچ ہزار درہم بطور نقد آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ یہ مال غنیمت ہے یا نہ منکر کروہ لے لے تو اسی وقت سادات کو بلا کر تقسیم کر دے۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کی سخاوت

ایک روز ماموں نے آپ کی خدمت میں دس ہزار دینار بکھے آپ ان کو اپنی ضرورتوں پر صرف کریں۔ آپ نے وہ سب ہزار و مساکین پر تقسیم کر دے۔ جب ماموں کو بتہ حلا تو اس بہت ناگوار ہوا کہنے لگا میں نے وہ رقم آپ کے ذاتی مصارف کی تھی نہ کہ لٹانے کے لئے۔ فرمایا میں اس کا مستحق نہ تھا۔ اسے ذاتی مصارف ہی کیا ہیں جن میں خرچ کرتا۔ میرا بوریہ کہ اقد ثابت ہے لباس جو مدینہ سے لایا تھا موجود ہے۔ ان جو اس کھانے کو مل جاتا ہے جب مجھے کسی چیز کی حاجت ملے تو تمہارے عطیہ کو کس چیز میں صرف کرتا۔ ایک سائل نے آپ سے کہا میں حاجت مند ہوں۔ لہذا اپنے جو صلے کے میرے ساتھ احسان کیجئے۔ فرمایا اشی



گنجائش نہیں، عرض کیا تو پھر میری حیثیت کے مطابق عطا ہو  
 فرمایا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر غلام کو حکم دیا کہ دو سو  
 اشرفی اس کو دے دے۔ احمد بن محمد غفاری کہتے ہیں کہ ایک شخص کا  
 میرے اوپر قرضہ تھا جب اس نے سختی سے مانگا تو  
 میں نے نماز جمعہ پڑھ کر امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں  
 جانے کا ارادہ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو آپ ہمیں کثرت سے  
 لے جانے والے تھے۔ میں نے عرض خالی کیا اور خواہش  
 کی کہ حضور قرض خواہ سے فرمادیں کہ اتنا شدید تقاضہ نہ کرے  
 اس کا مطلق نہ کر نہ آیا کہ قرضہ کی تعداد کیا ہے۔ فرمایا میرے  
 واپس آنے تک یہاں بیٹھو، میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت  
 واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا اس فرس کا کونہ الٹا  
 اور جو اس کے نیچے ہو لے لے۔ میں نے دیکھا کہ دینار پیا  
 چمکے سے ان کو اکٹھا لیا اور اپنے گھر چلا آیا۔ اب جو ستار  
 کیا تو اڑتا لیس تھے اور ایک دینار پر لکھا تھا تیرا قرضہ  
 ۳۸ دینار ہیں وہ ادا کر کے جو بیسی دینار بچیں وہ اپنے  
 خرچ میں لانا۔ میں حیران رہ گیا کہ امام کو میرے قرضہ کی  
 تعداد معلوم کیسے ہوئی۔  
 ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ میں ج

کر کے آ رہا ہوں اور جو روپیہ لے کر چلا تھا وہ ختم ہو گیا اب  
 اتنا نہیں کہ گھر واپس جاؤں اگر آپ مجھے اتنا روپیہ دے دیں  
 تو وطن تیو بخ کر آپ کی طرف سے وہ روپیہ تصدیق کر دوں گا۔  
 چونکہ میں آنسو وہ حال ہوں اس لئے سفیرات کا مستحق نہیں۔  
 آپ اندر تشریف لے گئے اور دروازہ سے اندر سے ہاتھ باہر  
 نکال اور فرمایا لے مرو خراسانی یہ دو سو دینار لے اور وطن  
 جانے کا سامان کر، ہماری طرف سے ان کو سفیرات کرنے کی ضرورت  
 نہیں۔ یہ ہم نے تجھی کو دے دے۔ لیکن اب تو یہاں سے  
 نصرت ہو جاتا کہ میں تجھے نہ دیکھوں اور تو مجھے، جب وہ  
 بلا گیا تو کسی نے کہا حضور نے احسان میں کوئی کمی نہیں کی۔  
 پھر منہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا اس خالی سے  
 کہ اس کے سوال کرنے اور حاجت روا ہونے کی ذات  
 کو اس کے چہرے پر نہ دیکھوں کیا تو نے حضرت رسول خدا  
 کی یہ حدیث نہیں سنی کہ نیکی کو چھپانے والا ستر حجوں کا  
 تاب پاتا ہے اور بدی کا اظہار کرنے والا ذلیل ہے  
 اور اس کو چھپانے والا مغفور ہے۔  
 ایک روز امام علیہ السلام نے خراسان میں روزِ عرفہ  
 اپنے گھر کا تمام سامان راہِ خدا میں نسا دیا۔



## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی سخاوت

حضرت کا دروازہ بخشش کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح آپ کی ہمت بہت بلند اور حوصلہ بہت فراخ تھا۔ دینے کے بہت سے مساکین آپ کے در سے وظیفہ پایا کرتے تھے کوئی مستحق ایسا نہ تھا کہ آپ کے در سے ناکام جاتا ہو۔ باہر کے محتاجوں کے لئے حضرت اپنے وکیلوں کے پاس روپیہ بھیج دیتے تھے۔ مدینے کے مساکین علاوہ نقد کے کھانا بھی پاتے تھے لیکن یہ تمام خیرات ایسے خفیہ طریق سے ہوتی تھیں کہ کسی کو سہ نہ ملتا تھا۔ اکثر راتوں کو آپ خود کھانا لے کر مدینے کی گلی کو چوں میں گھومتے تھے اور جب کسی کو دینا ہوتا تو در و دیوار کی آڑ لے کر یا منہ پر نقاب ڈال کر دیتے۔

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی سخاوت

امام علی نقی علیہ السلام کے در دولت پر صبح شام یتیموں اور سگینوں کا ہجوم رہتا تھا۔ غریباں کا بجا اس راہ میں بڑھ جاتے تھے جس طرف سے امام علیہ السلام کا گزر ہوتا تھا۔ باوجودیکہ آپ سامہ میں نہایت عسرت کی زندگی بسر فرماتے تھے مگر کبھی کسی سائل کو در سے محروم نہ جانے دیتے تھے، کم سن یتیموں کو اپنے

سامنے بٹھا کر بڑی شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھرتے تھے اور ان کی ہر طرح ناز برداری کرتے تھے۔ رات کو یتیموں، یتیموں اور محتاجوں کے کمر کھانا خود لے جا کر پہنچاتے تھے۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی سخاوت

علی بن ابراہیم بن جعفر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار افلاس سے میری حالت بہت خراب ہو گئی۔ میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ ہم امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس چلیں وہ بہت سخی ہیں ضرور ہماری حاجت روائی کریں گے۔ عرض ہم دونوں روانہ ہوئے، راستہ میں میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ مجھے حضرت سے پانچ سو درہم ملنے کی امید ہے۔ اگر ایسا ہو تو دو سو درہم میں کرے بڑا لیں گے اور بقیہ تین سو کھانے وغیرہ میں خرچ کریں گے۔ جب ہم حضرت کے در دولت پر پہنچے تو دربان سے اطلاع کرائی، تھوڑی دیر بعد ایک غلام آیا اور کہا چلے امام آپ کو بلا رہے ہیں۔ ہم دونوں اندر گئے۔ حضرت نے فرمایا کیا شے مانع تھی کہ اب تک تم نے اپنا حال مجھ سے نہ کہا۔ میرے باپ نے کہا، حیا مانع تھی اس کے علاوہ پچھلے کپڑوں سے آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔



اور کچھ دیر بعد بغیر کچھ عطا فرمائے اسی خادم کے ساتھ رخصت کر دیا۔ جب ہم دروازہ پر پہنچے تو اس خادم نے پانچ سو درہم کی تھیلی میرے باپ کو دے کر کہا۔ اس میں سے دوسو درہم کپڑے میں خرچ کرنا اور تین سو دوسری ضرورتوں میں پھر دوسری تھیلی اور نکالی اور کہا اس میں تین سو درہم ہیں سو درہم کپڑوں کے لئے سو خرچ خانہ داری کے لئے اور سو سواری خریدنے کے لئے۔ اور کہا حضرت کا یہ بھی پیغام ہے کہ میں تم کو کوہستان میں سفر کرنے کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ بجائے اس کے فلاں موضع میں چلے جاؤ وہاں بہت جلد خدا تمہاری عمرت دور کر دے گا۔ (روضۃ الصفا)

اسمعیل بن محمد کا بیان ہے کہ اک بار میں سربراہ بیٹہ گیا تاکہ امام حسن عسکری علیہ السلام اوصہر سے گزرے تو عرض حال کروں۔ چنانچہ جب حضرت تشریف لائے تو میں نے شرعی قسم کھا کر کہا کہ میں اس وقت سخت محتاج ہوں ایک پیسہ میرے پاس نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں جھوٹی قسم کھاتا ہے کیا تو نے دوسوا شرفیاں زمین میں دفن نہیں کیں، میں نے بیسن کر سر جھکا لیا۔ آپ نے فرمایا میں نے اس عرض سے نہیں کہا کہ تجھے کچھ دوں نہیں پھر غلام سے فرمایا جو کچھ ترے پاس ہے دے دے۔ اس نے سو

اشرفیاں میرے حوالے کیں۔ جب میں اس روپے کو لے کر چلنے لگا تو حضرت نے فرمایا یاد رکھو جس دھینے کو تم نے جائز مصارف کو روک کر بچا رکھا ہے وہ تمہاری کسی ضرورت میں کام نہ آئے گا۔ اسمعیل کہتا ہے حضرت کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی۔ میں نے جو زمین کھود کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

اہلبیت کی سخاوت کے متعلق ایک امر واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہلبیت کے پاس اتنا روپیہ آتا کہاں سے تھا جو اس طرح بے دریغ ہزار ہا دینار اور درہم تھا جوں کو دے دیتے تھے۔ ان کا سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بادشاہ ان سے خوش عقیدہ نہ تھے۔ جوان کی مدد کرتے۔ وہ خود کوئی ایسا پیشہ نہ کرتے تھے جس سے ہزار ہا روپیہ پیدا ہوتا۔ وہ جب خود فاقے کرتے تھے ننگ دست رہتے تھے تو آخر سخاوت کرنے کے لئے کہاں سے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو سادات کے اوقاف کے ہمارے ائمہ متولی تھے۔ دوسرے پیر و ان اہلبیت زکوٰۃ و خس کا روپیہ ہمیشہ اپنے امام زمانہ کے پاس بھیجا کرتے تھے کبھی خفیہ، کبھی علانیہ، یہی وجہ تھی کہ سلاطین زمانہ ان سے



بدظن رہتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ اپنا اقتدار بڑھا کر ہم پر  
خروج کرنا چاہتے ہیں حالانکہ تحقیق حال کے بعد ان کا یہ خیال  
ہمیشہ غلط ثابت ہوتا رہا۔ جو رقوم اس طرح کی آتی تھیں یہ حضرت  
ان کو مستحقین پر صرف کر دیتے تھے۔ اپنا ذات کو کوئی نفع نہ  
پہنچاتے تھے خود یا تو اپنی ذاتی آمدنی سے اپنا کام چلاتے  
تھے جو باغات وغیرہ کے سلسلہ میں حاصل ہوتی تھی یا محنت مزدوری  
کرنے سے اور یہ صورتیں نہ ہوتی تھیں تو پھر رقم خمس میں سے  
بقدر قوت لایوت کوئی رقم لے لیتے تھے۔

## د، ائمہ علیہم السلام کا صبر

عبر انسان کی بہترین صفت ہے کیوں کہ خدا صابرین کے  
ساتھ ہے۔ ان اللہ صابرین خدا کی بشارتیں صابرین  
کے لئے ہیں صبر کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی مصیبت انسان پر  
نازل ہو تو خدا کی طرف رجوع کرے اور اس کی شکایت زبان  
پر نہ لائے بہت سے لوگ ادنیٰ ادنیٰ مصیبت میں خلاق عالم کا  
شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً بارش زیادہ ہوئی۔ انھوں نے  
کہنا شروع کیا برسا ہے ہی چلا جاتا ہے یا بارش کیا ہے غلاب ہے  
اولاد زیادہ ہوئے لگی تو لوگوں نے شکایت کا دفتر کھول دیا  
وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جہاں انسان حکمت الہیہ

پر اعتراض کرنے لگتا ہے۔ یہ صبر کے منافی ہے۔ صابرین پر چاہے  
کنیسی ہی سخت سے سخت مصیبت آئے کبھی خدا کی شکایت  
زبان پر نہیں لاتے۔ رجوع الی اللہ میں کوئی فرق پیدا نہیں  
ہوتا۔ توکل کی باگ ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ ہمارے امک میں یہ  
صفت جس شان سے پائی جاتی تھی۔ امت محمدیہ میں اس کی  
مثال ڈھونڈی نہیں ملتی۔ یہ غلط خیال ہے کہ مصیبت میں رونا  
بے صبری ہے۔ رونا تو ایک فطری چیز ہے۔ اسلام اس کے خلاف  
کیوں کر حکم دے سکتا ہے جس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔  
وہ فطرتاً روتا ہی ہے ہنستا نہیں۔

## حضرت علی علیہ السلام کا صبر

جناب امیر علیہ السلام نے ان تمام مصائب پر صبر کیا جو حضرت  
رسول خدا کی وفات کے بعد پیش آئے۔ لوگوں کا رسول خدا کو جناب  
امیر کی خلافت کی وصیت کرنے سے روکا۔ اصحاب کا دفن رسول  
میں شرکت نہ کرنا۔ جناب امیر سے بیعت طلب ہونا۔ جناب  
سیدہ کے پہلو پر ایک آتش مزاج انسان کا دروازہ گرانا  
جس کے صدمہ سے خاتون جنت کا محل ساقط ہو گیا۔ جناب  
امیر کا حق خلافت سے محروم کیا جانا۔ ان کا پیش کردہ قرآن  
رد کیا جانا وغیرہ وغیرہ بہت ایسے سخت مصائب تھے کہ دوسرا



تا تو یا زندگی سے اکتا کر خودکشی کر لیتا یا اپنے دشمنوں سے لڑتا یا خدا کی شکایت میں زبان کھول دیتا۔ مگر جناب امیر السلام نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ کی۔ صابر رہا ہے جو مصلحتِ وقت کو سمجھتے ہوئے انتقامی جذبہ کو مٹانے نہیں دیتا۔ صابر انسان عواقبِ امور پر نظر رکھتا ہے۔ حقوڑے سے فائدہ کو زیادہ نقصان پر ترجیح نہیں دیتا۔ صبر کرنے میں جناب امیر علیہ السلام کو انتہائی تکلیف کا مناسکرا پڑا جیسا کہ خود فرماتے ہیں فصیحت و فی العین نہ می و فی الخلق شی (میں نے صبر کیا اس عالم میں کہ جس میں خار و غم کی کھڑک تھی اور خلق میں اچھو لگا ہوا تھا) ان التحدید کا یہ کہنا اسی بالکل صحیح ہے کہ ایسے سخت مواقع ملے جیسے بہادر کا شلوار کو نیام میں رکھنا سوائے علیؑ کے کسی سرے کا کام نہ تھا۔ اگر اسلام کی بہبودی پیش نظر نہ ہوتی تو علیؑ کی تلوار روکے سے نہ رکتی۔

### حضرت امام حسن علیہ السلام کا صبر

امام حسن علیہ السلام نے اپنے صبر و ضبط کا جو مظاہرہ کرایا اپنی نظر آپ ہے حضرت رسول خداؐ کی وفات کے بعد جو ناروا بناؤ مسلمانوں نے ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے والد ماجد

کے ساتھ کیا۔ وہ ایک انسان کے جذبات کو بے قابو کر دینے کے لئے بہت کافی تھا مگر آپ ہر ہر موقع پر صبر سے کام لیتے رہے۔ امیر معاویہ نے آپ کے خلاف جو سازشیں کیں حضرت علیؑ علیہ السلام پر سا لہا سال تبرا کرایا۔ پستخوار و ستانِ اہلبیت کو قتل کرایا۔ ان کی فوج میں بغاوت پھیلانی۔ شتر لٹا۔ صلح نامہ پر ایک دن عمل نہ کیا۔ سالانہ جو قسم ادا کرنا معاہدہ میں تھا ایک سال بھی وہ رقم آپ تک نہ پہنچی۔ جدہ بنتِ اشعث کے ذریعہ سے آپ کو زہر دانا اس قسم کے بہت سے تکلیف دہ واقعات آپ کو اپنی زندگی میں پیش آئے لیکن آپ نے ان سب منزکوں کو صبر سے جھیل دیا۔ اور فتنہ و فساد کی ابتدا کسی وقت بھی اپنی طرف سے نہ ہونے دی۔ آپ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے تھے لیکن آپ نے اپنے جذبہ انتقام کو عقل کی گرفت سے نکلنے نہ دیا اور اپنے دامنِ عصمت پر ناحق خونِ نری کا دھبہ نہ آنے دیا۔ شکر معاویہ سے جو حقوڑی بہت خگ ہوئی اس کی ابتدا خود معاویہ نے کی۔ جس کا دغنیہ امام علیہ السلام پر واجب ہوا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر  
اس پیکر صبر کا حال اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک



دفتر ہو جائے امام حسین علیہ السلام کا صبر نہ کسی سے ہوا نہ ہوگا۔  
زندگی کے تمام واقعات چھوڑ کر اگر صرف واقعہ کربلا کو لیا جائے تو  
دنیا کا صبر اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتا۔ جناب ابوب  
بکر صابر تھے مگر صبر سینی کے مقابل ان کا صبر بھی دریا کے مقابل  
ایک قطرہ بن جاتا ہے۔ کربلا میں جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے  
ہلاؤں کا ہجوم ہوا کون نہیں جانتا۔ لیکن حسین جیسے صابر کے لب  
کسی وقت اور کسی حالت میں بھی شکوہ سے آشنا نہ تھے۔  
مصیبت کے وقت جو کلمہ ان کی زبان سے نکلتا وہ انا للہ  
وانا الیہ راجعون ہوتا تھا۔ جس کا روح صبر کے پیکر کی ایسا ایک  
رنگ میں دوڑی ہوتی ہے۔ وہ نہ کسی مصیبت میں گھبرائے نہ  
ہجوم بلا سے اکتائے۔ بلکہ جس قدر مصائب کا ہجوم زیادہ ہوتا  
جاتا ہے چہرہ مبارک کا رنگ زیادہ سے زیادہ نکھرتا جاتا ہے۔ اسی  
قدر خدا کی طرف رجوع قلب بڑھتی جاتی ہے دنیا نے ان کو مان  
لیا ہے کہ حسین سید الصابرین ہیں صبر میں کوئی بنی ہو یا ولی  
ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو ہم صبر سینی  
پر اتنا لکھتے کہ وہ بجائے خود ایک کتاب بن جاتی۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا صبر  
واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام پر

دشمنانِ اہلبیت نے وہ مظالم کئے کہ ان کے تصور سے کیلچہ  
لرزتا ہے مگر امام علیہ السلام نے ہر مصیبت پر صبر ہی کیا۔ کوئی  
کہہ سکتا ہے کہ صبر نہ کرتے تو کیا کرتے کون سا لشکر تھا جسے  
نے کراٹھ کھڑے ہوتے کون سی قوت تھی جس کا مظاہرہ کرتے  
لیکن خدا سے یہ دعا تو کر سکتے تھے کہ ہم کو ان ظالموں کے پیچھے  
سے نجات دے۔ ان مظالم پر خدا کی شکایت تو کر سکتے تھے کہ  
تو ہماری مدد کیوں نہیں کرتا۔ اپنے ظالموں کے لئے بد دعا تو  
کر سکتے تھے۔ مانا کہ اس وقت دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر تھے  
کچھ کرتے نہ بنتی تھی لیکن قید سے رہا ہونے کے بعد تو بنی  
امیہ کے مظالم بیان کر کے لوگوں کے انتقامی جذبات کو ابھار  
سکتے تھے۔ ابن زبیر کی طرح لشکر جمع کر سکتے تھے۔ اس وقت  
معمولی سا پردہ بگینہ بھی کامیاب ہو جاتا۔ کیوں کہ یزید  
کے ظلم و ستم نے شخص کو اس سے متنفر بنا دیا۔ یہی شہادت حسین  
کا واقعہ تھا جس کی آڑ لے کر ابن زبیر اور سفاح و منصور وغیرہ  
نے اپنے گرد لشکر جمع کیا اور اپنی اپنی سلطنتوں کی بنیاد ڈالی۔  
امام زین العابدین علیہ السلام کی آواز میں ان سے لاکھ درجہ  
زیادہ اثر تھا۔ تمام عرب میں آگ لگ سکتی تھی مگر حقیقت یہ  
ہے کہ اہلبیت کے صبر اپنی کے ساتھ تھے قید سے رہا ہو کر انہوں  
نے انتقام خونِ حسین علیہ السلام کو خدا کے سپرد کیا اور خاموش



بیٹھے رہے اس کو بزدلی نہ سمجھے یہ انتہائی شجاعت کا مظاہر تھا  
اس کو کمزوری نہ کہیے یہ انتہائی صبر کی منزل تھی۔ آپ کو یہ دکھانا  
تھا کہ ہم نے اپنے کو تباہ کر لیا مگر کسی وقت یہ نہ چاہا کہ مسلمانوں  
کی خونریزی کو روک دیاں۔ اپنی طرف سے کسی جنگ کی ابتداء کریں  
ہم جب انتہائی مجبور ہو جاتے ہیں اور دشمن ہمارے سر پر تلواں  
کھینچ کر آ رہا جاتا ہے اور راہ چارہ مسدود ہو جاتی ہے اس وقت  
ہم مجبوراً تلوار کو نیام سے نکالتے ہیں اور حق کھفالت خود اختیار  
کو کام میں لاتے ہیں۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا صبر

امام محمد باقر علیہ السلام بھی بڑے صابر و شاکر تھے آپ کو  
اپنی زندگی میں بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ دوسرا برداشت  
نہ کر سکتا تھا لیکن آپ نے انتہائی صبر و ضبط سے کام لیا۔ غیروں کا  
کیا ذکر خود آنحضرت کے بعض نا عاقبت اندیش اعزہ طرح طرح کی  
ایذا آپ کو پہنچاتے تھے اور آپ کو ذلیل کرنا چاہتے تھے۔ مگر  
آپ نے صبر سے کام لیا۔ شام بادشاہ شام نے آپ پر مصیبت  
کیسا تنگ کیا تھا مگر آپ نے صبر کی باگ ہاتھ سے نہ چھوڑی اور  
اپنے خاندانی طریقہ زندگی کو ہر حالت میں قائم رکھا۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا صبر

اعشی سے منقول ہے کہ ایک روز میں امام جعفر صادق علیہ السلام  
کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت کے صاحبزادوں میں سے ایک بیمار تھے  
ان کی عیادت مجھے منظور تھی میں نے دیکھا کہ حضرت رنجیدہ دروازہ پر  
کھڑے ہیں پھر آپ اندر تشریف لے گئے تھوڑی دیر وہاں قیام کیا۔  
اب جو باہر تشریف لائے تو حالت بدلی ہوئی تھی یعنی وہ سابق پریشانی  
آپ سے ظاہر نہ ہوتی تھی۔ میں سمجھا شاید صاحبزادے کو اب آرام ہے  
حضرت سے حال پوچھنے لگا۔ فرمایا اس نے قضا کی۔ میں نے کہا حضور  
زندگی میں تو پریشان تھے لیکن مرنے کے بعد وہ پریشانی کیسے جاتی  
رہی فرمایا ہم اہلبیت کا یہی قاعدہ ہے کہ نزول بلا سے پہلے مضطر  
پریشان نظر آتے ہیں لیکن جب وہ بلا نازل ہو جاتی ہے تو نقصان  
الہی پر راضی ہو کر صبر سے کام لیتے ہیں اور جو امر اس کی طرف سے  
آتا ہے اس کو خوشی سے تسلیم کر لیتے ہیں رضا بقضائہ تسلیم لا حولہ  
ہم اہلبیت کا خاصہ ہے۔ ہم خدا سے محو عا کرتے ہیں وہ اس کو  
قبول فرماتا ہے لیکن اگر اس کی مصلحت اس دعا کے قبول کرنے  
میں نہیں ہوتی تو ہم اس پر بھی راضی ہو جاتے ہیں اور کبھی اپنے  
زبان سے اس کی شکایت نہیں کرتے۔



## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا صبر

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی نسل سے ایک شخص مدینہ کا حاکم تھا۔ وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بہت تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اور امیر المومنین علیہ السلام کو برے الفاظ سے یاد کیا کرتا تھا۔ آپ کے مخصوص اصحاب نے بار بار عرض کی کہ حضور حکم دیں تو ہم اس گستاخ کو قتل کر ڈالیں۔ مگر حضرت نے ہر بار روکا اور فرمایا بغیر میری اجازت کے ہرگز ایسا نہ کرنا۔ ایک روز حضرت کے جاں نثاروں نے عرض کی اب ہم سے حاکم مدینہ کی گستاخیاں اور دست درازیاں نہیں دیں جائیں۔ خدا کے لئے آپ ہمیں اس سے بدلہ لینے کی اجازت دیں۔ فرمایا اچھا مجھے بتاؤ اس کا مکان کہاں ہے اور وہ کہاں ملے گا۔ لوگوں نے بتایا۔ آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کے گھر کے قریب پہنچے وہاں اس کا ایک سبز و شاداب کھیت تھا آپ نے پنا گھوڑا اس کھیت میں ڈال دیا اور پامال کرنا شروع کیا۔ محسوس ہوا کہ یہ خبر اس حاکم کو پہنچائی وہ باہر نکلا اور بد زبانی شروع کر دی۔ حضرت نے کوئی پروا نہ کی اور چاروں طرف گھوڑا دوڑاتے رہے۔ جب کھیتی خوب روند گئی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کھیتی پر تمہارا کتنا خرچ

ہوا تھا۔ اس نے کہا دو سو دینار آپ نے تین سو دینار اس کے حوالے کر کے فرمایا یہ رقم تو اسی وقت لے لو باقی میرا وار سے امید رکھو۔ انشاء اللہ اس مرتبہ تمہاری امید سے نہیں زیادہ پیدا ہو گا۔ حضرت کے محسن اخلاق دیکھ کر وہ شخص اٹھا اور دست مبارک کو بوسہ دیکر اپنی پہلی گدائی کی موافی مانگنے لگا بے شک دنیا میں کسی شخص کو اولاد انبیاء سے برتری کیا ہماری کاشفہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت اپنے مکان پر تشریف لائے اور اس واقعہ کو بیان کر کے اپنے اصحاب سے پوچھا بتاؤ میرا یہ فعل اچھا تھا یا تم جو کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا جو حضور نے کیا وہی بہتر ہے۔ حضرت نے اس کھیتی کو اس لئے پامال کیا تاکہ وہ جان لے کہ اہلبیت رسول کے قدم کی برکت سے کھیتوں میں امید سے زیادہ نفع پیدا ہوتا ہے ان کا پامال کرنا معمولی سربزری سے زیادہ فائدہ رساں ہے۔

## حضرت امام رضا علیہ السلام کا صبر

امام رضا علیہ السلام جس زمانہ میں بدحیثیت ولی عہد سلطنت مرو میں قیام فرما تھے ایک عباسی عالم کا سردار حضرت سے بہت حسد رکھتا تھا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح حضرت کو مار



کی نگاہوں میں بے وقعت بنا دے مگر کوئی موقع اس کو نہ ملتا تھا۔ ایک روز وہ حضرت کی خدمت میں آیا اور مذہبِ شیعہ کی مذمت کر کے حضرت کو ناسزا الفاظ کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے شخص آخر اس سے تیرا مقصد کیا ہے اس نے کہا تم کو ذلیل کرنا آپ نے فرمایا حاصلِ خدا کبھی ذلیل نہیں ہوا کرتے اس نے کہا میں آپ کو خاصانِ خدا میں سے نہیں مانتا فرمایا میں کب کھتا ہوں کہ تو مان جس کا میں بندہ ہوں وہ تو مانتا ہے۔ اس نے کہا آپ اپنی کرامت دکھائیے تو میں تسلیم کروں۔ فرمایا یہی کرامت کیا کم ہے کہ تو انتہائی گستاخی کر رہا ہے اور میں صبر و ضبط سے کام لے رہا ہوں۔ کیا میں بادشاہ سے تیرا شکرت کر کے تجھ کو کافی سزا نہیں دلا سکتا۔ یہ سکر وہ نام ہوا اور حضرت کے پیروں پر سر رکھ کر کہنے لگا۔ آج سے میں آپ کے محبوبوں میں شامل ہوتا ہوں۔ میں اس ارادہ سے آیا تھا کہ اگر مجھے سختی سے جواب دیا تو میں آپ سے لڑ پڑوں گا۔ اور آپ کو تمام شہر میں رسوا کر دیا لیکن آپ کے اخلاق کا میں گرویدہ ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ اسے بڑے منصب پر فائز ہو کر جو صبر و تحمل آپ نے دکھایا۔ دوسرے ناممکن ہے

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا صبر

امام محمد تقی علیہ السلام سے عباسیہ خاندان کے امرا بہت زیادہ

حذر رکھتے تھے بالخصوص جب سے آپ مامون رشید کے داماد ہوئے عباسی امرا نہیں چاہتے تھے کہ ام الفضل کی شادی آپ سے ہو کیونکہ ان کو خاندانِ اہلبیت سے سخت عداوت تھی لیکن مامون کے ارادہ کو بدلنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس ناکامی نے ان کی مخالفت کو اور زیادہ بھڑکایا۔ اب انھوں نے ام الفضل بنتِ مامون کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور طعن اکہنا شروع کیا کہ تیرے باپ نے تجھ پر بڑا ظلم کیا کہ تیری شادی ایک تنگ دست محتاج، فقیر پسند آدمی سے کر دی تجھ کو کسی شاہزادے یا امیر زادے کے گھر میں جانا چاہیے تھا۔ ام الفضل اول تو یوں ہی ایک بد دماغ عورت تھی۔ کر لیا اور نیم چڑ عایدہ کہ رات دن یہ لوگ اس کو ورغلا تے رہے نتیجہ یہ نکلا کہ شادی کے پہلے ہی دن سے وہ امام علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئی اور پھر اس نے وہ وہ کلیفیں حضرت کو پہنچائیں کہ خدا کی پناہ۔ مگر حضرت نے صبر و ضبط سے کام لیا۔ آپ کے بعض اعزہ بھی آپ کو پریشان کرنے رہتے تھے لیکن آپ کبھی کوئی انتقامی کارروائی نہ کرتے تھے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا صبر

امام علی نقی علیہ السلام کا قیام سامرہ میں تیس سال تک رہا۔



اس مدت میں خلفائے بنی عباس کے ہاتھوں کون سی تکلیف  
 تھی جو حضرت کو نہ پہونچی۔ بالخصوص جا بر متوکل کے ہاتھوں  
 سے۔ لیکن آپ صابر و شاکر رہے متوکل کی سختیاں اور حضرت  
 کا صبر و تحمل دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی باوجودیکہ سیکڑوں  
 شیعوں حضرت کی خدمت میں بغرض زیارت حاضر ہوتے تھے۔  
 لیکن آپ کبھی کسی سے ان مظالم کا حال بیان نہ کرتے تھے جو متوکل  
 آئے دن آپ پر کر رہا تھا۔ اگر آپ ذرا بھی اپنے شیعوں کو اکسا  
 دیتے تو متوکل کی سلطنت میں انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا کیوں کہ  
 سامرہ اور اطراف سامرہ میں بہ کثرت شیعوں موجود تھے۔

### حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا صبر

معتد عباسی نے امام علیہ السلام پر کون سا ظلم کیا جو اٹھا رکھا  
 تھا۔ انتہا یہ ہے کہ جس زمانہ میں آپ قید تھے کسی کو آپ سے  
 ملنے کی اجازت نہ تھی دو سال تک آپ کو ٹھنڈا پانی پینے کے  
 لئے نہ دیا گیا۔ دوروی ٹے زیادہ دن بھر میں غذا دینے کا  
 حکم نہ تھا مگر آپ نے صبر و ضبط سے ان کڑی منزلوں کو جھیلا۔  
 ربانی کے بعد بھی حضرت کو آزادی سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہ  
 کڑی نگرانی تھی کہ خدا کی پناہ۔ لیکن ہر مصیبت پر صبر ہی کرتے  
 رہے۔ کس کی طاقت ہے کہ اہلبیت کا صبر کر سکے۔

ہم نے ایک ایک دودو واقعہ مختصراً لکھ دیئے ہیں ورنہ حقیقت  
 یہ ہے کہ ہمارے اممہ کی عمریں مصائب و آلام میں گزریں۔ دشمنوں  
 نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا مگر وہ خدا کے صابر بندے  
 ہر حال میں خدا کا شکر ہی کرتے رہے۔

### (۸) اممہ علیہم السلام کی تواضع

تواضع کے معنی فروتنی اور انکساری کے ہیں اس کی ضد  
 غرور و تکبر ہے۔ یہ صفت ہمارے اممہ میں بہتر صورت میں پائی  
 جاتی تھی اَللّٰہُ عَلَی الْمَوْصِلِینَ اَعَزُّ عَلَی الْکَافِرِینَ (مومنوں کے  
 سامنے متواضع کافروں کے مقابل بڑے خوددار) انہی کی  
 تعریف میں ہے۔ دیگر فضائل اخلاق کی طرح تواضع بھی ایک  
 وسطی خط ہے۔ اس کے افراط و تفریط میں بھی بہت سی رذیلیتیں  
 پیدا ہوتی ہیں ان صفت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر  
 فرعونیت پیدا نہ ہو، بندگی کی خصوصیات سلب نہ ہوں۔ پھر  
 اس کے ساتھ طریقہ کار ایسا ہونا چاہئے کہ انسان دوسروں  
 کی نظر میں ذلیل نہ ہو جائے اور سفیہانہ حرکات کا صدور اس سے نہ ہو۔

### حضرت علی علیہ السلام کی تواضع

بنو نے اپنی محکم میں روایت کی ہے کہ ابو صالح اپنے



دادا سے نقل کرتا ہے کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک درسم کی کھجوریں خرید کیں اور کپڑے میں باندھ کر اٹھانے لگے۔ میں نے عرض کی امیر المومنین لائے مجھے دیکھئے۔ فرمایا بچوں کا باپ اس بوجھ کے اٹھانے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت نے اپنے اس عمل سے مسلمانوں کو سبق دیا کہ اپنے گھر کا کام کاج کرنے میں شرم نہ کرنی چاہیے۔

احمد حنبل نے اپنی مناقب میں زاذان سے نقل کیا ہے کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ بازار میں درہ ہاتھ میں لئے ٹہل رہے ہیں اور لوگوں کو ٹاکر کھولے ہوئے لوگوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور بوجھ اٹھانے والوں کی مدد کرتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے جاتے ہیں۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ دیکھو آخرت ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے زمین پر انہی بلند کی اور فساد کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور عافیت بخیر متقیوں کے لئے ہے۔ اور فرمایا یہ آیت قدرت والے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور احمد حنبل نے مناقب میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابوالمطربصری کہتا ہے کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو کھجوریں بیچنے والوں کے گروہ میں دیکھا ایک لونڈی رو رہی تھی جناب امیر نے

دے دے کا سبب پوچھا اس نے کہا اس شخص نے ایک درسم کی کھجوریں مجھے دی تھیں میرے آقا نے وہ پھیر دی ہیں یہ واپس لینے سے انکار کرتا ہے۔ حضرت نے دوکاندار سے کہا لے بھائی۔ (۵) یاد کر رہا اس کو اختیار حاصل نہیں اپنی کھجوریں واپس لے لے اور قیمت لوٹا دے اس نے حضرت کو دھکا دیا اور کہنا نہ مانا۔ کسی نے ڈانٹ کر کہا تو جانتا ہے کہ یہ کون ہیں وہ بولا نہیں۔ میں نے کہا یہ امیر المومنین ہیں۔ اس نے کھجوریں واپس لے لیں اور حضرت سے عرض کرنے لگا میری خطا معاف کر دیجئے درجہ سے ناراض نہ رہئے، فرمایا میں تم سے جب ہی خوش رہ لگتا ہوں کہ تم لوگوں کو ہر شے پوری دیا کرو۔ اور خریداروں سے بددیانتی کو روانہ رکھو۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی تواضع

امام حسن علیہ السلام ایک بار چند لڑکوں کی طرف سے نذرے ان کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے لڑکوں نے آپ سے کھانے میں شرکت کی خواہش کی۔ آپ گھوڑے پر سے اترے اور ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ گئے۔ پھر ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئے اور سب کو کھانے پر بلوائے، ایک ایک درسم دے اور فرمایا ان کے احسان کا بدلہ ابھی نہ ہو سکا



فرمادیا اور سو درہم بھی عطا فرمائے میں حضرت کی یہ سخاوت اور تواضع و انکساری دیکھ کر حیران ہو گیا۔

حضرت جب بعزم کربلا مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچے تو عبداللہ بن زبیر ملنے آئے اس وقت حضرت کے پاس ہجرت کے کچھ مسلمان بیٹھے ہوئے عرض حال کر رہے تھے۔ عبداللہ نے چاہا کہ یہ جلد اٹھ جائیں تو میں حضرت سے بات چیت کروں۔ مگر حضرت ان سے برابر دیکھتی اور سلی کی باتیں کرتے رہے۔ عبداللہ کو یہ امر ناگوار ہو رہا تھا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو عبداللہ نے کہا فرزند رسول آپ نے ان لوگوں کو بہت دیر اپنی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع دیا جو کچھ ان کو دنیا کا تقادے دلا کر رخصت کرتے فرمایا لے ابن زبیر زمانہ کی گردش نے ان کو دل شکستہ بنا دیا امر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے میں نے چاہا کہ ان بیکسوں کی پوری داستانِ غم تو مجھ سے سنوں تاکہ ان کے دل کا غبار کچھ کم ہو جائے۔ لے ابن زبیر میں اس نانا کا نواسہ ہوں جو ہر روز بعد نماز صبح اصحاب صفہ کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے اور چاشت کے وقت تک ان کی احوال پرسی کرتے رہتے تھے۔ عمارت بن یزید مردان کا غلام پکا دشمن اہلبیت تھا ایک روز وہ کسی ضرورت سے امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ آپ تواضع اس سے پیش آئے اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ کھچر

کیوں کہ انھوں نے مجھے وہ کھلایا تھا جس کے سوا ان کے پاس کچھ اور نہ تھا اور میں نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس کے سوا کچھ میرے پاس ہے۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کی تواضع

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز امام حسین علیہ السلام سے ملنے کے لئے جا رہا تھا۔ راہ میں ایک مرد مسکین مجھے ملا۔ اور کہنے لگا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے کہا ابو عبداللہ احبین کی خدمت میں۔ اس نے کہا میں بہت مفلوک اجمال ہوں لباس میرا پارہ پارہ ہو رہا ہے پاؤں میں میرے نعلین نہیں، حضرت کی خدمت میں جانے اور عرض حال کرنے کی جرات نہیں ہوتی۔ آپ حضور سے میری سفارش فرمادیں۔ میں اس کو ساکتھ لئے ہوئے حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس کی زوہ حالت دیکھی تو بے چینی کے آثار چہرہ مبارک پر پیدا ہوئے۔ فرمایا اے شخص میرے قریب آؤ مجھ کو فرمایا چلے آؤ غریب غریب کے پاس بیٹھا کرتا ہے۔ وہ شخص بڑھا۔ آپ نے اپنے پہلو میں اس کو جگہ دی۔ اور شفقت سے احوال پرسی کرنے لگے۔ جابر کہتے ہیں میں سفارش کا کوئی کلمہ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے اس کو لباس بھی عطا



کبھی حضرت کی کوئی برائی کسی کے سامنے نہ کی اور حضرت سے اس کو رفتہ رفتہ اتنی عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ ان کی ملازمت ترک کر دی۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی تواضع

امام زین العابدین علیہ السلام کا حسن خلق اور تواضع پسندی تمام مدینہ میں مشہور تھی آپ اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بھی انتہائی تواضع اور نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے آپ کا برتاؤ غلاموں کے ساتھ اس قسم کا تھا کہ اجنبی آدمی کو یہ سچا نہ بتا دیتا تھا کہ کون آقا ہے اور کون غلام۔ ایک بار خراسان کے دو شخص ایک باپ ایک بیٹا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کھانے کا وقت آیا تو آپ نے لوٹا ہاتھ میں لے کر مہمان کے ہاتھ دھلانے چاہے اس نے کہا یا بن رسول اللہ یہ گز نہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا میرا فرض ہے کہ میں اپنے مہمان کے ہاتھ دھلاؤں یہ تم اس کے اجر سے مجھے کیوں محروم کرنا چاہتے ہو۔ عرض حضرت کسی طرح نہ مانے اور اس کے ہاتھ دھلائے۔ اس کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ اب تم اس لڑکے کے ہاتھ دھلاؤ۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی تواضع

امام محمد باقر علیہ السلام بڑے متواضع اور منکسر طبعیت تھے۔

بالخصوص غرباء کے ساتھ جب فقرائے مدینہ آپ کی خدمت میں آتے تھے تو آپ ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے بلکہ انہی عبا کا دامن بچھا کر ان کو بٹھاتے تھے بڑی دیکھ بھلی سے ان کا حال پوچھتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو اس کی عیادت کو جاتے تھے۔ راہ میں اگر کوئی حاجت مند مل جاتا اور آپ سے کچھ کہنا چاہتا تو اس کی بات سننے کے لئے فوراً کھڑے ہو جاتے تھے اور بڑی توجہ سے اس کا درد دل سنتے تھے۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تواضع

امام جعفر صادق علیہ السلام کے عزیزوں میں کسی کا لڑکا مر گیا۔ ماتم پرسی میں تشریف لے گئے راستے میں جوتے کا لٹہ ٹوٹ گیا۔ آپ جوتا ہاتھ میں لئے ہوئے آگے بڑھے کسی صحابی نے عرض کی سواری لے آؤں فرمایا نہیں صاحب مصیبت کے لئے صبر اور قناعت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ عرض اسی طرح برہنہ پا تشریف لے گئے اور ماتم پرسی کی رسم ادا کی۔

آپ کا ایک غلام بیمار ہوا۔ آپ دونوں وقت اس کی عیادت کے لئے تشریف لاتے اور دوا وغیرہ اپنے ہاتھ سے پلاتے اس نے کہا یا بن رسول اللہ میری اس بیماری نے آپ کو زحمت میں ڈالا۔ فرمایا خدا تجھ کو جلد صحت عطا کرے مجھے کوئی زحمت



نہیں بلکہ تیری عبادت اور خدمت سے مجھے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تواضع

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مدت العمر کسی سے ترشی اور رکھائی سے ستاحیت نہیں کی نہ کبھی کسی کی دل آزاری کی طرف مائل ہوئے۔ آپ ہر کس و نا کس سے بخند رہ پیشانی ملتے تھے اور جو کسی کی ضرورت ہوتی تھی اس کو پوری دل سوزی سے انجام دیتے تھے کبھی ضرورت نیکر کی شان آپ میں نہیں پائی گئی۔

## حضرت امام رضا علیہ السلام کی تواضع

کسی نے حضرت سے کہا خدا کی قسم آبا و اجداد کے لحاظ سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں فرمایا میرے آبا و اجداد کو جو کچھ فضیلت حاصل تھی وہ محض پرہیزگاری اور اطاعت خدا کی بنا پر تھی نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ اس نے کہا۔ وائے خدا آپ عام لوگوں سے بہتر ہیں آپ نے کمال انکار سے فرمایا اے شخص خدا کی قسم کھا کر ایسا نہ کہہ جس کا تقویٰ مجھ سے زیادہ ہو گا وہ مجھ سے افضل ہے قسم خدا کی یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتْقٰ اَكْرَمُكُمْ میں زیادہ بزرگ خدا کے نزدیک وہی ہے جو غم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، ایک حبشی غلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اپنے

کو صرف قرابت رسول کی بنا پر اس غلام سے بہتر نہیں جانتا مگر میں جب کوئی نیک کام بجالاؤں تو اس کی بنا پر اس سے افضل ہوں گا۔ امام رضا علیہ السلام اپنی انکاری اور تواضع پسندی کی بنا پر غریب سے غریب آدمی سے کبھی بے تکلفی سے ملتے تھے یہ بات مامون کو ناگوار ہوتی تھی ایک روز اس نے ٹوکا۔ آپ نے فرمایا میں وہی عہدی کو چھوڑ سکتا ہوں مگر اپنے ان غریب بھائیوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔

## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی تواضع

راوی کہتا ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت کا عہد امام الفضل کے ساتھ ہو گیا ہے تو میں تہنیت کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے زمانہ کی عام روش دیکھ کر یہ خوف تھا کہ شاید آپ مجھے اپنی زیارت کا شرف نہ بخشیں لیکن میرا خیال غلط تھا۔ چوٹی میرے آنے کی خبر حضرت کو پہنچی فوراً بلا لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی پہلی حالت اور موجودہ حالت میں بال برابر فرق نہیں وہی اخلاق وہی عادت وہی تواضع اور انکاری اور وہی شفقت و مروت۔ مجھے پیاس ہوئی مگر میں نے حضرت پر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا اور ضبط کئے بیٹھا رہا۔ حضرت میری خواہش کو سمجھ گئے فوراً غلام کو پانی لانے کا حکم دیا۔ اس کو تاخیر ہوئی تو حضرت خود اٹھے اور پانی لے کر آئے۔ میں نے عرض کی حضور نے کیوں زحمت فرمائی، فرمایا یہ تو کارِ ثواب ہے کیا مجھے اسی روکنا چاہتے ہو۔



## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی تواضع

روضۃ الصفا میں سعید بن صالح سے مروی ہے کہ جب مجھے امام علی نقی علیہ السلام کے سامرہ تشریف لانے کا حال معلوم ہوا تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ بادشاہ نے آپ کو خان الصواہک (محتاج خانہ میں) بٹھرایا ہے تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ امام علی نقی علیہ السلام جیسا شخص اور محتاج خانہ، بہر حال میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے بڑی شفقت سے مجھے سینہ سے لگایا احوال پرسی کی اور اپنی برابر مجھے بٹھایا میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ میں تو آپ کا ادنیٰ خادم ہوں آپ مجھے اپنی برابر بیٹھنے پر مجبور نہ فرمائیں۔ فرمایا سعید بن صالح جس خدا کے تم بندے ہو اسی کا میں ہوں۔ ہم اہلبیت عز ورجہ کو اپنے میں راہ نہیں دیتے۔ مجھے امام کی اس تواضع پسندی سے بڑا سبق حاصل ہوا۔ کیوں کہ دولت کی وجہ سے میرے اندر نخوت تھی اور میں اپنے سے کمتر درجہ والوں سے بہت کھنچ کر ملا کرتا تھا۔ اس روز سے میں نے اپنی عادت بدل دی۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تواضع

امام حسن عسکری علیہ السلام بے حد مکرر مزاج تھے ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے بخندہ پیشانی ملتے تھے یہی وجہ تھی کہ سامرہ کا ہر طبقہ آپ کی

محبت کا دم بھرتا تھا جب حضرت کسی راستہ سے گزرتے تھے تو لوگ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اسی کا اثر تھا کہ آپ کے جانے کے ساتھ خلق خدا کا وہ ہجوم تھا جو شاہانِ ذی اقتدار کو اپنے جلوس میں بھی نظر نہیں آتا۔

## (۹) امہ علیہم السلام کا حلم

حلم انسان کی صفت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس پر قابو حاصل کرے تاکہ ہزار وا اور غلاتِ طبع بات اس کو جنبش میں نہ لے آئے۔

## حضرت علی علیہ السلام کا حلم

غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایک روز جناب امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے غلام کو پکارا اس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے دو تین بار پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے اٹھ کر دیکھا کہ وہ سو رہا ہے فرمایا لے لو کہے کیا تو نے میری آواز کو نہیں سنا۔ اس نے عرض کی میں نے سنا تھا فرمایا پھر کیوں جواب نہ دیا۔ اس نے کہا چوں کہ میں آپ کی سزا سے بے خوف تھا۔ اس لئے رک گیا۔ فرمایا جا میں نے تجھ کو لوجہ اللہ آزاد کیا۔



## حضرت امام حسن علیہ السلام کا حکم

عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ مروان مدینہ میں ہم پر حکم لایا تھا اور وہ ہر جمعہ کو منبر پر بیٹھ کر جناب امیر علیہ السلام کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ جناب امام حسن علیہم السلام کو یہ خبر پہنچتی تھی تو آپ کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ ایک بار اس نے کسی کے ذریعہ سے آپ کو کچھ باتیں کہلا بھیجیں۔ آپ نے فرمایا اس سے جا کر کہہ دینا کہ ہم تیری کسی بات کو نہیں سمجھتے۔ تیرے اور ہمارے درمیان انصاف کرنے والا خدا ہے۔ اگر تیرے کو کہہ رہا ہے تو خدا تجھ کو جزا دے اور اگر جھوٹ بک رہا ہے تو خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام حسن سے اور عمر بن عثمان سے ایک زمین کی نسبت جھگڑا تھا۔ حضرت نے ایک امر پیش کیا۔ عمرو اس پر راضی نہ ہوا۔ فرمایا ہمارے پاس ناک پر مٹی ڈالنے سے سوا کچھ نہیں گویا یہ سب سے زیادہ سخت کلمہ تھا جو اس حلیم امام کی زبان سے نکلا ورنہ اتنا بھی کسی سے نہ فرمایا کرتے تھے۔

ایک شامی نے جب آپ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو لعنت کرنے لگا۔ حضرت نے حکم سے کام لیا اور اس کی بد گوئی کا جواب نہ دیا۔ جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو آپ نے اس شخص سے فرمایا اے شخص اگر تو محتاج ہو تو ہم تجھ کو کچھ دیں۔ اگر راستہ بھول

گیا ہو تو ہدایت کر دیں۔ اگر سواری درکار ہو تو سواری دیدیں اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دیں۔ کپڑے کی ضرورت ہو تو کپڑا دیدیں۔ مفلس ہو تو غنی کر دیں۔ مہمان ہو تو روائی کے وقت تیری خاطر تواضع کریں۔ یہ باتیں سن کر وہ رو دیا اور کہنے لگا آج میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے برحق خلیفہ ہیں۔ آپ اور آپ کے پدر بزرگوار سے میں بہت ہی زیادہ بغض رکھتا تھا لیکن اب آپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی محبوب نہیں۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کا حکم

حضرت امام حسین علیہ السلام حد درجہ حلیم و بردبار تھے۔ اگر آپ کے حکم کو دیکھ کر لوگ دانتوں میں انگلی دبالتے تھے۔ ایک دن کاؤ کر رہے کہ حضرت کہیں جا رہے تھے۔ ایک شخص نے آپ کے ہمراہی سے پوچھا یہ کون ہیں جو حضرت رسول خدا کا عمامہ سر پر رکھے لباس رسول بر میں پہنے اور شمشیر رسول کریم سے باندھے ہیں انھوں نے کہا کہ تو انھیں نہیں جانتا حضرت رسول خدا کے نواسے حسین بن علی ہیں۔ یسین کروہ برا بھلا کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے عزیز اگر جنگل کی ہوائ نے تیرے دماغ میں خشکی پیدا کر دی ہے تو چند روز میرے پاس قیام کرتا کہ تیرا علاج کراؤں اور اگر تیری بی بی نے تجھے ستایا ہے اور تو اس سے لڑ کر نکلا ہے تو روپیہ تجھ سے لے اور



اس کو جا کر خوش کر حضرت کی اس نرم گفتگو سے آپ کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا بعض نے چاہا کہ اس گستاخ کو سزا دیں۔ لیکن آپ نے منع فرمایا اور کہا ہم علم کے پہاڑ ہیں ہمیں کوئی چیز نہیں ہلا سکتی وہ شخص اپنے گستاخانہ کلام پر بہت نادام ہوا اور حضرت سے معافی چاہی۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا علم

امام زین العابدین علیہ السلام بڑے حلیم تھے کربلا سے شام تک ہر ہر مقام پر آپ اپنے غیر معمولی علم کا مظاہرہ کرتے رہے خبر کوفہ میں جب اسیران اہل حرم کا قافلا چلا جا رہا تھا ایک مرد شامی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ خوارج کا گروہ ہے سخت طعن کر مین باتیں کرنی شروع کیں۔ آپ انتہائی تحمل سے سنتے رہے جب دیکھا کہ آپ نے نہایت سخیف آواز میں فرمایا اے شخص اگر تو جانتا کہ ہم کون لوگ ہیں تو ہرگز یہ ناسزا کلمات ہماری شان میں نہ کہتا اور ہمارے قاتلوں اور ظالموں سے تجھے نفرت پیدا ہو جاتی۔ ہم آل محمد ہیں جس رسول کا تو کلمہ گو ہے ہم اس کی اولاد ہیں اس کے بعد آپ نے اپنے فضائل بیان کئے اس پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگا اور کہنے لگا میں ان حالات سے قطعاً بے خبر تھا یا بن رسول اللہ آپ مجھے معاف فرما دیجئے۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا علم

امام محمد باقر علیہ السلام بہت زیادہ حلیم تھے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد اکثر اعتراض کرنے کی غرض سے آپ کے پاس آتے تھے۔ اور گستاخانہ کلام کرتے تھے مگر آپ تحمل سے کام لیتے تھے اور ہمیشہ منہذب انداز میں ان کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے چنانچہ ایک شاگرد نے جا کر اپنے استاد سے کہا میں سمجھتا ہوں امام محمد باقر علیہ السلام سے زیادہ حلیم اس زمانہ میں کوئی نہیں۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا علم

امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم کا یہ حال تھا کہ آپ کے غلاموں سے جو خطا میں سرزد ہوتی تھیں آپ ان کو کبھی سزا نہ دیتے تھے ایک بار کسی نے کہا یا بن رسول اللہ یہ غلام آپ کا بڑے سے بڑا نقصان کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات کام میں تباہی بھی کر جاتے ہیں مگر آپ ان کو کوئی سزا نہیں دیتے۔ فرمایا ان کے لئے اتنی ہی سزا کافی ہے کہ یہ بے چارے غلام ہیں۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی کام کے لئے بھیجا تھا جب اسے واپسی میں دیر ہوئی تو آپ اس کی تلاش کو نکلے دیکھا کہ وہ ایک مقام پر بڑا سوراخ ہے۔ بجائے اس پر خفا ہونے کے اسے ننگا جھلنے لگے ہوا لگی تو وہ جیلر



ہوا۔ آپ نے نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا اے شخص تیری یہ کیا عادت ہے کہ دن میں بھی سوتا ہے اور رات کو بھی خدا نے دن کام کے لئے بنایا ہے اور رات سونے کے لئے۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا چہرہ متغیر تھا میں نے وجہ پوچھی فرمایا میں نے کہا تھا کہ کوئی کوکبہ پر نہ جڑا ہے۔ اس وقت گھر میں گیا تو دیکھا کہ ایک کینئر جو کچہ کی پرورش پر مقرر تھی اس کو گود میں لے زینے سے اوپر جا رہی ہے مجھے دیکھ کر وہ ایسی غالف ہوئی کہ مجھ سے اس کی گود سے گر پڑا۔ اور مر گیا مجھے کچہ کے تلف ہونے کا اتنا رنج نہیں تھا اس بات کا ہے کہ میرا اتنا رعب کینئر پر کیوں ہوا۔ پھر تین بار اس کینئر سے فرمایا تو ذرا مت ڈر میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا حکم

آپ کے حکم کے ثبوت میں یہی کافی ہے کہ آپ کا لقب کاظم تھا۔ یعنی غصہ کے پینے والے۔ یعقوب ابن داؤد کا بیان ہے کہ جب بارون کے سپاہی آپ کو روضہ مبارک رسولؐ سے گرفتار کر کے کشاں کشاں لے چلے تو آپ نے ان ظالموں کے حق میں نہ تو ایک حرف شکایت کا کہا نہ کوئی کلمہ خلافِ شانِ زماں سے

نکالا بلکہ نہایت صبر و سکوت کے ساتھ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ صاحبِ صواعقِ محرقہ لکھتے ہیں کہ آپ کا لقب کاظم اس لئے مشہور ہوا کہ آپ بڑے ہی حلیم تھے اور لوگوں کے گناہوں کو بہت زیادہ بخش دیتے تھے صاحبِ فصل الخطاب لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے صاحبِ بڑے سخی بڑے حلیم بڑے ذی قدر اور علم والے تھے۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کا حکم

ابو بکر صوفی کہتا ہے کہ میری دادی مجھ سے بیان کرتی تھیں کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھے خند اور کینزوں کے ساتھ مامون کے لئے خریدا تھا جب ہم قصر مامون میں داخل ہوئے تو وہاں عیش و عشرت کے بڑے بڑے سامان نظر آئے اور بڑی آسائش سے زندگی بسر ہونے لگی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مامون نے مجھے امام علیہ السلام کو عطا فرمادیا یہاں آ کر دیکھا تو عالم ہی اور تھا باوجودیکہ حضرت ولی عہد سلطنت تھے لیکن کوئی شایانہ سامان آپ کے گھر میں نہ تھا۔ نہایت سیدھی سادہ زندگی بسر کرتے تھے ایک کینئر نے کچھ طعن آمیز باتیں کہیں جو ہم کو بھی ناگوار ہوئیں مگر حضرت نے علم سے کام لیا اور اس کینئر سے کچھ نہ کہا آخر وہ خود ہی شرمندہ ہوئی اور پھر حضرت کی زاہدانہ زندگی کا اس پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان سب پر لات مار دی۔



## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا حکم

امام محمد تقی علیہ السلام بہت زیادہ حلیم اور بردبار تھے۔ آپ کی بی بی ام الفضل بنت مامون رشید ہمیشہ آپ سے طعن و طنز کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ مگر حضرت علم سے کام لیتے۔ ایک روز اس نے مامون کی موجودگی میں اسی قسم کی باتیں کیں اس نے بیٹی کو ڈانسا اور کہا ایسے حلیم شوہر سے تیرا یہ گستاخانہ کلام مجھے پسند نہ آیا۔

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا حکم

امام علی نقی علیہ السلام بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح اس صفتِ علم میں ممتاز تھے ایک روز المنتصر بادشاہ نے آپ سے کہا آپ اپنے کو خدا کا سب سے زیادہ مقرب بندہ سمجھتے ہیں اور فضل و شرف میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ہم لوگ آپ سے کہیں افضل تر ہیں اگر خدا آپ سے خوش ہوتا تو آپ بادشاہ ہوتے اور ہم آپ کی رعایا۔ یہ جاہلانہ گفتگو سن کر آپ نے سکوت اختیار کیا۔ اس نے پھر وہی کلمات دہرائے آپ نے پھر حکم سے کام لیا۔ تیسری بار جب اس نے پھر یہی کلمات کہے تو امام کو غصہ آ گیا۔ فرمایا اگر حکومت ظاہری و سبیل تقرب ہوتی تو ہر بنی کو بادشاہ ہونا چاہیے۔ ہمارا شرف باطن ہمارے فضا کل نفسانی کے ہے اور تمہاری بزرگی چند روزہ

حکومت کی وجہ سے تم اجماع پر حکومت کرتے ہو اور ہم قلوب پر۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا حکم

امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۵۵ھ میں معتد کی قبر سے رہا ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے اور گوشہ نشینی اختیار کی مگر معتد کو یہ بھی ناگوار تھا اس نے کچھ اوباشوں کو لگا رکھا تھا جو امام علیہ السلام کے سامنے اگر ناسزا کلمات کہتے تھے آپ کچھ مدت برداشت کرتے رہے آخر ایک روز آپ نے ان سے فرمایا میں نے اب تک تمہاری گستاخی پر چشم پوشی کی ہے۔ لیکن یاد رکھو اگر آئندہ تم نے کوئی ایسی بات کہی تو میں بددعا کروں گا۔ اور تم سب مرض برص میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ وہ کہاں ماننے والے تھے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز جو صبح کو بستر خواب سے اٹھے تو سارے بدن پر برص کے داغ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم انسان کی بہترین صفت ہے۔ اس سے بہت سے بگڑے کام بن جاتے ہیں تیز ٹکڑا ریا گند ہو جاتی ہیں۔ مخالفت موافقت سے بدل جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حلیم کے غصہ سے بچو۔ اول تو حلیم کو غصہ ہی بہت کم آتا ہے۔ اور جب آتا ہے تو بہت زیادہ ہوتا ہے۔



## (۱۰) ائمہ علیہم السلام کا عفو

عفو کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ اظہارِ ندامت کرے یا اس کی کمزوری باعثِ ذلت ہو رہی ہو تو ایک خلیق انسان اس کے گناہ سے درگزر کرتا ہے دنیا میں لاکھ آدمیوں کے اندر کسی ایک میں بھی مشکل سے یہ صفت آپ کو نظر آئے گی۔ زیادہ تر لوگ دنیا میں ایسے ہی ہیں کہ جب ان کا جذبہ انتقام جوش میں آتا ہے تو بغیر بدلے لئے نہیں رہتے۔ بالخصوص جب ان کو بدلہ لینے پر قدرت بھی ہو لیکن ہمارے ائمہ علیہم السلام ہمیشہ لوگوں کی غلطیوں سے چشم پوشی ہی کرتے رہے اور کبھی بدلہ لینے کی خواہش دل میں پیدا نہ ہوئی۔

## حضرت علی علیہ السلام کا عفو

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ جب جنگِ جمل میں جناب امیر علیہ السلام مروان بن ظفر یاب ہوئے تو باوجود اس کے کہ وہ آپ کا جانی دشمن تھا آپ نے اس کے قتل سے درگزر کی۔

ابن ابی اسحاق نے شرح نہج البلاغہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ صفین میں جب معاویہ کی فوج پانی کے گھاٹ پر قابض ہو گئی تو بحکم معاویہ لشکرِ امیر المومنین علیہ السلام پر پانی بند کر دیا گیا۔

اور ایک قطرہ پانی کا جانے کی ممانعت کر دی۔ جب حضرت نے دیکھا کہ آپ کے ساتھی پیاس سے ہلاک ہونے کے قریب ہیں تو آپ نے مخالفت پر حملہ کیا اور ان کو بہت پسپا کر کے گھاٹ کو ان کے قبضہ سے چھین لیا آپ کے لشکریوں نے کہا اب ہم بھی ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے اور دشمن کو تڑپا تڑپا کر مار دیں گے۔ فرمایا: اُمّ! میں ان سے بدلہ نہیں لوں گا اور جو گناہ انھوں نے کیا ہے میں نہ کروں گا۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کا عفو

جب امیر معاویہ ساٹھ ہزار فوج لے کر عراق کی فتح کے لئے بڑھے اور امام حسن علیہ السلام چالیس ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے تو آپ کے لشکر میں بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے اور خارجیوں کے ایک گروہ نے آپ پر حملہ کر دیا۔ ایک خارجی نے جس کا نام جراح بن اسودی تھا موقع پا کر آپ پر تلوار کا وار کیا جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ لوگوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور امام حسن علیہ السلام کے سامنے لائے۔ آپ نے فرمایا اگر یہ شخص اپنی غداری سے باز آئے اور اپنے اس فعل پر اظہارِ ندامت کرے تو اسے چھوڑ دو۔

اس عاقبت برباد نے آپ کے اس عفو کی قدر نہ کی اور وفاداری اظہار نہ کیا۔ آخر لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔



ایک روز امام حسن علیہ السلام کا دسترخوان بچھا ہوا تھا کچھ  
مہمان کھانا کھا رہے تھے امام حسن علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔  
ایک غلام سے جو کھانا لارہا تھا شور بے کا پیالہ الٹ گیا اور حضرت  
کے لباس پر گرنا۔ وہ خون سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اور کہنے لگا۔  
والکاظین الغیظ آپ نے فرمایا جا میں نے معاف کیا اس نے کہا  
والھا فین عن الناس آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے راہِ خدا  
میں آزاد کیا۔ اس نے کہا واللہ مجباً المحسنین آپ نے ایک  
رومال میں جو دینار بندھے ہوئے تھے اس کو عطا فرمائے اور رخصت کیا۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کا عفو

ایک دن امام حسین علیہ السلام حضرت محمد حنفیہ سے کچھ ناراض  
ہو گئے تھے ان کے بعض احباب نے کہا کہ اب امام حسینؑ تمہارے  
پاس کبھی نہ آئیں گے انھوں نے کہا وہ بڑے صاحبِ عفو ہیں  
ضرور میری غلطی سے چشم پوشی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ایک خط  
اس مضمون کا لکھا۔ اے برادرِ بزرگوار ہمارے اور آپ دونوں کے  
باپ حضرت علیؑ ہیں۔ پس باپ کے اعتبار سے نہ مجھ کو آپ پر غر  
اور نہ آپ کو مجھ پر۔ لیکن ہاں آپ کی مادر گرامی حضرت سولہ خدا کی  
صاحبزادی ہیں۔ اگر تمام دنیا کا چاندی سونا میری ماں کی تنگ بن  
جائے تب بھی وہ آپ کی ماں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں پس آپ کو

مجھ پر بہت بڑی فضیلت ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس  
تشریف لائیں میری عزت افزائی کا باعث ہوں۔ یہ خط پڑھتے ہی  
حضرت اُمّ کلثومؑ ہوئے اور محمد حنفیہ کے پاس تشریف لے گئے۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا عفو

امام زین العابدین علیہ السلام میں صفتِ عفو بہت زیادہ  
پائی جاتی تھی کسی سے آپ کی بارگاہ میں کیسا ہی سخت قصور ہو جاتا  
آپ اسے معاف ہی فرما دیتے۔ اس صفت کا مظاہرہ ماہِ رمضان المبارک  
میں بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ہر روز اپنے متعلقین کے درمیان بیٹھ کر  
فرمایا کرتے تھے۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوتی ہے تو میں نے اس کو  
معاف کیا تم بھی خدا سے دعا کرو کہ وہ علی بن الحسین کو معاف کرے  
اور اس پر اپنی رحمت و برکت نازل کرے۔ ایک روز ایک غلام سے  
کوئی قصور سرزد ہوا وہ خائف ہو کر کہیں رو پوش ہو گیا حضرت کو  
اس کی جستجو ہوئی جو ملنے آتا اس سے احوال پرسی کرتے۔ ایک  
شخص نے خبر دی کہ وہ میرے ہمسائے کے گھر میں رو پوش ہے۔ فرمایا  
میری طرف سے جا کر اس سے کہدو کہ تو بیکار خائف و بلول ہے میں  
نے تو تیری خطا اسی روز معاف کر دی تھی جب اس غلام کو یہ خبر  
پہونچی تو خوش ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے  
فرمایا جا میں نے تجھ کو لوجہ اندر آزاد کیا وہ یہ سن کر رونے لگا۔ حضرت



نے وجہ پوچھی۔ اس نے کہا یا بن رسول اللہ آپ عرصہ حیات مجھ پر تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی غلامی پر ہزار ہا زادیاں قربان کر دوں میں ہرگز آپ کی خدمت سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا عفو

جانب زید بن علی بن الحسین امام محمد باقر علیہ السلام کے سوتیلے بھائی تھے ایک روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس اہل کوفہ کے کچھ خطوط تھے جن میں تحریر تھا کہ ہم نے ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا ہے آپ بنی امیہ پر خروج کریں ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے حضرت نے ان خطوط کو پڑھ کر ارشاد فرمایا۔ ان خطوط سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور ہماری تکلیفوں کا ان کو بہت زیادہ احساس ہے لیکن پھر بھی خروج کرنا تمہارا کام نہیں جس طرح اوروں پر امام زمانہ کی اطاعت فرض ہے تم پر بھی ہے اور یہ طریقہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ واجب الاطاعت صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو رسول یا وصی ہو نہ کہ اس امت کا ہر شخص۔ ظالموں کے تسلط کے زمانہ میں خدا کا حکم اپنے اولیا رکوبہ ہے کہ وہ صبر اور تقیہ سے کام لیں لے برادر مجھے یہ خوف ہے کہ یہ جماعت کہیں تم کو یہ خوف بنا کر کسی مصیبت میں نہ پھانس دے ان کا ظاہر باطن

ایک نہیں۔ تم ان کے کھجوروں میں نہ آؤ۔ یہ کلام سن کر زید کو طیش آگیا اور کہنے لگے ہم اہلبیت میں وہ شخص امام نہیں ہو سکتا جو اپنے گھر کے اندر پردے چھوڑ کر بیٹھا رہے۔ نہ خود جہاد کرے نہ دوسروں کو کرنے دے بلکہ امام وہ ہے جو ملک کی ضرورت کو پورا کرے اور راہِ خدا میں جہاد کرے گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ امام نہیں بلکہ میں امام ہوں۔ جانب زید کا یہ مکالمہ ایسا سخت تھا کہ امام علیہ السلام کو ان سے ترکِ تعلق کر لینا چاہئے تھا مگر انہیں آپ نے عفو فرمایا اور جب زید کو فوج جانے لگے تو آپ ان کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور آب دیدہ ہو کر ان کو دوا ع کیا۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا عفو

ایک حاجی مدینہ میں آیا اور مسجد رسول میں سو گیا جب بیدار ہوا تو اس کو وہم ہوا کہ ہزار دینار کی تھیلی جو اس کے ساتھ تھیلی کسی نے اٹھالی۔ ادھر ادھر دیکھا کسی کو نہ پایا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اس وقت مسجد کے ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے تھے شیخ اس شخص آپ کو پہچانتا تھا۔ آپ کے پیچھے پڑ گیا کہ تم ہی نے میری تھیلی لی ہے۔ فرمایا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار اشترنی یہ سن کر آپ مسجد سے دولت سرا میں تشریف لائے اور ایک ہزار



اشرفی اسے لا کر دی وہ شخص ان اشرفیوں کو لے کر اپنے مقام پر واپس آیا یہاں وہ کھیلی موجود پائی۔ اے پاؤں واپس آیا۔ اور معذرت کرتے ان اشرفیوں کو واپس کرنا چاہا۔ حضرت نے فرمایا جو دے چکے وہ دے چکے اب واپس نہ لیں گے۔ وہ مرد اجنبی آپ کی یہ عالی ظرفی اور عفو و کرم کو دیکھ کر حیران ہو گیا کسی سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں اس نے کہا امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں یہ سنکر وہ قدموں پر ٹھہر پڑا اور عرض کی یا بن رسول میرا قصور معاف فرما دیجیے میں مقروض تھا یہ قرض کار و پیہ قرض خواہ کو دینے جا رہا تھا اس لئے اس کی گم شدگی کے خیال نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ حضرت نے فرمایا جا میں نے معاف کیا۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا عفو

جب ہارون نے امام علیہ السلام کو یحییٰ برکلی کی حراست میں دیا تو اس نے اپنے ایک سنگدل غلام کو حضرت کی نگہبانی پر مقرر کیا۔ یہ غلام نہایت گستاخ اور ظلم پسند تھا حضرت سے نہایت بے ادبانہ کلام کرتا تھا۔ حضرت ہمیشہ عفو سے کام لیتے تھے اور کبھی کوئی سخت کلمہ اس سے نہ کہتے تھے چند روز جو اس نے حضرت کی یہ حالت دیکھی تو حضرت کے روحانی فضائل کا معتقد ہونا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت کے مجاہد خاص میں سے بن گیا۔ اور آپ پر بجا ہے سختی

کرنے کے نہایت مہربانی کرنے لگا جب ہارون کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جواب طلبی کی۔ اس غلام نے کہا میں کسی طرح بھی اس بزرگزیہ ہادی پر سختی روا نہیں رکھ سکتا مجھے قتل ہو جانا گوارا ہے مگر اپنے امام کے خلاف مزاح کوئی امر کرنا گوارا نہیں۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کا عفو

جب مامون نے امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنانا چاہا تو عباسیوں نے بڑی سخت مخالفت کی اور امام علیہ السلام کی شان میں ناسزا لفظا کہے ایک نے تو یہاں تک کیا کہ حضرت کے سامنے معاذ اللہ آپ کو مرد جاہل تک کہہ دیا۔ جب مامون کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے اس درباری کو سزا دینی چاہی۔ مگر حضرت نے منع کیا اور فرمایا جس طرح میں نے معاف کیا ہے تم بھی معاف کرو۔ اس نے حضرت کے عفو پر تعجب کیا آپ نے فرمایا ہم اہلبیت رسول ایسے لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں جو ہمارا رب کو نہیں جانتے۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا عفو

غیروں کا تو کیا ذکر خاندانِ سادات میں سے امام رضا علیہ السلام کے سخت مخالف تھے پہلے تو یہ مخالفت اس لئے دبی رہی کہ حضرت کے کوئی بیٹا نہ تھا سمجھتے تھے کہ ہم ہی وارث ہوں گے لیکن



حبیب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی آرزو تیس خاک میں مل گئیں اور وہ کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے اور یہ کہنا شروع کیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام جو یہ رنگ میں آپ سے نہیں ملتے۔ لہذا آپ کے فرزند نہیں۔ امام محمد تقی علیہ السلام یہ طعنہ زنی سننے پہلے اگر بے تحاشے ایک بار کہیں سے مال نہیں آیا۔ آپ نے اپنے اعزہ کو بلا کر حصہ رسالت تقسیم کر دیا ان میں وہ شخص بھی تھا جو سب سے زیادہ آپ کا دشمن ابرو بنا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو بھی حصہ دیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ کچھ غلط بیانی کر چکا ہے یا کر رہا ہے اس کی سزا خدا اس کو دے گا۔ میرے انتقام سے اس کا انتقام بہت زیادہ ہو گا میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں جب اس شخص نے یہ سنا تو بہت شرمندہ ہوا۔ اور حضرت کے قدروں پر گڑ کر کہنے لگا میرا قصور معاف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا جا میں نے معاف کیا خدا بھی معاف کرے۔

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا عفو

متوکل عباسی چاہتا تھا کہ امام علی نقی علیہ السلام کو سب کے سامنے ذلیل کرے۔ اس نے ایک روز اپنے درباری عالم ابن سکیت سے کہا کہ سر دربار امام سے کوئی ایسا سوال کر جس کا وہ جواب نہ دے سکے ابن سکیت نے حضرت سے پے در پے کئی سوال کئے حضرت نے

سب کے سکیت جوابات دے مگر ابن سکیت چونکہ دوسرا ارادہ رکھتا تھا وہ اپنی ہٹ پر جا رہا۔ اور یہی کہتا رہا کہ آپ نے مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کچھ گستاخانہ کلام بھی کیا۔ حضرت نے حلم سے نگاہ کیا۔ ایک روز ابن سکیت سے متوکل نے کوئی ایسا سوال کیا جس کا جواب اس سے نہ بن پڑا متوکل سخت ناخوش ہوا اور اس سے کہا میں تجھے بہت بڑا عالم سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ تو مرد جاہل ہے۔ تین روز کے اندر اگر تو نے مجھے اس مسئلہ کا تسلی بخش جواب نہ دیا تو میں تیرا وظیفہ بند کر دوں گا۔ اب سکیت گھبرایا اور مضطرب ہو کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا یا بن رسول اللہ فلاں روز جو میں نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا تھا۔ عند اللہ میری اس خطا کو معاف کر دیجئے اور اس مسئلہ کا جواب مجھے بتا دیجئے۔ حضرت نے اس کی خطا معاف کی اور اس مسئلہ کا جواب بتا دیا۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا عفو

مستعین کے بعد جب معتز بادشاہ تخت نشین ہوا تو اس سنگدل نے طرح طرح سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو ستانا شروع کیا بلکہ حضرت کی جان کا دشمن بن گیا۔ اس نے حضرت کو علی بن یار مش کی حراست میں نظر بند کرایا یہ شخص



بڑا شفیق اور پکنا بھی تھا۔ سادات کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا وہ بہمن طریقہ سے حضرت کو ستاتا تھا ایک بار اس کا اکلوتا لڑکا سخت بیمار ہوا اور اس کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی کسی نے اس سے کہا تیری حراست میں امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اگر وہ دعا کریں تو امید ہے کہ یہ لڑکا اس مرض سے نجات پا جائے وہ خاصان باری میں سے ہیں۔ اولاد رسول ہیں ان کی دعا رد نہ ہوگی یسین کروہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اپنے قصور کی معافی چاہی۔ حضرت نے معاف فرما دیا اور بغیر اس کے کہ وہ عرض حال کرے فرمایا جاتیہ لڑکا صحت یاب ہوا۔ یہ سن کر وہ خوش خوش گھر آیا دیکھا تو بیمار پر تندرستی کے آثار نمایاں تھے۔ اب تو وہ حضرت کا مخلص دوست اور سچا جان نثار بن گیا اور ہر وقت حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔

## (۱۱) ائمہ علیہم السلام کی شفقت علی الخلق

حقیقت یہ ہے کہ شفقت علی الخلق کا جو مظاہرہ ہمارے ائمہ نے کیا۔ اس کی نظیر و صوابی نہیں ملتی۔ یہ شفقت محض قریبہ الی افتد تھی اس میں نہ ریا کو دخل تھا نہ کوئی ذاتی غرض شامل تھی میر سلمان کی تکلیف دیکھ کر ان کے دل پر جو ٹنگی تھی اور وہ اتنی تکلیف کو دور کرنے میں پوری پوری کوشش کرتے تھے۔ اکثر اوقات

اس سلسلہ میں ان کو خود سخت سے سخت تکالیف کا سامنا ہوا تھا مگر وہ بخوشی گوارا کر لیتے تھے۔

## حضرت علی علیہ السلام کی شفقت علی الخلق

احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آیہ اذنا جعتم الرسول فقد موابین یدی بخو اکمہ لے ایمان والو جب تم کو رسول مشورہ کے لئے بلائیں تو اپنی مشورت سے پہلے صدقہ دو) نازل ہوئی تو آنحضرت نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا جاؤ ان لوگوں کو صدقہ کا حکم دو عرض کی کس قدر صدقہ کا حکم دوں فرمایا ایک دینار کے لئے۔ حضرت نے عرض کی لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے فرمایا آدھا دینار عرض کی ان میں اس کی بھی طاقت نہیں فرمایا ایک جو بھر سونا دیں عرض کی شاید وہ یہ بھی نہ دے سکیں فرمایا اے علی تم خلیق پر بڑے مہربان ہو۔ فرمایا اچھا صرف ایک درہم دیا کریں۔ امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اس حکم میں تخفیف میری وجہ سے ہوتی۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جب جناب رسول خدا کسی کے جنازہ پر تشریف لے جاتے تو اس کے کسی عمل کے متعلق سوال نہ کرتے بلکہ قرض کے متعلق پوچھتے اگر معلوم ہوتا کہ سزا دینا ہے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ ایک مرتبہ ایک جنازہ پر تشریف لے گئے



حسب معمول پوچھا تھا ہمارے دوست پر قرض تو نہیں ہے لوگوں نے عرض کی یہ دو دینار کا مقروض مرا ہے۔ آپ جنازہ کے پاس سے بٹ گئے۔ اور اصحاب سے فرمایا تم اس کے جنازہ پر نماز پڑھو۔ جناب امیر نے فرمایا رسول اللہ یہ دو دینار میرے ذمہ ہیں یہ مرنے والا اس قرض سے بری ہے یمن کو حضرت خوش ہوئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضرت نے جناب امیر علیہ السلام کے حق میں دعائے خیر کی۔

ایک روز حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عہد خلافت میں ایک ضعیف کو دیکھا کہ غلہ کی گٹھری پشت پر رکھے جا رہی ہے اور کھڑکی سے اس کی سانس بھولی ہوئی ہے۔ آپ فوراً بڑھے اور اس کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اس کے گھر تک پہنچانے کیلئے تشریف لے گئے۔ جب حضرت نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اپنے غریبوں کو بلا کر حکم دیا کہ تم سب جا کر تمام کوفہ کے محتاجوں، مسکینوں، بوڑھوں اور یتیموں کی فہرست بناؤ۔ دیکھو کوئی رہ نہ جائے۔ چنانچہ ایک صاحبزادے کو مشرق کی طرف بھیجا دوسرے کو مغرب کی طرف تیسرے کو شمال کی جانب اور چوتھے کو جنوب کی طرف، جب یہ فہرستیں تیار ہوئیں تو آپ کا تمام عہد خلافت یہ معمول رہا کہ رات کو ریوڑوں اور غریبوں کے پھیلے کندھوں پر لا کر لے جاتے اور سب کو تقسیم کرتے ایک بار آپ کو تپ شدید لاحق ہوئی۔ حسنین نے عرض کی آج ہم اس

خدمت کو انجام دیں گے۔ فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس حکومت کا بوجھ میرے کندھوں پر رکھا ہے مجھے اپنا فرض انجام دینے دو۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ تشریف لے گئے۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی شفقت علی الخلق

اپنی خلافت کے زمانہ میں امام حسن علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ جب تک لوگ آپ کو اطمینان نہ دلادیتے کہ ہمسایہ میں کوئی محتاج کوئی یتیم اور کوئی بیوہ بھوک رہی نہیں۔ اس وقت تک آپ کھانا نہ کھاتے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ نے کھانا شروع کیا ہے اور سائل نے سوال کیا فوراً اس کھانے کو سامنے سے اٹھا دیا اور خود فاقہ سے رہے۔

ایک بار امام حسن علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ہمسایہ میں ایک بیوہ عورت کا لڑکا علییل ہے۔ آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اس نے رو کر عرض کی میں بیوہ ہوں اس بچہ کی بیماری میں میرا کوئی مددگار و ٹکسار نہیں۔ آپ نے فرمایا تم غم نہ کرو میں ہر خدمت کے لئے موجود ہوں۔ چنانچہ آپ صبح و شام اس کے یہاں جاتے اور جو ضرورت ہوتی اس کو پورا کرتے اس بیمار لڑکے کے پاس بیٹھتے اس کا بدن دباتے اسے تسلی اور دلاسا دیتے۔ جس غذا کو اس کا دل چاہتا وہ مہیا کرتے۔



## حضرت امام حسین علیہ السلام کی شفقت علی الخلق

جنگ ہندوان کے بعد شمر کو لشکر امیر المومنین علیہ السلام نے قید کر لیا۔ ایک روز امام علیہ السلام کا گدڑ مجلس کی طرف سے ہوا۔ شمر نے عرض کی یا بن رسول اللہ میرے حالی زار پر رحم فرمائیے۔ اور اپنے پدر بزرگوار سے میری رہائی کے لئے سفارش کیجئے اب اس مجلس کی تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی حضرت فوراً امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شمر کی رہائی کے لئے سفارش کرنے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ بیٹا تم جانتے ہو یہ شخص کون ہے یہ تمہارا قاتل ہے ایک روز بھی تم کو تین روز کا بھوکا پیاسا ذبح کرے گا۔ عرض کی بابا جان یہ سب کچھ ہے لیکن میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ مجھے اس سے شرمندہ نہ فرمائیے۔ یہ سن کر امیر المومنین علیہ السلام نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔

جس زمانہ میں لوگوں نے خلیفہ عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا اور سرد روک رکھی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین کو حکم دیا کہ پانی کے مشکیزے و کچھ روٹیاں لے کر جائیں اور حضور تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ دونوں صاحبزادے وہاں پہنچے۔ بلوائیوں نے روکا مگر سمت

سے کام لے کر دونوں شہزادے بڑھے چلے گئے۔ کسی نے کہا یہ لوگ قابلِ رحم نہیں۔ فرمایا تمہارے نزدیک نہ ہوں۔ لیکن ہمارے اندر جو جذبہ شفقت خلق کا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کا اقتضا یہی ہے کہ اس وقت مصیبت میں ہم ان کی خبر لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سوائے اہلبیت رسول ایسے موقعوں پر شفقت کا مظاہرہ کسی اور سے ممکن ہی نہیں۔ یہ انہی کے دل تھے کہ اپنے سخت سے سخت دشمنوں پر کبھی شفقت فرماتے تھے۔

## حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شفقت

باوجود سنگدستی کے امام زین العابدین علیہ السلام فقرائے مدینہ کی برابر امداد کرتے رہتے تھے اور اپنے کندھے پر روٹیاں اور خرے لاد کر ان کے گھروں پر پہنچایا کرتے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ کے بہت سے غریب لوگ روزانہ کھانا پاتے تھے لیکن ان کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کون دے جاتا ہے جب امام زین العابدین علیہ السلام نے رحلت فرمائی اور رات کو غریبوں کے گھر کھانا نہ پہنچا تب پتہ چلا کہ منہ چھپا کر راتوں کو دے جانے والے علی بن اسحاق تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت کو غسل میت دینے لگے تو ایک سیاہ داغ آپ کی پشت پر نظر آیا کسی نے پوچھا یہ کیا ہے اہلبیت میں سے کسی نے بیان کیا راتوں کو آٹے کی بورری اٹھا کر



فقراء مدینہ کو تقسیم کرنے کے لئے لے جایا کرتے تھے یہ اسی کا نشان ہے  
واقعہ حرا میں جبکہ یزیدی فوج مدینہ میں قتل عام کر رہی  
تھی اور حکم یزید امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک محفوظ  
مقام پر بھیج دیا گیا تھا۔ آپ اہل مدینہ کی تباہی اور بربادی پر  
زار زار رونے لگے جو لوگ بھاگ کر آپ کی جائے پناہ تک  
پہنچ جاتے تھے آپ ان کو اپنی حفاظت میں لے لیتے تھے اور ان  
پر شفقت فرماتے تھے چنانچہ بہت سی جانیں آپ کی شفقت کے باعث بچ گئیں۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شفقت

امام محمد باقر علیہ السلام کی شفقت کا یہ حال تھا کہ جو لوگ آپ  
کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ ان سے معلوم کرتے تھے کہ ان  
کے ہمسائے میں جو لوگ ہیں ان کا کیا حال ہے اگر کوئی کسی کی  
تکلیف کا حال بیان کرتا تو حضرت اس کے پاس تشریف لے  
جاتے اور جو مدد ممکن ہوتی وہ کرتے۔ ایک روز آپ مدینہ کے ایک  
کوچہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ سر راہ در دے سزا  
رہا ہے آپ اس کے پاس تشریف لے گئے یہ شخص بنی امیہ میں  
سے تھا اور چند روز قبل آپ کی شان میں گستاخانہ قلام کر چکا  
تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا اے شخص تیری کوئی حاجت ہو تو بیان  
کو وہ شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا یا بن رسول اللہ میں بیمار ہوں

طیب نے آپ انار میرے لئے تجویز کیا ہے انار خریدنے جا رہا تھا کہ  
مزدوری کے باعث راہ میں گر پڑا۔ فرمایا میں ابھی تیرے لئے انار لانا ہوں  
آپ فوراً بازار میں تشریف لائے اور دو انار خرید کر اس کے  
پاس پہنچے اور اپنے ہاتھ سے انار کے دانے نکال نکال کر اسے  
تھلانے لگے۔ جب اس کے ہوش بجا ہوئے تو فرمایا اے شخص صل میں  
تجھے تیرے گھریک ہو چادوں۔ چنانچہ آپ اس کا بازو پکڑ کر اس  
کے گھریک لے گئے وہ یہ شفقت دیکھ کر قدموں پر گر پڑا اور اپنی  
سابقہ گستاخی کی معافی مانگنے لگا۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شفقت

امام جعفر صادق علیہ السلام ایک روز گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے  
تھے راہ میں آپ نے ایک شخص کو بیٹھے دیکھا اس نے حضرت کو سلام  
کیا اور حیرت بھری نظر آپ پر ڈالی آپ گھوڑے سے اتر پڑے  
اور اس کا حال دریافت فرمایا اس نے کہا یا بن رسول اللہ میں مرو  
مسافر ہوں۔ پیادہ چلتے چلتے تھک گیا ہوں اب چلنے کی طاقت نہیں  
آپ مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیجئے۔ اور مجھے فلاں قبیلہ تک  
پہنچا دیجئے وہاں میرے چھ رشتہ دار ہیں ان سے سواری لے کر  
اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا یہ گھوڑا موجود ہے شوق سے  
سوار ہو اور جہاں دل چاہے چلا جا۔ اس نے شکر یہ ادا کیا اور



ہنے لگا میں بہت جلد اس کو واپس بھیج دوں گا۔ فرمایا واپس  
رنے کی ضرورت نہیں یہ میں نے کبھی کو دے دیا۔

## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شفقت

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جس زمانہ میں مدینہ میں مقیم تھے بہت  
درد رسیدہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے عرض حال  
رہتے تھے حضرت ان میں سے ہر ایک کا حال بڑی شفقت و مہربانی  
سے ساتھ سنتے تھے اور جو امداد ان کی ممکن ہوتی تھی فرماتے تھے۔  
بہ روز ایک شخص نے بیان کیا کہ حاکم مدینہ کو مجھ سے عداوت ہے  
وہ میری ایذا رسانی کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے۔ آپ  
سے میری سفارش فرمادیں باوجودیکہ وہ حاکم و پروردہ آپ سے  
راوت رکھتا تھا مگر آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس  
شخص کی سفارش کر کے فرمایا میں آج تک کبھی اپنے معاملات کے  
خلق آپ کے پاس نہیں آیا۔ لیکن اس شخص کے حالات سن کر میں  
چین ہو گیا۔ اور آپ کو اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے آگیا۔  
حضرت کی تقریر کا کچھ ایسا اثر اس پر ہوا کہ اس دن سے وہ  
اس شخص پر پوری طرح مہربان ہو گیا۔

## حضرت امام رضا علیہ السلام کی شفقت

جس زمانہ میں امام رضا علیہ السلام مامون کے ولی عہد تھے آپ  
کا مہول کھاکا ہر روز پاپیادہ کچھ دیر شہر میں گشت فرماتے اور ریشان  
حال لوگوں کی جستجو کرتے اور ان کی مشکلات دور کرنے میں سعی فرماتے  
جب مامون کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ایک روز آپ سے کہا میں  
نے سنا ہے کہ آپ پاپیادہ سیر کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں  
جب سواری موجود ہے۔ تو یہ زحمت کیوں گوارا فرماتے ہیں۔ آپ نے  
فرمایا میں سیر کے لئے نہیں جایا کرتا بلکہ غریب مسلمانوں کی حالت  
دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ اس نے کہا اس کے لئے بھی آپ سوار  
ہو کر جاسکتے ہیں۔ فرمایا ایسی حالت میں خدا کی نادر مخلوق ازاوی  
کے ساتھ مجھ سے نکل سکے گی وہ میری امیرانہ شان دیکھ کر مجھ سے  
کھینچیں گے میرے پاس آنے کی ان کو جرأت نہ ہوگی۔ مامون نے  
پسند کر دیا تو میں انگلی دبے لی۔ اور کچھ دیر تامل کے بعد کہنے لگا  
حقیقت یہ ہے کہ شفقت علی الخلق اے اہلبیت رسول آپ ہی حضرات  
کا کام ہے۔

## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شفقت

بغداد کے زمانہ قیام میں جو تقریباً آٹھ سال تھا آپ برابر لوگوں



کو علم دین کی تعلیم دیتے رہے۔ اکثر اوقات صبح سے شام تک برابر لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے رہتے تھے نہ آپ اکتاتے تھے نہ گھبراتے تھے۔ ایک روز آپ شدید بخار میں مبتلا تھے معلوم ہوا باہر کچھ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور عرض حال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے اعزہ نے کہا یہ وقت حضور کے ملنے کا نہیں ہے ہم ان سے کچھ دیتے ہیں کہ پھر کسی وقت آئیں۔ فرمایا نہیں۔ ممکن ہے کسی کو شدید ضرورت تھجھ سے ملنے کی ہو۔ چنانچہ آپ ایک غلام کے سہارے سے باہر تشریف لائے اور انہی بخار کی شدت میں ان سب کا حال سنتے رہے۔ ایک نے ان میں سے کہا یا بن رسول اللہ میں اس عرض سے حاضر ہوا تھا کہ میرا باپ بستر مرگ پر ہے چاہتا ہے کہ حضور کے سامنے اپنے مال کے متعلق کچھ وصیت کرے اور آپ کی آخری زیارت کر لے۔ لیکن حضور تب شدید میں مبتلا ہیں ایسی حالت میں کیوں کرواں چلنے کے لئے عرض کروں فرمایا میں چلتا ہوں۔ گھر والوں نے عرض کی حضور ایسی حالت میں کیسے جاسکتے ہیں۔ فرمایا میں آہستہ آہستہ چلا جاؤں گا چنانچہ آپ دو غلاموں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تشریف لے گئے۔ اللہ اکبر یہ شفقت سوائے اہلبیت رسول کے کون کر سکتا ہے۔

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی شفقت

باوجودیکہ آپ سامرہ میں نہایت عسرت کی زندگی بسر فرما رہے تھے لیکن پھر بھی خدا کی غریب مخلوق کی طرف سے غافل نہ تھے جیواں اور یتیموں کے یہاں خود تشریف لے جا کر کھانا پہنچاتے رہے اور اکثر اوقات خود فاقہ سے رہتے تھے جو یتیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے بشفقت ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اگر وہ کسی چیز کی خواہش کرتے تھے تو اس کو بھیا فرماتے تھے۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شفقت

امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر کا بیشتر حصہ تو قید میں گزرا یا حراست میں بمعتمد خلیفہ عباسی کے سپاہی بطور جاسوس ہر وقت حضرت کے نگران حال رہتے تھے۔ ایک روز کسی شیوع نے چند انار بطور تحفہ آپ کی خدمت میں بھیجے وہ آپ کے سامنے رکھے ہوئے تھے مستند کا منگوا سپاہی لچالی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ آپ نے ایک انار اس کو دے دیا اس نے لے تو لیا مگر کھایا نہیں فرمایا اے شخص تو کھاتا کیوں نہیں جالانکہ تیری رعیت اس طرف پانی آجاتی تھی۔ اس نے کہا میں پانچ بچوں کا باپ ہوں۔ اور کوئی شے بغیر بچوں کے کھانے کا عادی نہیں ہوں اس منکر میں



ہوں کہ یہ ایک انار ان سب پر کیے تقسیم کروں گا آپ نے یہ سنکر وہ سب انار اس کو دے دے اس نے عرض کی یا رسول اللہ ان سب کی ضرورت نہیں کچھ آپ بھی اپنے لئے رہنے دیجئے۔ فرمایا نہیں ان بچوں کا کھانا میرے کھانے سے زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ شفقت و کرم و سپاہی حضرت کا ایسا معتقد ہوا کہ حضرت کی ہر خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا جب مسجد کو یہ پتہ چلا تو اس نے اس سپاہی کو بلا کر سخت سزا دی۔ اس نے کہا اگر تو مجھے قتل بھی کر ڈالے گا تب بھی ان کی محبت میرے دل سے نہیں نکل سکتی۔ اس جواب سے مضمحل کا غصہ اور بڑھا اور حکم دیا کہ اسی کو ٹمبھ کر کے لئے قید میں ڈال دو۔

## (۱۲) اممہ علیہم السلام کی مہمان نوازی

مہمان نوازی کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے اگر عموال الضیف و لوقان کا فضل (مہمان کی عزت کرو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو) اس صفت کا بہترین مظاہرہ اہلبیت علیہم السلام سے ہوا۔

## حضرت علی علیہ السلام کی مہمان نوازی

ابن حجر مکی نے اسنی المطالب فی صلۃ الاقارب میں نقل کیا ہے

کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا سات روزہ ہو گئے ہیں کوئی مہمان میرے گھر نہیں آیا مجھے خوف ہے کہ خدا نے مجھے کہیں خیر قرار نہ دیا ہو۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے مجھے تین چیزیں سب سے زیادہ محبوب ہیں الاحکام للغنی والجهاد بالسیف والصوم فی الصیف (مہمان کی خاطر داری، تنہا سے جہاد، روزہ ریزی کا روزہ) جب کوئی مہمان حضرت کے یہاں آتا تھا تو آپ حد درجہ مسرور ہوتے تھے اور اس کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانے نہ رکھتے۔ مہمان سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا غذا اس کو مرغوب ہے اسی کے پکانے کا حکم دیتے تھے۔ کیسا ہی خیر مہمان ہوتا آپ اس کو اپنے پہلو میں بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ خود وہی جو کی سوکھی روٹی ٹمک کے پانی میں بھگو کر کھاتے۔ مہمان کو لذیذ غذا میں کھلاتے۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام حسن علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا روزمرہ فقرا و مساکین مسافر اور یتیم آپ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے حتی الامکان مہمانوں کے لئے بہترین کھانا بیکتا تھا لیکن خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے آپ کی غذا وہی جو کی روٹی اور نمک تھا۔ ایک دن ایک شخص آپ کا مہمان ہوا غلام کو



کو حکم دیا دسترخوان تیار کر۔ جب وہ بیٹھا تو امام حسن علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک لقمہ کھاتا ہے اور ایک پہلو میں رکھتا جاتا ہے فرمایا اے شخص معلوم ہوتا ہے کہ تو صاحب عیال ہے۔ لیکن اطمینان سے کھالے۔ یہاں خدا کے فضل سے کھانا کافی ہے جس قدر کار ہوگا تیرے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا میں تو مسافر ہوں اہل و عیال ساتھ نہیں رکھتا۔ البتہ مسجد میں ایک درویش دیکھ آیا ہوں جو کھوسے ملا ہوا جو کا آٹا پھانک رہا تھا میں یہ اس کے لئے رکھتا جاتا ہوں۔ امام حسن علیہ السلام نے ابدیدہ ہو کر فرمایا اے شخص ان کو درویش نہ سمجھ وہ ہمارے پدر نذر گوار علی ابن ابی طالب ہیں انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام حسین علیہ السلام بھی بڑے مہمان نواز تھے مدینہ میں جو کھو لاجھڑکا مسافر پہنچتا وہ آپ ہی کے یہاں مہمان ہوتا۔ ایک روز مسجد نبوی میں کچھ لوگ یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ اس وقت مدینہ میں سب سے زیادہ مہمان نواز کون ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق بیان کر رہا تھا۔ جناب جابر بن عبد اللہ انصاری بھی وہاں پہنچ گئے آپ سے کبھی لوگوں نے پوچھا۔ فرمایا اس وقت فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام سے زیادہ

کوئی مہمان نواز نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب ان کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوتا ہے تو اس کی اس قدر کجی کرتے ہیں کہ وہ اپنے اہل و عیال کو کھول جاتا ہے۔ اگر وہ مقروض ہوتا ہے تو اس کا قرض ادا کرتے ہیں اگر زیادہ ہوتا ہے تو سواری دیتے ہیں بیمار ہوتا ہے تو اس کا علاج کراتے ہیں اس کو پہنچانے کے لئے دوڑنگ جاتے ہیں اس سے معذرت کرتے ہیں کہ میں تیرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی مہمان نوازی

فرزدق شاعر بیان کرتا ہے کہ ایک روز میں امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو چند مہمانوں کو آپ کے یہاں دیکھا۔ آپ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ چند کانسوں میں شریذ مہمانوں کے سامنے رکھا گیا اور ایک کالہ میں کچھ بھنا ہوا غلہ، یہ آپ کی مخصوص غذا تھی واقعہ کربلا کے بعد آپ نے عمر بھر کوئی لذیذ غذا انہیں کھائی۔ صرت بھنے ہوئے ناج پر قناعت کی۔ فرزدق کہتا ہے جب حضرت وہ بھنا ہوا ناج تناول فرما رہے تھے تو میں رونے لگا اور عرض کرنے لگا یا بن رسول اللہ آپ اس شریذ میں سے کچھ تناول نہیں فرماتے۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ جب مہمان میرے ہو چکے تو آپ نے ان



سے بطور مذرت فرمایا جیسا دل چاہتا تھا آپ لوگوں کو کھانا  
نہیں کھلا سکے۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمادیں گے۔ واقعہ  
کہ بلا نے ہمیں زندہ درگور کر دیا ہے۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی مہمان نوازی

فیض بن مظہر بیان کرتا ہے کہ ایک روز میں امام محمد باقر علیہ السلام  
کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو طول پایا میں نے سبب پوچھا فرمایا  
ایک مہینی مسافر کل شام یہاں وارد ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ  
میں اپنے ایک عزیز سے ملنے جاتا ہوں اور قحطی دیر بعد واپس  
آتا ہوں۔ میں تمام رات اس کے انتظار میں بیدار رہا، وہ نہ  
آیا۔ صبح سے دو پہر تک انتظار کیا وہ نہ آیا۔ میں نے اس کے  
انتظار میں اب تک ایک لقمہ منہ میں نہیں رکھا ہے فیض تم جاؤ  
اور اس کو تلاش کرو۔ فیض کہتا ہے میں تلاش کے لئے نکل  
پڑا گلی کوچہ چھان مارا کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ مایوس واپس  
ہو رہا تھا کہ ایک راہ سے اسے گذرنا پایا میں نے اس کا ہاتھ  
پکڑ کر کہا اے شخص تو بڑا لالہ ابانی انسان ہے امام محمد باقر علیہ السلام  
نے تیرے انتظار میں دو وقت سے کھانا نہیں کھانا۔ وہ شرمندہ  
ہو کر کہنے لگا میرے ایک عزیز نے مجھے روک لیا تھا مجھے معلوم نہ  
تھا کہ امام علیہ السلام ایسے مہمان نواز ہیں۔ اب میں جا کر اپنے

قصور کی معافی چاہتا ہوں وہ شخص میرے ساتھ امام علیہ السلام  
کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت اسے دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔  
گلے سے لگایا اور احوال پرسی کی۔ اس نے اپنا حال بیان  
کر کے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ حضرت نے فرمایا اگر تیری  
خوشی چاہتے ہو تو اب میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس نے منظور کیا  
اور امام نے دو وقت کے فاقہ کے بعد تیسرے وقت اسکے ساتھ کھانا کھایا۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام جعفر صادق علیہ السلام مہمانوں کی خاطر ودارات اس قدر  
فرماتے تھے کہ لوگ حیرت میں رہ جاتے تھے۔ آپ کا دسترخوان کبھی  
مسافروں اور مسکینوں سے خالی نہ رہتا تھا اور حضرت ابراہیم  
خلیل اللہ کی طرح بزم مہمان کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے تھے اکثر فرمایا  
کرتے تھے کہ ایک لقمہ جو برادر مومن میرے ساتھ کھائے میرے  
نزدیک ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

سیلمان بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ایک بار منصور کے  
حکام میں سے ایک حاکم آپ کا مہمان ہوا۔ دسترخوان پر قسم قسم  
کے گوشت اور روٹیاں تھیں جب لوگ سیر ہو کر کھا چکے تو کھڑے  
کھڑے ہوئے۔ اتنے میں آپ کا خادم چا دل لے کر آیا۔ حضرت  
نے فرمایا ابھی کھانا کھاؤ۔ لوگوں نے کہا اب تو سیر ہو چکے ہیں



کچھ بات نہیں جو ہمارا دوست ہے وہ ہمارے کھانا کھانے کا بھی زیادہ مستحق ہے۔ حضرت نے زیادہ اصرار فرمایا تو ہم پھر کھانے لگے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ ایک بار حضرت رسول خدا کے دسترخوان پر چاول حاضر کئے گئے جو کسی انصاری کے یہاں سے بطور تحفہ آئے تھے اس وقت سلمان فارسی مقداد اور ابوذر حاضر تھے۔ ارشاد ہوا کھاؤ انھوں نے غدر کیا فرمایا کھاؤ ہمارا دوست وہی ہے جو ہمارے ساتھ اچھی طرح کھانا کھائے سینکراہوں نے بخوشی کھانا شروع کر دیا۔

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے طرح طرح کے لذیذ کھانے موجود تھے اس کے بعد عمدہ اور تازہ خرمے آئے ہم نے وہ بھی کھائے ایک صاحب بول اٹھے یہ قسم قسم کی نعمتیں جو اس وقت کھا رہے ہو روز قیامت ان کا حساب دینا پڑے گا۔

حضرت نے فرمایا خداوند عالم کی ذات اس سے کہیں بزرگ ہوتی اور غنی ہے کہ جو طعام تمہارے خلق سے اترا رہا ہے اس کا حساب لے انھوں نے کہا خدا ہی فرماتا ہے وَلْيَسْبِقَنَّ يَوْمَئِذٍ الْغَنِيمُ یعنی روز قیامت سوال ہوگا نعمتوں کے متعلق فرمایا اس آیت میں نعمت سے مراد ہم اہلبیت کی محبت ہے یعنی روز قیامت سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمت کی کہاں تک قدر کی اور ان کے

ساتھ کیسے کیسے سلوک کیے۔ دیکھو اسی نعمت کا دوسرا مقام ہر روز ہے الیوم الملت لکم دینکم و تمث علیکم نعمتی اس نعمت سے وجود امام مراد ہے۔

عمر بن زید شحام ناقل ہیں کہ ایک رات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوا۔ صبح کو آپ نے دریافت فرمایا کہ زارہ کھارے پاس کیا ہے میں نے جو کچھ کھانا بیان کیا۔ فرمایا شاید یہ کم ہو اس کے بعد دو اشرفیاں اور بیس درہم مجھے عطا فرمائے میں وہ لے کر رخصت ہوا۔ لیکن اتفاق سے اس روز روانہ نہ ہو سکا حضرت کو میرے قیام کی خبر لگی تو بھابھیا اور فرمایا تم لوٹ کر میرے یہاں کیوں نہ آئے۔ جب تک مدینہ میں رہو میرے مہمان رہو اور جس چیز کی ضرورت ہو حقوق سے بے تامل کہہ دیا کرو۔ میں نے عرض کی مجھے دو دودھ سے زیادہ رغبت ہے۔ فوراً ایک دودھ دتی ہوئی بکری مجھے عطا فرمائی اور ایک دعا قلم فرما کر کہا ماہِ رجب میں ہر نماز کے بعد اسے پڑھا کرو۔

حضرت اپنے مہمانوں کو تو بہتر سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور خود نان اور سرکہ خوش فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے پیغمبروں کا کھانا یہی ہے اور ہم بھی کھاتے ہیں۔

عبد اللہ بن بکر ناقل ہیں کہ آپ ایک روز اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور قسم قسم کے لذیذ کھانے دسترخوان پر



چُٹے تھے کسی نے کہا آپ کھانے پر بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں۔  
دورانِ شیشی کی ضرورت ہے۔ فرمایا روزی خدا کے اوپر ہے جب  
خدا ہمارے رزق میں وسعت دیتا ہے تو ہم بھی اس کی مخلوق کو  
سیرِ شیشی سے گھلاتے ہیں اور جب وہاں تنگی ہوتی ہے تو  
یہاں بھی تنگی ہو جاتی ہے۔

راوی کہتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام مہمانوں پر اتنا خرچ  
کرتے تھے کہ بعض اوقات اہل و عیال پر خرچ کی تنگی ہو جاتی تھی۔  
ایک مرتبہ دو پہر کا کھانا تیار کیا اور فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ  
کے قریب آگیا۔ مگر اس نے آپ کو سلام نہ کیا۔ آپ نے اس سے  
کھانے کے لئے فرمایا۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی چونکہ  
اس شخص نے عمرِ اسلام نہیں کیا لہذا اس کو کھانے پر بلانے کی  
ضرورت نہ تھی۔ فرمایا یہ عراق کی فقہ ہے اس سے بخل کی کو آتی ہے۔  
ایک بار آپ کے دسترخوان پر کچھ مہمان کھانا کھا رہے  
تھے کسی کو کوئی ضرورت پیش آئی کوئی نوکر سامنے نہ تھا۔ ایک  
مہمان نے اٹھ کر چاہا کہ اس کام کو انجام دے۔ حضرت نے  
اسے روکا اور خود اٹھ کر اس کام کو انجام دیا اور فرمایا ہمارے  
جد حضرت رسول خداؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ میزبان کو لازم ہے کہ اپنے  
مہمان سے کسی قسم کی خدمت نہ لے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر کا زیادہ حصہ چونکہ قید خانہ  
میں گذرا اس لئے آپ کی مہمان نوازی واقعات کتب  
دارِ نسخ میں ملتے ہی نہیں۔

مولانا انتہائے اسیری گزر گئی  
زندانی میں جوانی و پیری گزر گئی

حضرت امام رضا علیہ السلام کی مہمان نوازی

مامون کی ولی عہدی کے زمانہ میں جو وظیفہ آپ کو ملتا تھا  
اس کا بیشتر حصہ مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا دورِ دور سے  
آپ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے آتے تھے اور  
ہر سب آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ ایک روز مامون آپ سے  
نے کے لئے آیا۔ دیکھا تو آپ کا تمام گھر مہمانوں سے بھرا ہوا  
ہے اور آپ ان کی خاطر و مدارات میں مصروف ہیں۔ مامون  
بہ پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سب میرے مہمان ہیں  
میں نے کہا یہ حیثیت ولی عہد سلطنت آپ کے لئے زیادہ نہیں  
آپ اپنی آدمیوں کی طرح ان معمولی لوگوں کی خدمت کریں  
بت سے غلام حاضر ہیں ان کو حکم دیجئے کہ وہ ان لوگوں کی



ضروری خدمت انجام دیں فرمایا بہ حیثیت آپ کے ولی عہد ہونے کے شاید یہ امر زیبانہ ہو لیکن بہ حیثیت نائب رسول ہونے کے میرا فرض ہے کہ اپنے مہمانوں کی خدمت کروں ہم اہلبیت کے نزدیک مہمان بہت زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام محمد تقی علیہ السلام بھی بڑے مہمان نواز تھے ایک بار نصف شب گزر چکی تھی کہ ایک شخص بہ حیثیت مہمان آپ کے یہاں وارد ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اے شخص کھانا کھائے گا یا نہیں اس نے کہا یا بن رسول اللہ میں بھوکا تو ہوں لیکن چونکہ ناوقت ہو گیا ہے اس لئے آپ کو زحمت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ میں بھوکا ہی سو رہوں گا۔ فرمایا ہمارے یہاں مہمان بھوکا نہیں سویا کرتا۔ یہ فرما کر آپ اندر تشریف لائے اپنی ایک کینز کو جگا کر فرمایا میں تیز روشن کرتا ہوں تو آٹا خمیر کر۔ اس نے کہا یا بن رسول اللہ میں خود تنور روشن کر لوں گی۔ فرمایا نہیں۔ مہمان کی خدمت میں کچھ حصہ میں بھی لینا چاہتا ہوں۔ عرض کہ آپ نے کھانا تیار کر لیا اور اس کو خود لے کر مہمان کے پاس آئے۔ وہ یہ شفقت دیکھ کر رونے لگا۔ آپ نے سبب پوچھا۔ فرمایا میں یتیموں کے رو رہا ہوں کہ زمانہ نے ایسے خدارسیدہ لوگوں کو ذرا نہ پہچانا۔

### حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی مہمان نوازی

امام علی نقی علیہ السلام پر جس زمانہ میں متوکل نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اکثر اوقات آپ کو فاقہ کرنا پڑتا تھا مگر آپ کسی سے اس کی شکایت نہ کرتے تھے ایک بار دو وقت کے فاقہ کے بعد کچھ غذا آپ کو میسر آئی۔ آپ کھانا چاہتے ہی تھے کہ ایک مہمان آ گیا۔ آپ نے بہت شگفتہ پیشانی سے وہ غذا اس کے سامنے رکھ دی اور قطعاً اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ دو وقت کے فاقہ سے ہیں۔ جب وہ شخص کھانا کھا چکا تو اس نے کچھ مال خمس حضرت کے سامنے حاضر کیا۔ آپ نے اس کو فقر اور مساکین پر تقسیم کر دیا۔ اور اسی طرح فاقہ سے سو رہے۔

### حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی مہمان نوازی

علی بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بہت مטרود پایا۔ میں نے سبب پوچھا فرمایا آج میرے یہاں کچھ لوگ مہمان ہیں اور ان کی ضیافت ہو گئی۔ سامان نہیں، میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ آپ حکم دیجئے میں پر قسم کا سامان ضیافت حاضر کروں گا۔ فرمایا ہم اہلبیت دوسروں کے مال سے اپنے مہمان کی ضیافت روا نہیں رکھتے



میں نے عرض کی پھر جو حکم ہو بجالاؤں، فرمایا میری یہ مینہی چادر فروخت کر لاؤ۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ! سردی کا زمانہ ہے اور آپ کے پاس دوسری چادر نہیں اس کو رہنے دیجئے فرمایا جس خدا نے یہ دی ہے وہ اور دے گا۔ میں حضرت کا حکم بجالایا اور دس درہم میں وہ چادر فروخت کر کے قیمت حضرت کو لا کر دے دی آپ نے اسی وقت سامان ضیافت شروع کیا۔ میں حضرت کی اس حالت پر بہت کڑھا۔ فرمایا تم کیوں کڑھتے ہو مجھے چادر اور طھ کر وہ خوشی نہ ہوتی جو ان جہانوں کی ضیافت سے ہوتی۔

### (۱۳) امکہ علیہم السلام کا صلہ رحم

احادیث میں صلہ رحم کی بڑی تاکید ہے حضرت رسول خدا ص نے فرمایا ہے جو شخص صلہ رحم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو بڑھا دیتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص صلہ رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

### حضرت علی علیہ السلام کا صلہ رحم

حضرت علی علیہ السلام اپنے تمام غزنروں اور رشتہ داروں کی برابر احوال پرسی فرماتے۔ اور ان کی ہر حاجت کو پورا کرنے

کی سعی فرماتے تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے صلہ رحم میں حضرت علیؑ سے زیادہ کسی کو نہ پایا۔ ایک بار میں بیمار ہوا اور میری بیماری طویل پکڑ گئی۔ حضرت علی علیہ السلام صبح و شام میری عیادت کے لئے تشریف لاتے۔ میرے سر ہانے بیٹھ کر دعائیں دم کرتے جس چیز کی مجھے خواہش ہوتی اس کو پورا کرتے مال غنیمت سے جو حصہ آپ کو ملا کرتا تھا اکثر اوقات وہ سبک سب دوسروں کی ضرورتوں میں صرف ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپ اپنا آرزو قہی اپنے رشتہ داروں پر صرف کر دیتے تھے۔ جناب عقیل کثیر الاولاد تھے۔ ایک روز انھوں نے عرض کی کہ موجودہ وظیفہ میں میرے گھر کا خرچ نہیں چلتا۔ بیت المال سے مجھے کچھ زیادہ دیا کیجئے۔ فرمایا اے عقیل بیت المال حق مسلمین ہے مجھے اس میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مجھے جو کچھ ملتا ہے اس میں سے تمہارے بچوں کو کچھ دے دیا کروں۔ چنانچہ اس روز سے معمول ہو گیا کہ آپ پہلے عقیل کے گھر کھانا بھجوا دیتے۔ اگر کچھ بچ جاتا تو بقدر قوت لایوت تناول فرمایتے ورنہ فاقہ سے رہتے۔

### حضرت امام حسن علیہ السلام کا صلہ رحم

امام حسن علیہ السلام بچپن ہی سے صلہ رحم کے عادی تھے



تمام بنی ہاشم پر آپ نے ایسے ایسے احسان کئے کہ وہ سب آپ کے اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ کا معمول تھا کہ تمام کنبہ واولوں کے حالات ہر روز معلوم کرتے تھے۔ اپنے سوتیلے بھائی مہنوں کو ہمیشہ حقیقی مہن بھائی سمجھا اور ان کے ساتھ تعلق و مدارات پیش آتے تھے۔ جو چیز جس عزیز نے طلب کی وہ اسے عطا فرمادی۔ ان کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے ان کی فلاح و بہبود کے لئے جو تدابیر ممکن ہوتی تھیں وہ عمل میں لاتے تھے۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کا صلہ رحم

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے عزیزوں کے ساتھ جو صلہ رحم کیا، اس کی نظر و حوصلہ ہی نہیں ملتی۔ یہی وجہ تھا کہ سارا خاندان آپ کا تابع فرمان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ مدینہ سے چلے تو سارا خاندان آپ کے ساتھ ہو گیا۔ بھائی، بھتیجے، بھانجے سب آپ کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کو تیار ہو گئے۔ انتہا یہ کہ کربلا میں پر وانه وارسب نے اپنے کو حضرت کے قدموں پر نثار کر دیا۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا صلہ رحم

امام زین العابدین علیہ السلام بعد شہادت امام مظلوم علیہ السلام حد درجہ دل شکستہ ہو گئے آپ نے گوشہ تنہائی اختیار کر لیا تھا۔

شب و روز وہیں گزارتے تھے یا عبادت خدا کرتے تھے یا واقعہ کربلا یاد کر کے روتے تھے۔ تاہم ایسی حالت میں بھی صلہ رحم کا آپ کو خیال رہتا تھا۔ جن زنان بنی ہاشم کے رشتہ دار کربلا میں شہید ہو گئے تھے آپ برابر ان کی تسلی اور دیکھ بھال فرماتے تھے اور جس امداد کی ان کو ضرورت ہوتی تھی وہ بروقت بھیجا کرتے تھے۔ کبھی آپ نے کسی سے کوئی ایسی بات نہ کہی جس سے ملال ہو۔ کوئی عمل ایسا نہ کیا جس سے رنج ہو۔ رشتہ داروں کے ساتھ جو حسن سلوک ہونا چاہیے وہ آپ کرتے رہے۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا صلہ رحم

باب زید بن علی بن اکھین اور خباب زید بن حسن مثنیٰ وغیرہ خاندانی حضرات امام محمد باقر علیہ السلام سے اکثر ناخوش رہتے تھے کیونکہ آپ ان کی سورتدبیر سے اخلاف ظاہر کیا کرتے تھے دوسرے وہ لوگ چاہتے تھے کہ جو اوقات امام علیہ السلام کے پاس ہیں ان کو اپنے قبضہ میں لے لیں نیز یہ کہ لوگ ان کے روحانی اقتدار کو بھی اس طرح تسلیم کریں جس طرح امام محمد باقر علیہ السلام کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں مگر باوجود ان سب باتوں کے امام محمد باقر علیہ السلام نے کبھی قطع تعلق نہیں کیا۔ صلہ رحم کی جو بہترین صورتیں ہو سکتی ہیں وہ ہمیشہ عمل میں لاتے رہے۔ ایک بار خباب زید آپ کی خدمت میں آئے اور شہداء



اہلیت پر اپنے خروج کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت نے سخت مخالفت کی۔ زید نے ترشہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ ناروا الفاظ بھی کہہ بیچے۔ امام علیہ السلام خاموش رہے۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ زید بیمار ہیں آپ فوراً ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ زید سمجھتے تھے کہ حضرت ان کے یہاں ہرگز نہ آئیں گے۔ جب امام علیہ السلام کو آتا دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے سابقہ قصور کی معذرت کی۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا صلہ رحم

کتاب کافی میں منقول ہے کہ جناب عبداللہ محض نے ایک بار صبح کے وقت کچھ سخت کلامی کی آپ نے صبر سے کام لیا اور ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ شام کو جب پھر ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ارشاد فرمایا اے ابو محمد تم جانتے ہو کہ صلہ رحم کرنا باعث تخفیف عذاب ہے انھوں نے کہا تم ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو جن کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ فرمایا میرے اس قول پر کلام خدا شاہد ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَالَّذِينَ يَصْلُونَ مَا امر الله به الخ آگاہ ہو کہ حسن افسطس کے لئے عطاء مال کی وصیت اس لئے کرتا ہوں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ عاق اور قاطع رحم دونوں بہشت کی بونہ سو نکھیں گے جو دو ہزار سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا صلہ رحم

علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ ایک سید علوی ایک خوان میں کچھ سامان رکھے فروخت کر رہا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آیا میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ ابھی میں کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت نے مجھ سے فرمایا۔ ایک سید زادہ فلاں مقام پر بیٹھا ہے تم اسے یہ اٹھارہ درہم دے آؤ اور میری طرف سے کہہ دو کہ وہ ان سے نفع حاصل کرے۔ یہ تیری زندگی بھر کے لئے کافی ہے میں نے

کہ گرد عزیز واقارب جمع تھے اور آپ ہر ایک کو کچھ مال دینے کی وصیت فرما رہے تھے منجملہ ان کے اپنے نچازاد بھائی حسن افسطس کو بھی ستر دینار دینے کا حکم فرمایا۔ ایک غلام نے عرض کی افسطس کے متعلق آپ ایسی وصیت فرماتے ہیں حالانکہ یہ وہی شخص ہے جو آپ کے قتل کے ارادہ سے حجرے کر چڑھ آیا تھا۔ یہ سننے ہی آپ کو غصہ آ گیا۔ اور فرمایا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں صلہ رحم نہ کروں اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کی تعریف خدا نے یوں فرمائی ہے۔ وَالَّذِينَ يَصْلُونَ مَا امر الله به الخ آگاہ ہو کہ حسن افسطس کے لئے عطاء مال کی وصیت اس لئے کرتا ہوں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ عاق اور قاطع رحم دونوں بہشت کی بونہ سو نکھیں گے جو دو ہزار سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔



تعب سے عرض کی مولانا میں چاہتا تھا کہ اس غریب سید کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں۔ مگر میرے کچھ کہنے سے قبل ہی حضور نے اس کی مقصد برائی کر دی۔ فرمایا اے علی بن حمزہ ہم اپنے خاندان والوں کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے اور ان کے ساتھ صلہ رحمہ واجب جانتے ہیں۔ الغرض میں نے وہ درہم جا کر اس جوان کو دے دے وہ انھیں لیکر رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا اس نے کہا کیونکر نہ روؤں جبکہ اپنی موت سے قریب تر ہو جائے گی ہر پاچکا ہوں۔ میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے اس نے کہا ایک دن مجھ سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کھانا جب میں علی بن حمزہ کو تیرے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجوں تو مجھ لینا کہ تیری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کا صلہ رحمہ

امام رضا علیہ السلام جن زمانہ میں مدینہ میں قیام فرما رہے آپ کے بعض رشتہ دار آپ سے عداوت رکھتے تھے۔ بالخصوص اس بناء پر کہ آپ کا روحانی اقتدار عام و خاص سب پر رکھا اور لوگ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے لیکن امام علیہ السلام ان سب کے ساتھ حسن سلوک روا رکھتے اور وقتاً فوقتاً ان کے لئے کھانے بھیجتے رہتے تھے۔ آپ کے گھر والوں نے حضرت کو اس سے روکنا چاہا۔ آپ نے فرمایا ہم اہلبیت میں اور دوسروں میں یہی فرق ہے کہ ہم ہمیشہ بدی کا

بدلہ نہیں سے دیتے ہیں اور صلہ رحمہ بچا لاتے ہیں۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا صلہ رحمہ

امام محمد تقی علیہ السلام اپنے کنبہ والوں کے ساتھ نہایت شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کو امام رضا علیہ السلام کا فرزند تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کی لغو بیانیاں امام علیہ السلام سنتے رہتے تھے لیکن آپ ان سے قطع رحم نہیں کرتے تھے ان کے رنج و غم میں برابر شریک رہتے تھے اور ان کی حاجتیں بر لاتے تھے۔

### حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا صلہ رحمہ

جن زمانہ میں امام علی نقی علیہ السلام سامرہ میں مقیم تھے۔ آپ برابر اپنے کنبہ والوں کے حالات مدینہ آئے جانے والوں سے دریافت کرتے رہتے تھے اور غصہ کی جو قوم آپ کے پاس آتی تھیں۔ ان کو مدینہ بھیج کر سادات کی تکالیف دور کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ سادات کے کچھ لوگ ایک بار سامرہ میں آئے اور امام علیہ السلام سے ملے۔ آپ نے ان کئی بڑی خاطر و مدارات کی اور ان کے ذریعہ سے کچھ تحفے اپنے خاندان والوں کو بھیجے۔



## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا صلہ رحم

اپنے آبائے کرام کی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام بھی صلہ رحم کا بڑا خیال رکھتے۔ اکثر اوقات اپنے کنبہ و اولوں کی بدولت آپ کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آپ خوشی ان کو برداشت کرتے تھے یہ جو کچھ چاہیں کریں۔ میں ان کے ساتھ صلہ رحم کو ترک نہیں کر سکتا۔

## (۱۴) ائمہ علیہم السلام کی غلام نوازی

غرض نصیب تھے وہ غلام جو اہلبیت کی سرپرستی میں اپنی وہ زندگی بسر کر گئے جس پر ہزار آزادیاں قربان۔ اسلام نے غلامی کی رسم کو جاری تو رکھا مگر آقا پر جو فرائض عائد کئے وہ غلاموں کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی غلاموں کے آزاد کرنے کے بے انتہا ثواب بیان کئے۔ ترک فرائض و واجبات کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی قرار دی۔ ہمارے ائمہ علیہم السلام نے غلاموں کے ساتھ جو حسن سلوک روا رکھا اس کی نظیر صوبہ طہ نہیں ملتی۔ ذیل کے واقعات سے پتہ چلے گا کہ ہمارے ائمہ نے کس حد تک غلاموں اور کینزوں کی دیکھ بھال کی اور بات بات پر کس طرح ان کو آزاد کر دیا۔

## حضرت علی علیہ السلام کی غلام نوازی

قبر غلام امیر المومنین علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح دن گزارے کہ آپ پہلے مجھے کھانا دیتے تھے بعد میں خود تناول فرماتے تھے۔ پہلے مجھے کپڑا پہناتے تھے بعد میں خود پہنتے تھے ایک روز آپ نے دو قمیصیں بازار سے خریدیں۔ سلمان فارسی کو دیکھا کہ ان کی قمیص میں جا بجا پوند لگے ہوئے ہیں۔ ایک قمیص تو ان کو دے دی دوسری قمیص کے متعلق مجھ سے فرمایا یہ تم پہن لو میں نے عرض کی حضور کی قمیص بھی کافی بوسیدہ ہو گئی ہے۔ فرمایا یہ تم پہن لو میں اپنے لئے جب ہو گا دوسری خرید لوں گا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں سوتا ہوں اور حضرت نے جگایا ہو یا میں بیمار ہوں اور حضرت نے مجھ سے کوئی کام لیا ہو یا کبھی مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بار ڈالا ہو۔ حضرت نے کسی بار مجھے آزاد کرنا چاہا مگر میں نے منعت و سماجت کے ساتھ حضرت کو اس ارادہ سے باز رکھا۔

## حضرت امام حسن علیہ السلام کی غلام نوازی

امام حسن علیہ السلام غلاموں پر بڑی شفقت فرماتے تھے آپ نے بہت سے غلاموں کو معمولی معمولی خدمت انجام دینے پر آزاد کر دیا۔



ایک روز حضرت سورہے تھے۔ ایک غلام نے نپکھا جھلنا شروع کیا آپ کی آنکھ کھلی تو اس غلام کو آزاد کر دیا۔ ایک غلام کے ہاتھ سے کھانا کھاتے وقت شور بہ کا پیا لہ لگ گیا اور شور با حضرت کے پاس پر گر گیا وہ کانپنے لگا۔ اور آیہ والکافین الفیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین پڑھنے لگا آپ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور فرمایا لوجہ افتد آزاد ہے۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کی غلام نوازی

امام حسین علیہ السلام کا ایک غلام نہایت مطیع و فرمانبردار تھا ایک روز آپ اس کی حُسنِ خدمت سے خوش ہوئے اور اس کو آزاد کر دیا۔ وہ غلام زار زار رونے لگا۔ فرمایا تیرے رونے کا سبب کیا ہے اس نے کہا یا بن رسول اللہ میں تو آپ کے قدموں سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ میری یہ غلامی ہر آزاد یوں سے بہتر ہے۔ حضرت نے فرمایا میں تو آزاد کر چکا اب تو میرے ساتھ خوشی سے عزیزوں کی طرح رہ سکتا ہے۔

ایک روز امام حسین علیہ السلام نے ایک غلام کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ کتے کو کھانا کھلا رہا تھا حضرت نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا فرزند رسول میں ایک مصیبت زدہ آدمی ہوں اس کتے کو خوش کر کے خدا سے اس کے بدلہ میں خوشی چاہتا ہوں حضرت نے پوچھا کیا معاملہ ہے

اس نے کہا میں ایک یہودی کا غلام ہوں اور اس سے آزادی چاہتا ہوں اس کی یہ انتہائی تمنا سن کر حضرت کے دل پر بڑا اثر ہوا فوراً اس یہودی کے پاس آئے اور دو سو اشرفیاں اس غلام کی قیمت دے کر اس کو آزاد کرادیا۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی غلام نوازی

امام زین العابدین علیہ السلام کنیزوں اور غلاموں پر بے حد مہربان تھے آپ بہت کم ان سے اپنی خدمت لیتے ایک دن ایک کنیز آپ سے واقعات کر بلا سن کر رونے لگی آپ نے جو محبت کا جذبہ اس کے اندر پایا تو فرمایا جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ وہ کنیز کہنے لگی یا بن رسول اللہ میں تو آپ ہی کی خدمت میں رہتی ہوں آپ کے قدموں میں رہنا میرے لئے سعادت ابدی ہے۔

طاؤس یمانی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے غلاموں اور کنیزوں کے حلقہ میں تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں میں نے تم سب کا قصور معاف کیا تم خدا سے دعا کرو کہ وہ علی بن اکحین کی خطاؤں کو معاف کرے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام معصوم تھے ان سے گناہ کا صدور ناممکن تھا پس حضرت کا ایسا فرمانا محض اظہارِ عبدیت کی وجہ سے تھا۔



## حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی غلام نوازی

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے غلاموں پر حد درجہ شفیق تھے۔ غلام اس نعمت میں رہتے تھے کہ حضرت ہم سے خدمت کرائیں لیکن آپ صحت الامکان اپنے کام خود انجام دیتے تھے۔ پہلے کھانا غلاموں اور کنبزوں کو کھلا دیتے تھے تب آپ نوش فرماتے تھے اچھا کھانا ان کو دیتے تھے معمولی کھانا آپ کھاتے تھے۔ غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے ذرا سا بہانہ کافی ہوتا تھا کبھی آپ نے کسی غلام سے سختی کام نہیں لیا۔ کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔

## حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی غلام نوازی

حضرت غلاموں پر بہت مہربان تھے ان کی خطاؤں سے ہمیشہ چشم پوشی کرتے تھے ایک مرتبہ کسی غلام کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا جب واپسی میں دیر ہوئی تو آپ اس کی تلاش کو نکلے دیکھا کہ ایک مقام پر سو رہا ہے۔ بجائے اس پر خفا ہونے کے نکچھا جھپٹنے لگے وہ بیدار ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے فرمایا اے شخص تیری یہ کیا عادت ہے کہ دن میں تو سوتا ہے اور رات کو بھی خدا کے دن کام کے لئے بنایا ہے اور رات سونے کے لئے۔ ایک مرتبہ آپ کا غلام بیمار ہوا آپ اس کی عیادت کے لئے

تشریف لائے اس کے سر میں درد تھا جس سے وہ کراہ رہا تھا۔ فرمایا مجھے کو کیا تکلیف ہے اس نے کہا درد سر بہت زیادہ ہے حضرت اس کا سر دبانے لگے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی یا بن رسول اللہ مجھے اس تکلیف سے زیادہ تکلیف ہے کہ آپ زحمت فرما رہے ہیں۔ مجھے کسی طرح یہ گوارا نہیں۔ دوسرا غلام قریب کھڑا تھا اس نے جابا کہ حضرت کے بجائے وہ اس کا سر دبا لے لیکن حضرت نے منظور نہ فرمایا اور کہا اے شخص مجھ کو ایک اجر عظیم سے کیوں محروم کرنا چاہتا ہے۔

## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی غلام نوازی

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک کنبز بیمار ہوئی اور اس کی بیماری بہت طویل پکڑ گئی سب لوگ اس کی خدمت سے گھبرا گئے لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شفقت برابر اس پر ہوتی رہی۔ آپ صبح شام اس سے معلوم کرتے کہ اس کا دل کس چیز کے کھانے کو چاہتا ہے وہ جو فرمائش کرتی آپ اس کو پورا کرتے وہ حضرت کو لاکھوں دعا میں دیتی۔ الغرض وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئی۔ حضرت اس کے جنازہ پر بہت آبدیدہ ہوئے اور اپنے عزیزوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین کی۔



## حضرت امام رضا علیہ السلام کی غلام نوازی

ابو بکر سولی کہتا ہے کہ میری داوی مجھ سے بیان کرتی تھیں کہ میں اور میرے ساتھ تین اور کینز کئی سال امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ حضرت ہم سے بہت سی کم خدمت لیتے تھے۔ ایک بار ہم نے عرض کی مامون نے ہم کو آپ کی خدمت کے لئے بھیجا ہے نہ کہ راحت و آرام سے زندگی گزارنے کے لئے فرمایا بس میری یہی خدمت ہے کہ تم اللہ کے فرائض کو ادا کرو۔ حضرت ہم کو روزانہ دینی مسائل بتاتے تھے آپ کی خدمت میں رہ کر کفر یا چار سو احادیث مجھے یاد ہو گئی تھیں جن کو اب میں بھول گئی ہوں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ نماز صبح کے لئے حضرت مظہرہ (لوٹا) میں پانی بھر کر ہمارے قریب رکھ دیتے اور نہایت نرم لہجہ میں ہم کو جگا کر فرماتے۔ یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ یاد خدا کرنے کا ہے۔ حضرت کی بیہفت دیکھ کر ہم بہت شرمندہ ہوتے تھے۔ جب حضرت شہید ہو گئے اور میں قعر مامون میں واپس گئی تو باوجودیکہ وہاں دنیا کی نعمتیں موجود تھیں مگر ایک دن میرا دل نہ لگا اور وہ شاہی محلات مجھے تارکیا زنداں سے زیادہ بھیانک نظر آنے لگے۔ میں امام علیہ السلام کو یاد کر کے دن اور رات روتی تھی۔

## حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی غلام نوازی

ام الفضل دختر مامون کے ساتھ جو کینز میں آئی تھیں وہ ان کے ساتھ بہت سخت برتاؤ کرتی تھیں ان کو بندوں سے مارتی تھیں امام محمد تقی علیہ السلام اسے سختی سے روکتے تھے اور فرماتے تھے یہ خدا کی مخلوق ہے اگر تم ان پر رحم نہ کرو گی تو خدا تم پر رحم نہ کرے گا۔ ام الفضل پر حضرت کے کہنے کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا ایک دن اس نے اپنی ایک کینز کو اتنا مارا کہ اس کا بدن پھٹ گیا اور خون جاری ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے جب گھر میں آ کر کینز کا یہ حال دیکھا تو ام الفضل کو سختی سے ڈانٹا وہ فحاشی کر رہی تھی آپ نے اس کو چلی گئی۔ حضرت نے اس کینز کی تیار داری شروع کی۔ آپ اس کے زخم خود دھوئے اور ان پر مرہم کا پھیرا رکھتے تھے تقریباً نصف ماہ آپ نے اس کینز کی خدمت انجام دی تا اینکه وہ اچھی ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا اب تو ام الفضل کے پاس چلی جا اس نے کہا مجھے قتل ہو جانا گوارا ہے مگر ایسی بے رحم مالک کی صورت دیکھنی گوارا نہیں

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی غلام نوازی

امام علی نقی علیہ السلام بھی اپنے آپ سے کرام کی طرح غلاموں پر بڑی مہربانی فرماتے تھے ایک روز آپ ہمیں تشریف لے جا رہے



ایک آدمی کو دیکھا کہ اپنے غلام کو بری طرح مار رہا ہے آپ  
 ص کے قریب گئے اور فرمایا اے شخص کیا یہ کمزور بندہ تیرے  
 بوق ہے۔ اس نے کہا مخلوق تو نہیں یہ میرا غلام ہے فرمایا اے  
 شخص تو نے اسے پیدا تو نہیں کیا۔ چند درہم میں خرید اسے تجھے  
 اس قدر مارنے کا کیا حق ہے۔ اس نے کہا اس لئے مارتا ہوں کہ  
 میرا نافرمان غلام ہے۔ فرمایا اگر تیرے نزدیک نافرمان غلام ایسی  
 نرا کا مستحق ہے تو ایک نافرمان بندہ کتنی سزا کا مستحق ہوتا  
 ہے کیا تو خدا کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتا کی تو وہی شخص  
 میں ہے جو کل شراب پئے ہوئے وہاں پڑا تھا۔ اگر اس  
 فرمائی کی سزا خدا تجھے دے تو تیرا کیا حال ہو اس کے بعد فرمایا  
 غلام تو نے کس قیمت پر خریدا تھا اس نے کہا ساٹھ درہم میں  
 آپ نے وہ رقم اس کو دے کر غلام کو خرید لیا اور لوجہ آمد  
 اس کو آزاد کر دیا۔

### حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی غلام نوازی

امام حسن عسکری علیہ السلام بھی غلاموں پر بڑی شفقت فرماتے  
 تھے ایک غلام جو شیعیان علی میں سے تھا ایک روز امام علیہ السلام  
 کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ میرا آقا تجھ کو پریشان کرتا ہے  
 میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح آزاد ہو جاؤں۔ فرمایا اگر وہ تیرے

فروخت کرنے پر راضی ہو جائے تو میں قیمت ادا کر دوں گا۔  
 غلام نے اس سے بات چیت کر کے دو سو درہم پر راضی کر لیا۔  
 امام علیہ السلام نے دو سو درہم ادا کر کے اسے خرید لیا اور اسی  
 روز راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ اسی طرح آپ نے کئی غلاموں  
 سے خرید کر کے آزاد کئے۔ آپ کا غلام مہلب کہا کرتا تھا میں نے  
 امام حسن عسکری علیہ السلام جیسا مہربان آقا کسی کو نہ پایا۔ وہ  
 غلاموں اور کینزوں پر ایسی شفقت فرماتے ہیں جیسے ایک  
 مہربان باپ اپنی اولاد پر۔

### (۱۵) ائمہ علیہم السلام کی قناعت

حدیث میں ہے کہ حسن نے طمع کی وہ ذلیل ہوا اور حسن نے  
 قناعت کی وہ شکم سیر ہوا۔ حریص کے لئے اگر تمام دنیا بھی سونا  
 ہو جائے تو اس کی نیت بگھرنے لگتی۔ اور قانع آدمی قوتِ لاہوت  
 سے تسکین حاصل کر لیتا ہے۔ دنیا میں جتنے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں  
 ان میں اکثر حرص و طمع کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اگر اسلامی تعلیم  
 کے مطابق ہر مسلمان قناعت پسند ہو جائے تو تمدن و معاشرت کی  
 ایسی اصلاح ہو کہ یہ دنیا جسے جہنم کہا جاتا ہے۔ بہشت کا ٹکڑا  
 بن جائے۔ ہمارے ائمہ کی سیرتوں کا غائرانہ معالوہ کرو۔ حرص  
 اور طمع کو اس سے کوئی لگاؤ ہی نہ ہو گا۔ سرمایہ داری اور



بیت المال سے جو حصہ رسد ملا۔ وہ خدا کی محتاج مخلوق کو تقسیم کیا اور بیٹھ رہے۔ امڈ پر بھر دے تھا۔ نفس پر قابو۔ قوت لامیت کی فکر تھی۔ اور رضا الہی کی جستجو۔ زندگی گزارنے کے لئے جو کم سے کم سامان انسانی تصور میں آسکتا ہے وہ علیؑ کے لئے بہت کافی تھا۔ دو دو وقت فاقے سے رہے دست سوال کسی کے سامنے دراز نہ کیا۔ محنت و مشقت سے روزی حاصل کی تو کبھی خدا سے شکایت نہ کی جس حال میں خدا نے رکھا خوشی آپ سے زیادہ دوسروں کی فکر۔ کدی یہ ہے کہ کوئی بھوکا نہ سوئے۔ چاہے خود فاقہ پر فاقہ کر لیں۔

### حضرت امام حسن علیہ السلام کی قناعت

ایک بار کسی سائل نے امام حسن علیہ السلام سے ایک ہزار درہم کا سوال کیا آپ نے اپنے غلام سے فرمایا بتا تیر می تحول میں کیا ہے اس نے کہا ایک ہزار درہم سے زیادہ نہیں فرمایا وہ اس سائل کو دے دے اس نے عرض کی اس کے بعد کیا ہوگا گھر میں خورد و نوش کا کوئی سامان نہیں۔ اس میں سے حقوڑا روک لیجئے فرمایا کیوں روک لوں۔ کیا میرا خالق و رازق کل موجود نہ ہوگا۔ اور وہ خرے تقسیم ہو گئے جو باغ سے آئے تھے اس نے کہا اگر کھجور

ذخیرہ اندوزی انسان کو بسا اوقات سنگدل اور شقاوت قلبی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ سرمایہ دار رفتہ رفتہ حریص سے حریص تر بنتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے امک نے اس مذموم چیز کو کبھی اپنے قریب آنے ہی نہ دیا۔ وہ ہمیشہ قناعت پسند رہے۔ ذیل کے واقعات سے کسی قدر اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

### حضرت علی علیہ السلام کی قناعت

عیش پرست دنیا اپنی زندگی کی ضروریات کو اتنا بڑھا لیتی ہے کہ قطرہ سمندر بن جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے برخلاف ضروریات زندگی کو اتنا سمیٹا تھا کہ سمندر کھینچ کر کوزہ میں آگیا تھا ہر سامان زندگی اتنا مختصر تھا جس سے کم ہو ہی نہیں سکتا۔ بروقت جو مل گیا اسی پر قناعت کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ کبھی ذخیرہ کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہوئی۔ کبھی ضرورت سے زیادہ چیز گھر میں رکھی ہی نہیں۔ کل کیا ہوگا اس کی فکر ہی نہ تھی آج کیا ہو رہا ہے، اس کا غم ہی نہ تھا۔ جس زمانہ میں بیت المال کے الگ تھے تمام اسلامی خزانہ ہاتھ میں تھا۔ اس وقت بھی علیؑ کا وہی حال تھا جو اس سے پہلے تھا۔ وہ جو کی سوکھی روٹی ٹنک کے پانی میں چوری ہوئی غذا تھی وہی پیوند دار لباس بدن کی زینت وہی اندر کی بچھالی ہوئی زمین علیؑ کا فرش وہی ٹوٹا ہوا بوریا علیؑ کی مسند۔



ایسے خرے باقی ہیں جن کو کسی نے لینا پسند نہیں کیا فرمایا بیٹا بھرنے کے لئے وہی کافی ہیں۔ سائل کی حاجت روائی ہم اہلبیت کے لئے سب سے مقدم ہوتی ہے۔

### حضرت امام حسین علیہ السلام کی قناعت

امام حسین علیہ السلام بھی حد درجہ قناعت پسند تھے۔ ایک روز ابو درداءؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک جھولی میں خرے لے کر آئے عرض کی یا بن رسول اللہ میرے باغ کی بہترین خرے ہیں میں بطور تحفہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ ان کو محفوظ رکھئے اور چند روز ان کو تناول فرمائیے آپ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا اے ابو درداء اگر کبھی کسی چیز کا ذخیرہ کرتے تم نے اس میں دیکھا ہے۔ جو خداوند عالم اپنے فضل و کرم سے ہر روز ہم کو دیتا ہے ہم اس پر قناعت کرتے ہیں اور کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کچھ اصحاب رسول اور ملنے کو آگئے۔ آپ نے وہ سب خرے ان پر تقسیم کر دئے۔ یہ تحفہ ابو درداء نے مجھ کو دیا تھا میں اپنی طرف سے آپ کو دیتا ہوں۔

### حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی قناعت

منہال کو فی کہتے ہیں میں ایک بار امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو ایک ہنایت بوسیدہ چادر اور پٹے دیئے دیکھا چند روز قبل میں نے ایک نئی چادر خریدی تھی اور ابھی تک اس کو استعمال نہیں کیا تھا۔ وہی چادر میں خدمت امام میں بطور تحفہ پیش کی آپ نے فرمایا اے منہال یہ کسے مستحق کو دے دو۔ میری موجودہ چادر میرے لئے کافی ہے۔ اہلبیت زیب و زینت کے شائق نہیں جو چیزیں سردی و گرمی سے بچاتی ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ابھی میری یہ چادر رشتہ نہیں ہوئی کہ تمہاری چادر لے کر دوسروں کی خدمت کا خیال دل سے نکال دوں۔

### حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی قناعت

ہشام کو امام محمد باقر علیہ السلام سے بے عداوت تھی اس کو یہ کھٹکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وقت حضرت محبان علیہ السلام جمع کر کے اس پر خروج کریں۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی نذیر سے حضرت کو مدینہ سے جلا کر دے اور دمشق میں اپنی حراست میں رکھے ایک بار اس نے حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے سنا



ہے آپ وہاں بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں آپ مشتق  
آئیے۔ یہاں میں آپ کو شاندار مکان رہنے کو دوں گا اور  
آپ کا ایسا وظیفہ مقرر کروں گا کہ آپ کی زندگی راحت و  
آرام سے گزرے فی الحال ایک ہزار اشرفیاں بطور تحفہ روانہ  
کرنا ہوں۔ جب امام علیہ السلام سے ہشام کے پیامبروں نے  
ہشام کی خواہش کا اظہار اور وہ اشرفیوں کی بھٹی آپ کے  
سامنے رکھی تو آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہو گیا اور فرمایا  
میں نے جب اپنی عسرت و تنگدستی کا اظہار ہشام یا اس کے ارکان  
سلطنت پر کیا ہے۔ بخدا میرے لئے یہ فرسودہ حصیر اور کھٹی  
لونی عبا ہشام کی سلطنت سے کہیں بہتر ہے۔ ہم کو مال دنیا کی  
مجاہد نہیں ہم کو عیش و آرام کی مٹنا نہیں۔ یہ اشرفیاں  
واپس لے جاؤ اور اس سے کہہ دینا میں جہاں اور جس حال میں  
ہوں۔ میرے لئے یہی بہتر ہے۔

### حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی قناعت

ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے وکیل محبت  
سے فرمایا مدینہ میں غلہ روز بروز گراں ہوتا جا رہا ہے ہمارے  
یہاں بھلا کتنا غلہ ہوگا۔ اس نے عرض کی ہمیں قحط کا خوف نہیں  
ہمارے پاس کافی غلہ ہے۔ فرمایا اس کو فروخت کر ڈالو۔

اس نے کہا اس وقت جینا مصلحت نہیں۔ پھر ملنا دشوار ہو جائیگا  
فرمایا کچھ پروا نہیں جو حال اوروں کا ہو گا وہی اپنا ہو گا۔  
جب سارا غلہ فروخت ہو گیا تو آپ نے فرمایا اب ہر روز اوروں  
کی طرح تم بھی خرید کیا کرو۔ اور نصف گندم اور نصف جو ملا کر  
روٹی پکایا کرو۔ اگرچہ کہ گیہوں اتنا ہے کہ کافی ہو سکتا ہے۔ مگر  
دوسروں کی ہمدردی یہی ہے کہ ان کے ساتھ خود بھی تکلیف  
اکٹائی جائے۔ چند روز بعد گرانی اور زیادہ ہو گئی۔ آپ نے وہ  
سب روپیہ فقرا و مساکین کو تقسیم کر دیا۔ اب نوبت یہ ہوئی کہ  
فائقے ہونے لگے۔ محبت کہتا ہے میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ  
آپ غلہ نہ فروخت کرتے تو یہ مصیبت نہ آتی۔ فرمایا اے معتب ہم  
کو دوسروں کی تکلیف کا احساس پھر کیسے ہوتا۔ اے محبت ہم حرالت  
پر قناعت اور ہر مصیبت پر شکر کرنے والے ہیں۔

### حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قناعت

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جب ہارون عباسی کی قید میں تھے  
تو جو کھانا آپ کے لئے آتا تھا اس کا زیادہ حصہ واپس جاتا تھا  
اور آپ بہت ہی قلیل غذا تناول فرماتے تھے ایک مرتبہ حافظ  
زندان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ کو یہ غذا پسند نہیں آتی۔ آپ  
کے لئے چند لذیذ غذا میں اپنے گھریلو کارکنوں اور اپنے ساتھیوں کو کہا



جب امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس کے کھلنے سے انکار فرمادیا۔ اس نے وجہ پوچھی آپ نے فرمایا لذیذ غذا میں پسند نہیں کرتے۔ جو غذا ہمارے خاندان نے ہمیشہ کھائی ہے وہی ہم کو مرغوب ہے۔ ہم روکھی سوکھی غذا پر قناعت کرنے والے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔

### حضرت امام رضا علیہ السلام کی قناعت

سیمان بن جعفر کہتے ہیں کہ ایک روز جو میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک پرانے حصیر پر تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کی حضور ولی عہد سلطنت میں گرو لی عہد کے شایان شان میں کوئی سامان نہیں دیکھتا۔ آپ نے فرمایا ایک ایسے بندے کے لئے موت جس کی گھات میں ہو تمہارے نزدیک کیا سامان ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کی حضور مجھ تو ہو فرمایا اے سیمان تم اس سامان کو دیکھنا چاہتے ہو جسے دنیا والے پسند کرتے ہیں۔ اور میں اس سامان کو دیکھتا ہوں جسے خدا پسند کرتا ہے۔ میری ضرورت کے لئے ہر سامان موجود ہے۔ دیکھو یہ کاسہ پانی پینے کا ہے۔ یہ حصیر آرام کرنے کا ہے۔ یہ چادر اور ٹھنکے کے لئے ہے۔ یہ طرف سر کر رکھنے کے لئے ہے۔ تباہ اور کیا چاہئے۔ کیا میری ضرورتیں ان چیزوں سے پوری نہیں

ہوتیں۔ میں نے عرض کی حضور بجا فرماتے ہیں۔ فرمایا بس تو یہ ہمارے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اے سلیمان میں یہاں سلطنت کرنے نہیں آیا بلکہ حقوق الناس کی حفاظت کے لئے میں نے اس عہدہ کو قبول کیا ہے۔

### حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی قناعت

امام محمد تقی علیہ السلام بہت ہی سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کا لباس بہت معمولی کپڑے کا ہوتا تھا ایک دن کسی نے عرض کی آپ بادشاہ کی برابر تخت پر بیٹھتے ہیں اس قدر سادہ لباس پہنتا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ فرمایا اگر میری قدر لباس کی بدولت ہوتی تو مجھے قیمتی لباس پہننا زیادہ لیکن جب ایسا نہیں تو میں سادگی کو کیوں ترک کروں میرا موجودہ لباس ستر پوش بھی ہے اور راحت بخش بھی۔ پھر اس کو ترک کر کے زینت کے لئے دوسرا لباس کیوں اختیار کروں۔ ہم اہلبیت کو جو میرا آتا ہے اس پر قناعت کرتے ہیں اور حرص کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے۔

### حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی قناعت

ایک بار بادشاہ کے سامنے کسی نے امام علی نقی علیہ السلام



## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی قناعت

امام حسن عسکری علیہ السلام کی قناعت پسندی کا یہ حال تھا کہ آپ کا غلام کہتا ہے حضرت نے کبھی کسی چیز کی کوئی فرمائش مجھ سے نہ کی جو چیز بکاشی فراہم ہو جاتی تھی اسی پر قناعت کر لیتے تھے۔

ہم نے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اخلاق کے متعلق یہ چند واقعات مختصر طور پر لکھ دئے ہیں ورنہ اگر ایک ایک فضیلت کو تفصیلاً بیان کیا جاتا تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی۔ انہوں میں ہے کہ ناقد ری دنیا نے ان مقدس ہستیوں کی قدر نہ کی اور ان کی پاک زندگیوں سے کوئی کسبت حاصل نہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا پرست انسانے روزگار جو حرص و آز اور خود مطلبی اور خود غرضی کے جال میں پھنسے ہوئے تھے ان کے پاس کوئی معیار ایسا نہ تھا جس سے وہ کھرے کھوٹے اور اصلی اور نقلی کی جانچ کر سکتے۔ انہی فضائل نفسانی سے ملتے جلتے وہ رذائل بھی ہیں جو شبہ فضائل کہلاتے ہیں۔ عام نگاہ میں اصلی اور نقلی موتیوں میں تمیز نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے ایسے لوگوں کو اپنا اخلاقی اور روحانی رہنما سمجھا جن کو حقیقی فضائل نفسانی سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رسول خدا ص کے جانشین ایسے ایسے لوگ مان لئے گئے جو اخلاق

کے زہد و درع اور توکل و قناعت کی بڑی تعریف کی اس نے کہا جب افتر نے ان کو سامان راحت و آسائش دیا ہی نہیں تو قناعت نہ کریں تو کیا کریں۔ اس نے کہا ایسا نہیں ہے۔ وہ زیب و زینت اور راحت و آرام کی طرت تو بھر ہی نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا اچھا میں ان کا امتحان لوں گا۔ ایک روز اس نے طرح طرح کے بیش قیمت لباس اور ایک خوان اشرفیوں سے بھرا ہوا اور آرائشی سامان حضرت کی خدمت میں بھیجا اور غلام سے کہہ دیا کہ امام علی نقی سے کہنا کہ بادشاہ نے تحفہ بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ان چیزوں کو استعمال کریں۔ غلام نے وہ سب تحفے امام کے سامنے رکھے آپ نے فرمایا جو چیزیں ہماری ضرورت سے بالاتر ہیں ان کو لے کر کیا کیا جائے۔ غلام نے اصرار کیا آپ نے ایک گوشہ کی طرت اٹھا دیہ کیا کہ وہاں رکھ دو۔ غلام رکھ کر چلا گیا۔ بادشاہ نے جاسوس لگائے کہ استعمال کر رہے ہیں یا نہیں۔ ہر روز میری رپورٹ پیش ہوتی تھی کہ جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ دو ماہ گزرنے کے بعد بادشاہ آیا اور اس سامان کو دیکھا۔ غلام سے پوچھا اس میں سے کوئی شے تم کو نظر نہیں آتی۔ اس نے کہا کم کا کیا ذکر ہے جس طرح دو ماہ قبل میں نے جو چیز جہاں رکھی تھی آج بھی ویسے ہی رکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے چھوٹی تک نہیں۔ بادشاہ حیرت میں رہ گیا اور حکم دیا کہ یہ سب سامان واپس لے جاؤ۔



میں بہت درجہ تھے۔ مگر دولت کی پالش نے ان کے عیوب لوگوں کی نگاہوں میں محسوس بنا دے تھے۔

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں ہر فضیلت اپنا ایک وسطی خطا کھتی ہے اس سے بال برابر اوپر نیچے ہو جانا فضیلت کو خاک میں ملا دیتا ہے اور اس کے ملتی جلتی ایک رذیلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے ارباب سلوک و رشاد، مقدس صوفیائے کرام قابل احترام اولیاء اللہ جو قطب و ابدال اور خدا جانے کیا کیا سمجھے جاتے ہیں ان کے اخلاق و عادات کا تقابل اگر ائمہ اہلبیت کے اخلاق سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان سب کے ہادی طریقت اور مرشد کامل امیر المؤمنین علیہ السلام قرار نہ پاتے۔ ہم نام لے لے کر ان ذوات کو رسوا کرنا نہیں چاہتے جن کے دامنوں سے سواد اعظم کی عقیدت وابستہ ہے صرف اجمالاً ہی اتنا کہتے ہیں کہ اسلام کی یہ انتہائی بدفہمی تھی کہ مسلمانوں میں گھرے کھوئے ٹاٹے تیز باقی نہ رہی اور لوگوں نے ہیروں کے مقابل خزف ریزے رکھ کر انہی عقیدت کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا۔ وہ ظالم تھے۔ عادل بنائے گئے جو جاہل تھے وہ حکیم سمجھے گئے جو بدکار تھے وہ نیکو کار سمجھے گئے جو انتہائی کج خلق اور بدسرشت تھے ان کو اعلیٰ اخلاقی معیار پر فائز سمجھا گیا۔

جنوں کا نام ضرور رکھ دیا خود کا جنوں کا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ماز کرے

بہر حال خدا کی حجت تمام ہو گئی۔ رسول کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔ کہ ہر زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا ایک بہترین نمونہ انبیاے روزگار کے سامنے آتا رہا۔ اگر قدر نہ کی تو اس کا عذاب ان کی گردن پر رہا۔

اس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کے اخلاق سے اگر دشمنوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو دوستوں نے بھی جیسا کہ چاہئے فیض حاصل نہ کیا۔ دشمنوں نے تو اخلاق ائمہ کو نہ توجہ کے کاٹوں سے ستارہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ رہے دوست ان کا حال اب یہ ہے کہ اخلاق ائمہ کو سننے بہت توجہ سے ہیں بے حد سرور بھی ہوتے ہیں۔ قدر دان بھی ہیں لیکن عمل سے کوسوں دور ہیں۔ یعنی ان کا کام صرف اتنا ہے کہ ائمہ کے اخلاقی فضائل سن کر نعرہ درود و صلوة بلند کریں۔ دشمنوں کے مقابل فخر کریں اور کس۔ اس راہ میں ہمارا عملی قدم اس حد تک سست ہے کہ اس کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ ہم اپنے مقام پر گویا یہ طے کئے بیٹھے ہیں کہ جو کچھ کرنا تھا ہمارے ائمہ کر گئے ہم سے عملاً اس کا کوئی تعلق نہیں ہم صرف سن کر خوش ہونے والوں میں سے ہیں نہ کہ ان کے اخلاق عملاً دکھانے والوں میں سے۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا اور صدیوں رہا جبکہ ہمارے اخلاق و



عادات ایک بڑی حد تک قابل فخر تھے اور ان میں اخلاق ائمہ کا رنگ جھلکتا تھا لیکن اب تو ہماری اخلاقی حالت اس قدر پست ہو گئی ہے کہ خدا کی پناہ۔ اگرچہ خدا کا یہ فضل و کرم اب بھی ہے کہ ہم عام مسلمانوں سے اخلاقاً ہزاروں درجہ بہتر ہیں لیکن اپنے ائمہ کے اخلاق سے ضوگیری روز بروز کم ہوتی جاتی ہے خدا نہ کرے کہ کوئی دن ایسا آئے کہ ہمارے اخلاقی بگاڑ دوسرے مسلمانوں کی طرح بن جائیں۔

وہ اخلاقی رذائل جن سے ہمارے ائمہ کو انتہائی تنقید تھا ان کی نشو و نما پوری قوت کے ساتھ ہمارے اندر چل رہی ہے۔ جس سے ہمارا پسگرداں نیت مسخ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اگر ہم کو محبت الہیت کا دعویٰ ہے تو ہمارا اولین فریضہ یہ ہے کہ اخلاقی رذائلوں سے اپنے کو دور رکھیں۔ بھروسہ غیبت، حسد، بغض، کینہ، ریاکاری، فریب، حق ناشناسی، زہن مذہبی سے غفلت، مال حرام کی طرف توجہ، امور ضعیف سے غفلت وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو ہم میں جگہ جگہ چلی ہیں اور سب سے بڑا اسوس یہ ہے کہ ہمارا احساس اس درجہ مفلوج ہو گیا ہے کہ ان برائیوں کی سچ کنی کی وہ کہہ نہیں کرتے بلکہ ہم ان کو کوئی قابل علاج بیماری ہی سمجھتے ہیں۔

جانتے آپ غور کریں ہماری یہ حالت کس درجہ افسوسناک ہے یہی چیز بروہ کر ضلالت و گمراہی کا باعث ہو جاتی ہے۔ کیا ہمارے ائمہ جو ہمارے ہر حال کے نگران ہیں۔ ہماری اس حالت سے خوش ہوتے ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا یہ طریقہ زندگی ان کے دوستوں کا سا نہیں بلکہ دشمنوں کا سا ہے۔ یاد رکھئے دنیا دار العمل ہے۔ مرزوع آخرت ہے۔ یہاں صرف کہنے سے کام نہیں چلتا بلکہ عمل سے کام چلتا ہے۔ جب تک ہم اپنے سے اخلاقی پستی کو دور نہ کریں گے۔ ہم اپنے ائمہ کی تاسی سے دور رہیں گے۔

تمت بالخير